ششماہی علمی و تحقیقی مجلّہ

ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ

معارف اسلامی

جلد نمبر 13، شمارہ نمبر 1، جنوری 2014ء تا جون 2014ء

ISSN: 1992-8556

فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی قرآنی فکر

(مکاتیب کے آئینہ میں)

Shah Wali Ullah's Qura'nic Thought
(In the Light of His Letters)

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس☆

Abstract

Undoubtedly Shah Wali Ullah(1703-1762) and his family has a poineer role to convey the Qur'anic massage to the people of Sub-Continent in their language. Apart from the contribution in other branches of Islamic Sciences, Shah Wali Ullah wrote many books on Qur'anic Sciences. Although he wrote permanent books on the topic but in the collection of his three hundred and fifteen(315) letters(Nadir Maktoobat), many of the discussions are about Qur'anic Sciences. This article enlightens on his Qur'anic Thoughts derived from these letters. Most of these thoughts are his own work as some others are by the clerigy of his time whose thoughts are appreciated and approved by Shah Wali Ullah. The article focused on three main points regarding Shah Wali Ullah's Qur'anic Thought taken from the letters:

1. Acdemic and Dialectic discussion about the Qur'an
2. Explanation of Qur'anic verses
3. Any sentence contains the unique point derived from the Qur'anic verse.

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور آپ کے خانوادہ نے برصغیر میں علوم دینیہ کی تشریح و تفہیم کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ قرآن کریم کو بالخصوص جس طرح اس طائفہ نے اپنے کار علمی کی بنیاد بنایا، وہ انہیں کا خاصہ و مقدر رہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی قرآنیات پر متعدد تصانیف ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے قرآن فہمی کا ذوق عام کیا۔ قرآنیات پر فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، فتح الخبیر، الفوز الکبیر، زھر اوین، المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ جیسی مستقل کتب آپؒ کے علوم قرآنیہ سے دلچسپی کا مظہر ہیں[1]۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ نے اپنی مختلف تصانیف میں

☆ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔

قرآنیات کے حوالہ سے بیش قیمت معلومات و تحقیقات نقل کی ہیں۔ اگر ان کو بھی اکٹھا کر لیا جائے تو آپؒ کی قرآنی فکر کا ایک نیا رخ سامنے آئے گا۔

نادر مکتوبات آپؒ کے ۳۱۵ مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ ان مکاتیب میں علوم القرآن کی مختلف انواع پر آپ کی تحقیقات نادرہ موجود ہیں۔ ان مکاتیب میں شاہ صاحب کی قرآنی فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں وہ تحقیقات بھی شامل ہیں، جو کسی اور نے آپ کو خط میں ارسال کیں، آپ نے ان کو اپنے مکتوب میں کسی تبصرہ کے ساتھ نقل کیا۔

۱۔ قرآن کریم سے متعلقہ علمی / کلامی مباحث۔ ۲۔ آیات قرآنی کی تفسیر۔

۳۔ جملوں میں آیات کا اس طرح استعمال کہ آیت سے مستنبط ہونے والے کسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو۔

ان نکات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ قرآن کریم سے متعلقہ علمی / کلامی مباحث

الف۔ کتب اربعہ کا ظہور

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ[۲] (۱۱۱۰ / ۱۶۸۹۔۱۱۸۷ / ۱۷۷۳) کو لکھتے ہیں:

ایک اور معرفت عظیمہ جو آپ کے مکتوب میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ کتب اربعہ (توریت، زبور، انجیل، قرآن) کا ظہور ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی کی صفات کے بالمقابل ہے، صحیح ہے، اور قرآن مجید کے کتب اربعہ کے مطالبِ کلیہ پر مشتمل ہونے نیز اُس کے امام مبین، کتاب، حکیم، ام الکتاب اور کتاب مبین کے نام رکھے جانے کی بحث بھی صحیح ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیل فقیر کے قلب پر وارد نہیں ہوئی۔ آپ کے نفس میں جو ظہور برکات الٰہیہ ہے اس کو بھی آپ نے شرح وبسط کے ساتھ لکھا تھا۔ یعنی آپ کا پورے طریقہ پر طاعت و عبادت کرنا اس بنا پر کہ آپ کو صیام، قیام اور تلاوت کلام اللہ سے رغبت ہے، قوم کے نفوس میں آپ کی رغبت اور محبت کا ہونا، یہ سب باتیں وہ ہیں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس شعر کا مصداق ہیں:

؎ آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی شد[۳]۔

ب۔ قول امام جعفر صادق کی وضاحت

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر ملت میں سے ایک شخص سے فرمایا: "میں قرآن مجید کو اس کے قائل و متکلم یعنی اللہ تعالیٰ سے سنتا ہوں؟ اور حضرت شیخ الشیوخؒ اس مقولے کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ مثل شجر ہئ موسیٰ (یعنی شجر ہئ طور) ہو جاتے ہیں اور اپنی زبان سے نکلے ہوئے کلمات قرآنیہ کو فوارے کی طرح ادا کرتے ہیں۔

یہ ہے وہ بات جو شیخ الشیوخؒ نے اس کی توجیہہ میں فرمائی لیکن جو اس بندہ ضعیف پر ازروئے ذوق اور ازروئے حال گذرا وہ یہ ہے کہ مقام کلام نفسی کہ نزول قرآن کا تعلق اسی مقام و بارگاہ سے ہے، بندے پر منکشف ہوا۔ بندہ نے دیکھا کہ یہ معانی قرآن عمدہ ترین اسلوب بیان کے ضمن میں اہل زمین پر بارش کی طرح برابر برس رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان الفاظ و معانی کا مخاطب نوع انسان ہے اور اس انکشاف نے خالص مرتبہ عقلیہ سے تنزل کیا اور اُس نے خیال و وہم کو اپنے رنگ میں رنگین کر لیا اور ایک عجیب حالت حاصل ہوئی، مثل اُس اتصال کے جو صرف ذات (خالص ذات) کی توجہ میں ہوتا ہے۔

تین ضمے (ضمیمے) اس صفت کے ساتھ حاصل کر لیے گئے۔ البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض وجہ سے یہ بات نہ ہو۔ مثلاً کوئی خارجی مانع (رکاوٹ) موجود ہو، اور اُس کی وجہ سے یہ حالت غائب کر دی جائے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ بزرگ (حضرت جعفر صادقؒ) نے اسی حالت مذکورہ سے مراد لی ہو گی۔ جیسا کہ "مشہود" کو صوفی کبھی رؤیت و نظر سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (ایسا ہی انہوں نے) اس حالت کو سمع (سننے) سے موسوم کر دیا ہے..... اور حقیقت کو اللہ خوب جانتا ہے [۴]۔

ج۔ تجلیات سہ گانہ

شاہ محمد عاشق پھلتی کو تجلیات سہ گانہ کے بارہ میں تفصیل سے لکھا۔ تیسری تجلی کے حوالہ سے لکھا:

یہ تجلی تلاوت قرآن عظیم کے وقت میں واقع ہوئی..... (صورت یہ پیش آئی کہ) لطیفہ عقل کو ایک جنبش ہوئی اور اضمحلال متحقق ہوا۔ اس حالت سے افاقے کے بعد چند علوم ظاہر ہوئے۔ اس تجلی کی من جملہ اور باتوں کے ایک یہ ہے کہ اس تجلی کا نزول ایک خاص مقام سے ہے، اور وہ مقام صورت انسانیہ کے اندر تدلی کل کی گہری نظر کا ہونا ہے۔ نیز وہ استعداد جبلی ہے کہ تمام افراد انسانیہ اس میں متحد و متفق ہیں، اور وہ طاری ہونے والے حوادث ہیں جو ان افراد انسانیہ کو پیش آتے ہیں۔ ان حوادث کا علاج اور اُن کی اصلاح کرنے والی تدبیر مسامت (مقابل) اور مسامت (جس کا مقابلہ کیا گیا ہو) دونوں کا، ان تینوں مذکورہ قوتوں (قوت مجردہ، قوت ملکیہ اور احدیت جمع درمیان خیال و وہم) میں جمع ہونا ہے جیسا کہ ہم نے تجلی اوّل کے بیان میں تحریر کیا ہے۔

لہٰذا (تلاوت قرآن مجید کے وقت) ایک عجیب شان رونما ہوئی، اور اضمحلال متحقق ہوا۔ اس کے بعد وہ دونوں (مسامت اور مسامت) باہم مل گئے اور تینوں مادوں (قوتوں) سے قلۃً وکثرۃً (بطور قلت و کثرت) عجیب صورتیں ظاہر ہوئیں۔

آیات قرآنی ان تمام بھیدوں کی جامع ہیں، جب تک کہ زمانہ اور اہل زمانہ موجود ہیں (یعنی قیامت تک) حق تعالیٰ متکلم ہے، اور آیات قرآن اُترنے والے کلمات حق ہیں، لیکن لسان الغیب کے ترجمان حضرت محمد خاتم الرسل ﷺ ہیں، اس لیے کہ یہ تینوں مذکورہ قوتیں آنحضرت ﷺ کے اندر کامل اور وافر طور پر تھیں۔ دوسرے آپ کے دستر خوان نعمت کے ریزہ چین ہیں۔

منجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ نبوت اور نزول قرآن محض تعلیم علم نہیں ہے۔ جس طرح کہ مدبر السموات والارض (اللہ تعالیٰ) صور جوہابہ میں سے کسی صورت کو معدوم کر دیتا ہے اور ایک دوسری صورت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت میں شرائع تکلیفیہ کی صورتیں پہلے صورت روحیہ میں، پھر صورت وہمیہ میں اور پھر صورت خیالیہ میں متصور اور متشکل کر دیتا ہے اور طبقات ملائکہ ملکیت کے ادنیٰ اور نچلے طبقے تک سب کے سب اسی رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں، اور اسی کی مناسبت سے اُن کو الہام و القاء کیا جاتا ہے..... پس اگر کسی جاہل نے شرائع (شریعتوں) کا انکار کیا یا شریعت کی باتوں کی بے جا اور ناحق تاویل کی تو اگرچہ وہ اصابت حق (حق تک پہنچنے) کا قصد ہی کیوں نہ رکھتا ہو گا، ضرور ماخوذ ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ موسم مرطوب ہے اور آسمان سے زمین تک سب چیزیں بھیگی ہوئی ہیں اور (ایک شخص خواہ مخواہ) یہ گمان کرتا ہے کہ موسم گرم ہے اور اُس کے اندر انتہائی گرمی اور خشکی ہے۔ یہ فاسد اور غلط اعتقاد اس کو کچھ نفع نہیں بخشتا اور مرطوب ہوا کی وجہ سے اُس شخص کی تکلیف روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے اور بیماریاں اُس کے اندر عفونت میں دم بدم اضافہ کرتی رہتی ہیں۔

تجلیات سہ گانہ کے سلسلے میں یہ آخر کلام ہے۔ "وَالحمدللہ تعالیٰ أولًا وآخرًا وظاهرًا وباطنًا" [۵]۔

د۔ حقیقت قرآن

خواجہ محمد امین کشمیری [۶] (م ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء) کو قرآن کے قدیم ہونے، نزول وحی بواسطہ ملائکہ ہونے اور حقیقت قرآن کے بارے میں لکھا:

"سوال کیا ہے کہ قرآن کے قدیم ہونے کا راز کیا ہے اور وحی کا نازل ہونا کہاں سے ہے اور حقیقت قرآن کے کیا معنی ہیں؟ جاننا چاہیے کہ جب ازل میں، تجلی اعظم کے زمانے سے پہلے، سطح میں حقیقت مطلقہ متعین ہوئی تو کمالات تجلی اعظم سے ایک کمال اس کے ساتھ متعین و قائم ہوا، اس طرح جیسے روشنی کا قیام جسم آفتاب کے ساتھ

ہے۔ اور وہ کمال نازل شدہ علوم کے ساتھ نفوس انسانیہ کی تدبیر ہے۔ نفوس بنی آدم میں سے کامل نفوس کی راہ سے ایسے علوم کے قانون پر کہ جس کی صورت انسان اپنے افراد میں باقتضائے اولیٰ اسباب کشف کی شرط کے بغیر مقدمات اولیہ عقلیہ وغیرہ کے ساتھ تقاضا کرتی ہے۔ اور اس کمال نے ایک تعین و امتیاز پیدا کر لیا ہے اور ایک اپنی جامع ومانع تعریف بہم پہنچائی ہے۔ اس کے بعد تجلی اعظم کے ان عکسوں نے جو ملأ اعلیٰ کے احجار یہتہ میں متعین و قائم ہوتے ہیں ایک دوسری صورت اختیار کر لی۔ تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر جزا و سزائے قیامت، مخاصمت کفار، تعیین احکام در عبادات، تدبیر و تالیف منزل اور تدبیر و تالیف مدنی (ملکی) ان علوم میں سے کوئی علم اس جگہ مقرر و تیار نہیں ہوا، اور دائرے کشادہ تر ہو گئے۔ جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو ممد غیبی کے ذریعہ جو ملأ اعلیٰ کے حظیرۃ القدس کی پشت سے بر آمد ہوئی اور ملاء اعلیٰ کی ہمتوں نے ان سب علوم کو متعین کر دیا۔ جبریل علیہ السلام اس تعیین در عقلیت میں ملائکہ کے پیش رو ہیں، آنحضرت ﷺ نے لغت عربیہ اور سورتوں اور آیتوں کے اسلوب جدید و عجیب کا لباس پہنا، اور آنحضرت ﷺ نے ان سور و آیات کو لوگوں تک پہنچایا۔ ان آیات کے پہنانے میں ذرائع الٰہی میں سے ایک ذریعہ و آلہ ہو گئے اور قوت غیبی سے اس کام کو سر انجام دیا۔ ہزاروں افواج ملائکہ کو قرآن کی محبت کا اور اس کے الفاظ کے حفظ کرنے کا الہام کیا گیا۔ اور (نزول کے بعد) بنی آدم نے ہر زمانے میں اس کی تلاوت کی اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور ان کے اعمال نامے میں اس کی تلاوت (کے ثواب) کو لکھا گیا۔

پس عالم مثال کے ایک موطن (مقام) میں جو عالم علوی و سفلی کے درمیان ہے اور جہاں آسمان و زمین دونوں کی برکتیں جمع ہوتی ہیں، اس نے صورت اختیار کر لی اور ایک عجیب وسعت پیدا کر لی۔ پس قرآن اپنے اصل کے لحاظ سے قدیم ہے، البتہ باعتبار نزول حادث ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اور حضرت حق تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک بزرگ فرشتہ یعنی جبریل امین کے واسطے سے نازل کیا گیا ہے، اور یہ بندوں کی زبانوں پر پڑھا گیا ہے، عظیم الشان مصاحف میں لکھا گیا ہے اور گروہ ملائکہ میں یہ قرآن واجب التعظیم اور کثیر البرکات ہے۔ اس کی تلاوت بنی آدم کی حاجتوں کو بر لانے میں تاثیر رکھتی ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ قرآن جس مقصد سے پڑھا جائے وہ پورا ہوتا ہے اور یہ قرآن ملأ اعلیٰ اور عالم مثال دونوں میں متعین و مقرر ہے۔ اور الحمد للہ میں اس حقیقت معینہ در عالم مثال پر بے واسطہ پورا پورا یقین رکھتا ہوں۔ (ترجمہ شعر) "اگر میرے لیے ہر بن مو ایک زبان بن جائے تو میں اللہ تعالیٰ کی واجبی اور حقیقی حمد ادا نہیں کر سکتا"[۷]۔

ان مکاتیب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خالصتاً علمی اور کلامی مباحث کو سادگی اور بے تکلفی سے اپنے مکاتیب میں بیان کیا ہے۔

۲۔ آیات قرآنی کی تفسیر

ذیل میں مکاتیب سے ایسے اقتباسات کیے جاتے ہیں جن میں آپ نے کسی آیت کی تفسیر یا کسی لفظ کی وضاحت کی ہے۔

الف۔ دو آیات کی وضاحت

سورۃ ھل اتیٰ (سورۃ الدہر) میں چشمہ کافور اور چشمہ زنجبیل کو اصالتاً مقربین کے لیے مقرر فرماتا ہے اور وہ شراب طہور کو جس کی ملونی کافور و زنجبیل (سونٹھ) ہے، ابرار کو دیتا ہے۔ پھر سورۃ المطففین میں چشمہ تسنیم کو اصالتاً مقربین کے لیے مقرر فرماتا ہے اور وہ شراب طہور جس کی ملونی تسنیم ہو گی، ابرار کو دیتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اس میں کیا بھید ہے؟[۸]

اس بھید کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

جاننا چاہیے کہ کافور ایک چشمہ ہے جو اچھی خوشبو والا ہے اور اس کے پینے میں کوئی کڑواہٹ نہیں ہے مقربین کی قوت کے کمال کی شکل ہے..... وہ قوتِ عقلیہ جو رحمٰن کی طرف متوجہ ہے اور جو پہنچنے والی ہے ایسی باتوں کے ایقان و یقین تک جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس طور پر کہ جس سے غیب، باب العیان میں سے (یعنی آنکھوں دیکھے حالات میں سے) ہو جائے۔

زنجبیل (سونٹھ) کہ اس کا ذائقہ حریف (چرپرا اور تیزی لیے ہوئے) ہے اور اس حرافت (یعنی عملیہ) کے کمال کی صورت ہے۔ جو نقشہ بہیمیہ کو توڑنے اور اس کی خواہشات سے لڑنے جھگڑنے کی طرف متوجہ ہے۔ مقربین اس مجادلے اور قضیے میں چرپراہٹ کے ساتھ ایک لذت پاتے ہیں۔

پس یہ کڑواہٹ اور لذع اللسان (سوزش زبان) نفس کو توڑنے کی وجہ سے ہے اور اُس شدت کی وجہ سے ہے جس کو مقربین کسر نفسی کے سلسلے میں جھیلتے اور برداشت کرتے ہیں اور لذت "نفس ملکیہ" کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بہر حال کافور کا اچھی خوشبو والا ہونا نہ کہ زنجبیل کا، اس لیے ہے کہ قوت عقلیہ کو جب کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے اندر عالم جبروت کا انکشاف داخل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اجمالی ہی کیوں نہ ہو..... اور یہ چیز وہ غیب

ہے جو اپنے عالم شہادت والے وصف کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ اچھی خوشبو بھی ایک ایسا غیب ہے جو ایک جسم کے ساتھ قائم ہے اور یہ شان قوت عملیہ کی نہیں ہے۔

بہر حال تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جو عالی مرتبہ ہے۔ اس کو نہ تو کسی خوشبو کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی ذائقے کے ساتھ ..... اس لیے کہ تسنیم مشتق ہے "سنام" سے اور سنام اُونٹ کے اعلیٰ حصے (یعنی کوہان) کو کہتے ہیں..... اونچا مرتبہ وہ ہے کہ جس میں غیب ظاہر ہو اور اس میں ایسا امر جلوہ گر ہے کہ جو "لا کیف" سے مناسبت رکھتا ہو۔ جیسے کہ وہ ملاحت (نمکینی و خوبصورتی) جو تناسب اعضاء سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ رنگ وغیرہ سے..... یہ جزو جبروتی کی صورت میں جو نفس ناطقہ کے باطن میں رکھی گئی ہے۔

عالم جنان (جنتوں کے عالم) میں اللہ تعالیٰ کے طریقوں اور عبادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر وہ کمال جو نفس میں حاصل ہو اُس کی ایک مثال ہوتی ہے۔ ارتفاقات میں سے ہر نوع کے اندر پینے اور کھانے وغیرہ کی چیزوں میں سے۔

جب صورت کمال نوع شراب میں ظاہر ہوئی تو واجب ہوا کہ قوت عقلیہ، قوت عملیہ اور جزو جبروتی میں سے ہر ایک کے لیے ایک صورت قرار دے دی جائے۔ یہ اصل ہے جو ایسے عارف پر منکشف ہوتی ہے جس نے ہر عمل کی جزاء کو جان لیا ہے۔ جب اعمالِ مقربہ اور اعمال مبعدہ میں سے ہر نوع کے لیے عالم ملکوت اور عالم شیاطین کی طرف رجحان ہے اور عالم ملکوت کا مبدأ فیض کی طرف میلان ہے جو کہ اول سلسلہ وجوہ ہے، اور عالم شیاطین کو مبدأ فیض سے بہت زیادہ دوری ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی طرف میلان طبیعی ہوتا ہے، وہ اسی چیز کے اندر مندرج (داخل) ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ابرار کے لیے ایک کتاب ہو کہ جس میں اُن کے اسماء لکھے ہوئے ہوں۔ یعنی اس میں اُن کی صورتیں چھپی ہوئی ہوں۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے اللہ سے قریب کرنے والے اعمال کیے اور ضروری ہوا کہ یہ کتاب "ملکوت" کے ایسے اعلیٰ مقام میں رکھی جائے جو جبروت سے ملا ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَo وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ o كِتَابٌ مَرْقُومٌo يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ﴾[9]

(بے شک ابرار کی کتاب علیین میں رکھی ہوئی ہے۔ اور مخاطب تجھے معلوم ہے کہ علیین کیا ہے۔ ایسی کتاب جس میں ثواب لکھے ہوئے ہیں اور مقربون کے سامنے رہتی ہے)۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ کتابت صورت اجمالی ہے اس چیز کی جو لکھی جائے، اور یہ بھی ضروری ہوا کہ فجار کے لیے ایک کتاب ہو کہ اس میں اُن کے اسماء لکھے ہوئے ہوں یعنی اُس میں اُن کی صورتیں چھپی ہوں..... اس حیثیت سے کہ اُنہوں نے ایسے اعمال اختیار کیے جو اللہ اور جنت سے بعید کرنے والے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہوا کہ کتاب فجار ظلمات کے آخری کنارے میں رکھی جائے جو کہ مبدا فیض ہے، انتہائی دُوری پر واقع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍO وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌO كِتَابٌ مَرْقُومٌO وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾[10]۔

(البتہ کتاب فجار سجین میں ہے اور اے مخاطب تو جانتا ہے کہ سجین کیا ہے؟ ایسی کتاب کہ جس میں اعمال بد لکھے ہوئے ہیں۔ خرابی ہے اُس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے)[11]۔

ب۔ صدیقیت انبیاء و امتیاں

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے سوال کے جواب میں آپؒ نے تحریر فرمایا: "آپ نے لکھا تھا کہ کتاب حجہ بالغہ (حجۃ اللہ البالغہ) میں بہ سلسلہ تحقیق صدیقیت، سینہ ہائے افاضل امت کے اندر انعکاس انوار نبوت کو صدیقیت قرار دیا گیا ہے۔ پس اس صورت میں قرآن کریم کی آیہ کریمہ: ﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾[12] (بے شک ابراہیم علیہ السلام صدیق اور نبی تھے) کے کیا معنی ہوں گے؟ جاننا چاہیے کہ جو حجہ بالغہ میں مذکور ہوا ہے، وہ امتوں کی صدیقیت کی تحقیق ہے اور یہ صدیقیت انبیاء کا ظل ہے۔

بات کو واضح طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ صدیقیت اُمتیان، اُمتیوں کے سینے میں انعکاسِ انوارِ نبوت کا نام ہے۔ جیسا کہ حجہ بالغہ میں تشریح و تفصیل کر دی گئی ہے..... رہی صدیقیت ابنیاء تو وہ افاضل انبیاء کے سینوں میں انوار تجلی اعظم کا انعکاس ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ نسبت قمر کے ساتھ رکھتا ہے۔ اُس نسبت کا ظل ہے جو قمر، شمس کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور ان دونوں نسبتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کتاب خیر کثیر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے اثبات امامت اسی معنی و حقیقت کے لوازم میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾[13] (اے ابراہیمؑ! بے شک میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا ہے)۔

خیر کثیر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مشابہت کا اثبات بھی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے [۱۴]۔

ج۔ آیت کی تشریح و تفسیر

شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف سے بیان فرمایا: ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ﴾ [۱۵] (ہم میں سے ہر ایک کا کام مقرر ہے) اگر پورے غور و فکر کو کام میں لایا جائے تو یہ بات فقط ملائکہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے (بلکہ) ہر سالک کو ایک ایسے خاص مزاج پر پیدا کیا گیا ہے جو یقینی طور پر مراتب قوتِ عقلیہ و عملیہ میں سے ایک خاص مرتبے کا مقتضی ہے اور اُس کے لطائف میں سے کوئی (ایک) لطیفہ زیادتی ظہور کی وجہ سے تمام لطائف میں ممتاز ہو گا۔ یہ سالک ہاتھ پیر مارتا ہے، نشیب و فراز میں دوڑتا ہے، اور ہر تر و خشک سے تعلق پیدا کرتا ہے تاکہ ترقی واقع ہو..... یہ ہر عمل سے ایک نفع اور ہر صحبت سے ایک ثمرہ حاصل کرتا ہے..... بہت سی مصیبتوں اور دقتوں کے بعد..... جب اس سالک کا سفر ختم ہوا، اور تسلی کے مقام میں پہنچ گیا تو اُس نے اپنے لطائف میں سے وہی لطیفہ دیکھا جو کہ ظاہر اور روشن ہو گیا ہے اور اُس کی مخفی استعداد قوت سے فعل میں پہنچ گئی ہے، اور اُسی مرتبہ خاص کو دیکھا جس کے لیے خود اپنے اندر گھوما گیا اور اپنی طلب میں مدتوں دوڑا، آخر خود کو پہنچ گیا۔ ہاں چونکہ ملائکہ کے اندر یہ ہاتھ پاؤں مارنا، نشیب و فراز میں دوڑنا، تر و خشک سے آویختہ ہونا، اور ہر عمل سے ایک تازہ نفع اور ہر صحبت سے ایک ثمرہ پانا نہ تھا، اس لیے وہ کلام مذکور کے ساتھ تمام مخلوق میں زیادہ حق دار و مستحق واقع ہوئے اور اس دعوے میں سب سے زیادہ صادق نظر آئے..... پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف سے فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾ [۱۶] (اور ہم البتہ صف بستہ رہتے ہیں)۔ اگر غور و تأمل کو پورا پورا کام میں لایا جائے تو یہ معنی بھی ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ ہر جماعت کے افراد جو استعدادات متقاربہ رکھتے ہیں، وہ عالم معنی میں صف بستہ ہیں اور نماز جبلی (نماز فطری) کے اندر اُن کی صفیں عجیب شکل میں کھڑی ہوئی ہیں، لیکن چونکہ ملائکہ کے مزاج چنداں نوبہ نو اور رنگ برنگ ارادے نہیں رکھتے، اور اُن کے مقامات اُن کی استعدادوں کے تابع ہیں۔ اس لیے صف بندی کے معنی اُن کے اندر اچھی طرح ظاہر ہوئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ﴾ [۱۷] (بیشک ہم تسبیح کرنے والے ہیں) یہ معنی بھی تمام افرادِ مخلوق کے اندر جاری و ساری ہے۔ ہر ایک کی حمد ہے، دوسرے کی حمد کے سوا..... اور ہر ایک کی ایک تسبیح و تقدیس ہے، دوسرے کی تسبیح و تقدیس سے علیحدہ..... اگر تم شہباز کی استعداد کو شگافتہ کر

کے دیکھو گے تو وہ یہ کہتا ہوا سنائی دے گا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے جلال کے ساتھ اپنے تمام بندوں پر غلبہ کیا۔ پاک ہے ذات اللہ کی جو منزہ ہے ناخنوں سے اور بازوؤں سے..... اور اگر تم کبوتر کی استعداد کو چیر پھاڑ کر کے دیکھو گے تو وہ یہ کہتا ہوا سنائی دے گا کہ تمام تعریفیں ثابت ہیں اللہ کے لیے، جس نے اپنی ہر شان کو اچھا بنایا۔ پاک ہے وہ ذات جو منزہ ہے، گونجتی ہوئی آواز سے اور بازوؤں سے[۱۸]۔

د۔ ایک آیت سے استدلال

بابا عثمان[۱۹] پر آنے والی مصیبتوں میں تسلی کے لیے یہ خط لکھا:

"آپ ان شدائد کو جو آپ کو پیش آرہے ہیں، شدائد شمار کرتے ہیں اور اُن شدائد پر شکوہ کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ شدائد ایک ایسا سبق ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے تاکہ آپ کے نفس کو تمام اخلاق فاضلہ کی اصل و بنیاد (رزانت نفس) پر مشق حاصل ہو۔ اس موقع پر یہ ضروری ہے کہ نفس سے جزع فزع اور گھبراہٹ کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا جائے، ظاہری حیثیت سے بھی اور وباطنی حیثیت سے بھی..... اور یہ بھی ضروری ہے کہ قوی ہمت صابرین کے واقعات کو یاد کیا جائے اور صبر ورزانت کے فضائل کا یاد کرنا بھی ضروری ہے جن کو آپ عقلاً و نقلاً دونوں طریقوں سے جانتے ہیں۔

نفس زکیہ ہر صاحت کے اندر اُس حالت کا ادب بجالاتا ہے اور وہ اس جماعت کا امام ہو جاتا ہے جس کے صبر ورزانت کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾[۲۰]۔ (اور جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو چند کلمات (امتحانات) کے ذریعہ سے آزمایا، پس اُنہوں نے امتحانات کو پورا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں)۔..... ہر نفس کی شدت علیحدہ ہے اور ہر نفس کی مخالفت بھی علیحدہ ہے اور ہر نفس کا علاج وہ علوم ہیں کہ اُسی کے اندر سے آگئے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اس مکتوب کو جو ایک قسم کا تذکرہ و یادداشت ہے چشم اعتبار و عبرت سے بغور پڑھیں۔ یہ کوئی انشاء نامہ نہیں ہے کہ جو ﴿فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾[۲۱] (وہ ہر وادی میں حیران پھرتے ہیں) کے باب میں داخل ہو[۲۲]۔

ر۔ تولی خاص

شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے: ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾[۲۳] (اللہ تعالیٰ صالحین کا دوست اور کارساز ہے) اس آیت کی رُو سے ایک تولی خاص ہر شاخ و برگ میں سرایت کرتی ہے اور ایک عجیب تازگی اور انوکھا رنگ عطا کرتی ہے۔ اس تازگی اور رنگ کے تماشائی کو چاہیے کہ غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح رہے اور مجسم آنکھ بن جائے تاکہ دیکھ سکے کہ (قضاوقدر) کیا کرتے ہیں، اور ہمہ تن گوش ہو کر سنے کہ وہ کیا کہتے ہیں[۲۴]۔

ز۔ آیت کی تشریح

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[۲۵] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بابا عثمان کشمیری کو لکھتے ہیں:

جس کام کے واسطے ہم پیدا کیے گئے ہیں، وہ عبادت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ہم نے جن اور انسان کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے..... لیعبدون کی تفسیر میں (بعض مفسرین کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ جن وانس کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ توحید اختیار کریں اور میرے نزدیک یہ ہے کہ عبادت اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ (یعنی اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ توحید اور معرفت کے معنٰی لیے جائیں۔) اس لیے کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں: قوت علمیہ اور قوت عملیہ۔ اور سعادت تامہ جس کے لیے وہ مخلوق ہوا ہے، بغیر ان دونوں قوتوں کی تکمیل کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور عبادت ایک جامع اسم ہے انسان کی اس توجہ کا جو علماً اور عملاً دونوں طریقے پر ہو۔ اس بنا پر شرعاً کوئی عبادت، عبادات میں شمار ہو کر تصحیح نیت کے بغیر فرض نہیں کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"إنما الأعمال بالنيات"[۲۶] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

(پھر یہ جاننا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ نے حوادث میں ہر حادثے اور واقعے کو دوسرے حادثے وواقعے پر مرتب کیا ہے، اور حکمت بالغہ کے تقاضے کی بناء پر بعض حوادث کو بعض کا بغل گیر بنایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا طریقہ اس طرح جاری کیا ہے کہ ایک عورت جب بچہ جنتی ہے تو اس کی دونوں چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ پس یقینی طور پر دودھ اور بچے میں تعانق (لازم ہونا) اور ربط باہم کی نسبت ہے۔ اسی طرح جب پرندے انڈے دینے والے ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف سے یہ بات ان کے دل میں ڈال دی جاتی ہے کہ وہ گھونسلا بنائیں۔ پس یقینی طور پر گھونسلا بنانے اور انڈے دینے میں ایک قسم کا باہمی ربط ہے، اور اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ بارش کے برسنے اور کھیتی کے اگنے میں باہمی ربط و تعلق ہے۔ پھر کھیتی کے اگنے اور حیوانوں اور انسانوں کے احیاء میں (زندہ رکھنے میں) بھی تعانق و تعلق ہے۔

زبان شرع ان معانقات و تعلقات کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ دودھ پیدا کیا گیا ہے، بچے کی پرورش کے لیے اور پرندوں کے اندر گھونسلا بنانے کا الہام کیا گیا ہے، ان کے بچوں کی پرورش کے لیے، اور بارش برسائی گئی کھیتی اگنے کے لیے اور کھیتی اگائی گئی جانداروں کے زندہ رکھنے کے لیے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتوں والا پیدا کیا ہے۔ اور اس کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ ان دونوں قوتوں میں سے کوئی قوت کامل نہ ہو گی جب تک کہ اس کے جوارح واعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے مودب نہ ہو جائیں، ورنہ اس کے علم کے برتن اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ذکر سے نہیں بھریں گے، اس حیثیت سے کہ وہم، خیال، اور عقل آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور ان تینوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مخالفت نہ کر سکے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ان طرح طرح کے (فطری) کمالات کا جامع اسم "عبادت" ہے۔ پس انسان عبادت کے لیے پید کیا گیا ہے اور عبادت ہی میں سے اس کے افعال ہیں۔ کسی ممنوع چیز کا چھوڑنا بھی عبادت میں داخل ہے اور عبادت ہی میں وہ اخلاق بھی شامل ہیں جو اخذ و کسب کیے جاتی ہیں۔ اور عبادت ہی میں سے ہیأت وجدانیہ (وجدانی شکلیں) بھی ہیں۔ جیسے توکل، شکر، صبر اور یقین..... حاصل کلام یہ ہے کہ صورت نوعیہ، انسانیہ کسی نہ کسی کمال کے ساتھ متعانق و متعلق ہے اور انسان کی سعات نوعیہ اس کمال کو پالینے میں پوشیدہ ہے، اور اس کی نجات اخرویہ بھی اسی کمال کو حاصل کرنے کے ساتھ مربوط ہے۔

جس جماعت کی اندر قوائے عقلیہ کو قوی تر پیدا کیا گیا ہے، اس کا نصب العین اور مطمح نظر اسی حقیقت کی طلب و جستجو ہے، اگرچہ وہ جماعت بظاہر بدنی اور نفسانی بلاوں اور آزمایشوں میں مبتلا ہو۔ اس فطری و جبلی طلب کو، کہ جس کی شرع نے تاکید کی ہے اور جس کے صحیح و درست ہونے کی گواہی دی ہے، خوب سوچنا سمجھنا چاہیے[۲۷]۔

ایک اور خط میں شاہ محمد عاشق پھلتی کے معارف کی تحسین فرماتے ہوئے ان کو اس خط کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیا اور یہ بھی لکھا:

دوسری معرفت عظیمہ جو آیت: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[۲۸] کے معنی و تفسیر میں تھی، آپ نے اس آیت کے اندر عبادت کو ظاہر پر محمول کیا، اور تاویل نہیں کی جیسا کہ بعض مفسرین نے ﴿لِيَعْبُدُونِ﴾ کے معنی لیوحدون اور لیعرفون کر کے تاویل کی ہے۔ (یعنی انہوں نے عبادت کے ظاہری معنی چھوڑ کر عبادت کو توحید اور معرفت کے معنی میں رکھا ہے) یہ تاویل نہ کرنا بھی مجھ سے بہت پسند آیا[۲۹]۔

مسئلہ روح

مسئلہ روح کے بارے میں بابا عثمان کشمیری کو لکھا:

آپ نے مسئلہ ارواح سے متعلق بھی استفسار کیا ہے کہ کیا روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں یا جسموں کے ساتھ ساتھ پیدا کی گئی ہیں؟ اس کے جواب میں جاننا چاہیے کہ تمام اہل ملت، ارواح کے حادثات ہونے پر تو متفق ہیں۔ پھر اختلاف اس بارے میں ہوا کہ روحیں بدن کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں یا بدن سے پہلے۔ پہلا گروہ جو روح کی پیدائش بدن کے ساتھ بتاتا ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾[۳۰] (ہم نے اُس کو دوبارہ پیدا کیا)۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نفس کا بدن کو فیض پہنچانا ہے اور اس بات کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ معنی یہ ہوں، کہ ہم نے نفس کو بدن سے متعلق کر دیا اور یہ متعلق کرنا بھی ایک قسم کا "انشاء" اور "خلق" ہے۔

دوسرے گروہ کی دلیل جو ارواح کو ابدان سے پہلے بتایا ہے، حضور ﷺ کا یہ قول گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا ہے، اس دلیل کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اگر ہم اس حدیث کی صحت تسلیم بھی کر لیں تو اس سے ملائکہ کی ارواح عالیہ مراد ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ الغرض دونوں قولوں میں سے کوئی ایک قول متعین نہیں ہے اور سلف کے ایک قول پر صراحت کے ساتھ اتفاق نہیں ملتا۔ روح کے اس مسئلے میں اختلاف کرنے والی یہ دونوں جماعتیں عالم مثال کی قائل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو عالم مثال کے معنی کا تصور بھی نہیں کر تیں چہ جائیکہ اس بارے میں نفی و اثبات کریں۔ لیکن اس فقیر کے سامنے اس بارے میں ایک تفصیل ہے جس کا حق بحالت موجودہ پورا پورا ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اجمالی طور پر اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا مبدا حیات تین چیزیں ہیں:

۱۔ نسمہ..... جو روح ہوائی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی مثال چنگاری ہے، جس میں آگ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

۲۔ نفس ناطقہ..... جو اصطلاح فلسفہ میں مجرد ہے اور ہم اُس کو مجرد نہیں مانتے۔

۳۔ روح سماوی..... کہ ذریت حضرت آدمؑ اُسی کی ایک نمائش تھی۔

ان میں سے نسمہ اور نفس ناطقہ تو بدن کے پیدا ہونے کے وقت پیدا ہوتے ہیں، اور روح سماوی ان دونوں سے بہت زمانہ پہلے پیدا ہوئی ہے۔ اس بحث کو خوب غور سے پڑھا جائے[۳۱]۔

س۔ حیات انبیاء علیہم السلام

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں بابا عثمان کشمیری کے سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

ایک اور استفسار ارواح انبیاء علیہم السلام اور برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات سے متعلق بھی کیا گیا تھا۔ اس بارے میں اتنا جاننا چاہیے کہ کتاب وسنت کی تصریحات موت انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتی ہیں..... اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہے اور بلاشک وشبہ احکام موت اُن پر جاری ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو ایک طرح کی فوقیت دی گئی ہے۔ اسی فوقیت کو حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شہداء کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (۳۲)

(جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، اُن کو مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں)۔

اگر کوئی عالم یکایک یہ بات کہہ دے کہ بغیر تشبیہ اور بغیر مجاز کے (حقیقی معنی میں) شہداء زندہ ہیں تو یہ بات مزیت وفوقیت کے لحاظ سے ہوگی، جس کا ہم نے حیات نام رکھا ہے، اس کے سوا اور کوئی بات نہ ہوگی (۳۳)۔

ص۔ مناسبات کو اکب بآیات قرآنی

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو درج ذیل آیت کے بارے میں لکھا:

﴿ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِO يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (۳۴)

حقیقت شمس کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھی ہے۔ اگر ہم عرف کی زبان میں یوں کہیں کہ یہ سورج کی تسبیح خوانی ہے تو اس کی گنجائش ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ یہ آیت سورج کی پیشانی پر خط نورانی مقدس سے لکھی ہوئی ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اسی طرح ہر ستارے کے مناسب ایک آیت ہے اور یہ مسئلہ (مناسبات کو اکب بآیات قرآنی) فن عجائب القرآن کے دقیق مسائل میں سے ایک ہے۔ بعض احادیث میں، جن کی سند ضعیف ہے، یہ ملتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے نام سورج کی پیشانی پر یا ساق عرش (عرش کے ستون) پر لکھے ہوئے ہیں یا جنت کے دروازے پر ہیں یا طوبیٰ کے شاخ وبرگ پر نوشتہ ہیں۔ سب اہل حدیث ان حدیثوں کو

مناکیر (غیر مقبول) میں سے جانتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ معناً صحیح ہیں اگرچہ ان کی کوئی مضبوط سند نہ ملتی ہو۔ کیونکہ یہ بزرگوار (حضرات ابو بکر و عمرؓ) صورت ناسوتیہ کے ظہور سے پہلے ایک شعشعان (ہلکا لطیف سایہ / پرتو) رکھتے تھے، پھر اس شعشعان نے بہت سے میدانوں میں سرایت کی اور جیسا کہ بیان ہوا ان میں بعض ان (حضرات) کے مجالات ہیں۔ یہ داستان دراز ہے۔ میں اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں[۳۵]۔

ط۔ تفسیر فاتحہ

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے اپنے مکتوب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بارے میں کچھ تحریر کیا، حضرت شاہؒ اس کی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ نے (بسلسلہ تفسیر سورۂ فاتحہ) بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد کو چار وجوہ پر مرتب کیا ہے:

۱۔ ﴿الحمد للہ.....﴾ اس سے معلوم ہوا کہ الوہیت حمد کا تقاضا کرنے والی ہوئی اور اسی الوہیت نے حجر بہتہ سے نمودار ہو کر ہم کو عبادات تک پہنچایا ہے۔

۲۔ ﴿رب العالمین.....﴾ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے ایجاداً و ابقاءً (پیدا کرنے اور باقی رکھنے) دونوں حیثیتوں سے انسانوں کے ذمہ حمد کو واجب کیا ہے۔

۳۔ ﴿الرحمٰن الرحیم.....﴾ ظاہری و باطنی نعمتیں یا بالفاظ دیگر دنیوی اور اُخروی نعمتیں حمد کو واجب کرنے والی بن گئیں۔

۴۔ ﴿مالک یوم الدین.....﴾ اس مجازاۃ نے (یعنی جزا و سزا نے) جس کا ہونا آخرت میں ثابت ہے، حمد کا تقاضا کیا۔

آپ نے اس معرفت عظیمہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ تمام تحقیق و تفصیل انتہائی صحیح اور اسنخ ہے اور فضل الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر و نشانی ہے اور اللہ کے فضل کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اے اللہ (تحقیق و معرفت) اس کو خوب بڑھا اور پے در پے بڑھا[۳۶]۔

ظ۔ آیت کی وضاحت

شاہ نور اللہ پھلتیؒ کو ایک آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ بات جس کا وجدان (ادراک) متحقق ہے یہ ہے کہ صفات میں سے وہ صفت جو کہ انسان کے طور طریق کی مقتضی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ﴾[۳۷] (کہ

کہہ ہر ایک عمل کرتا ہے اوپر طریق اپنے کے)۔ اس صفت کی اصل وبنیاد میں اشتراک کا ہونا ایک دوسرے کی طرف میلان کا سبب اور جذب و انجذاب کا باعث بن جاتا ہے۔ جتنی وہ صفت اشتراک قوی تر ہو گی۔ جذب و انجذاب اُتنا ہی زیادہ ہو گا۔ اسی انجذاب سے ہم نیک فال لیتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حظیرۃ القدس میں حرکت کی مشقت سے آسودہ اور بے فکر ہو کر ہم آپس میں ابد الاباد تک مجتمع رہیں گے۔

(ترجمہ شعر عربی) "جب سے مجھ کو میرے قلب نے غنی کیا، میں غنی ہو گیا اور ہم وہاں ہیں جہاں ہمارے (احباب) ہیں اور ہمارے احباب وہاں ہیں جہاں ہم ہیں"۔

آج ہم اسی نکتے پر اکتفا کرتے ہیں تا آنکہ ہمارے اُوپر اُس کی شرح اور زیادہ واضح اور روشن ہو جائے[۳۸]۔

ع۔ سورہ نور کی وضاحت

شاہ محمد عاشق پھلتی کو سورہ نور میں لفظ نور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں کہ جس کو ﴿ أَنْزَلْنَاهَا ---﴾ [۳۹] کے عظیم الشان کلمہ سے شروع فرمایا ہے (یعنی سورۂ نور میں) اس حالت عجیبہ کی ان الفاظ میں خبر دی ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [۴۰] (اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) مثل نور الخیعنی قلب عارف کامل کے اندر اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ مشکوٰۃ (طاق) کے اندر چراغ رکھا ہو۔

(اب) کوئی شک نہیں رہا کہ اسی حالت عجیبہ کو اس مثال کے ضمن میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے شروع میں بھی اور آخر میں بھی[۴۱]۔

آیات کی ان تشریح وتوضیح سے واضح ہوتا ہے کہ ان مکاتیب میں حضرت شاہؒ پر تفسیر اشاری کا رجحان غالب رہا۔ لیکن تفسیر اشاری کی یہ وہ نوعیت ہے جسے قبول کیا جاتا ہے۔ ان تفسیری اشارات سے حضرت شاہؒ کے صوفیانہ افکار اور ان کو قرآنی آیات سے کرنے کا ملکہ بھی سامنے آتا ہے۔

۳۔ آیات کی طرف اشارے

کئی مقامات پر حضرت شاہؒ نے قرآنی آیت کی تفسیر تو بیان نہیں فرمائی لیکن آیت کو جملوں میں اس طرح استعمال کیا کہ اس آیت کی کوئی تعبیر ضرور سامنے آتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

الف۔ کسی عزیز کو امراض قلب کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

امراض سلوک اگرچہ بہت ہیں مگر وہ چار اقسام پر منحصر ہیں:

۱۔ یہ کہ عقل، ایمان و معرفت سے پر نہ ہو۔

۲۔ قلب، اصل جبلت میں، ہمت و عزیمت والا نہ ہو۔

۳۔ نفس، حکم قلب سے مغلوب اور اس کا ماتحت نہ ہو۔

۴۔ یہ کہ قلب کا اشتغال، عبودیت میں اتنا قلیل ہو جو ناکافی ہو اور (آیت): ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ﴾[۴۲] کا یہ اشتغال قلیل مصداق ہو[۴۳]۔

ب۔ شاہ محمد عاشق پھلتی نے ایک خواب دیکھا اس میں زرد پلاؤ کا ذکر بھی آیا آپ اس خواب کی تعبیر تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور زرد پلاؤ کی خصوصیت اس آیت کریمہ سے سمجھی جاسکتی ہے۔

﴿صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾[۴۴]۔ یہ اسلوب مکاتیب میں بہت استعمال ہوا ہے[۴۵]۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی خدمات کثیر الجہات ہیں۔ انہوں نے جہاں عام فہم ترجمہ کے ذریعہ قرآنی ذوق پیدا کرنے کی سعی کی وہاں قرآن کریم سے اخذ ہونے والے دقیق اور گہرے نکات کو بھی ذکر فرمایا۔ ان مکاتیب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ تفسیر اشاری کو جائز سمجھتے تھے مکاتیب کے اس مجموعہ میں آپ نے قرآنی تشریحات اسی اسلوب پر کی ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ان تصانیف کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فاروقی، نثار احمد، مقدمہ: نادر مکتوبات، تحقیق و ترجمہ: نسیم احمد فاروقی، حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت، ۱۹۹۸ء، متفرق صفحات۔

۲۔ شاہ ولی اللہ کے ماموں زاد بھائی، برادر نسبتی شاگرد، اور مرید و خلیفہ۔

۳۔ نادر مکتوبات جلد اول، ص: ۱۷۶۔۱۷۷۔

۴۔ ایضاً، ص: ۲۲۲۔

۵۔ ایضاً، ص: ۳۲۰-۳۲۱۔

۶۔ نامور شاگرد اور خلیفہ۔

۷۔ نادر مکتوبات ص: ۳۰۹-۳۱۱۔

۸۔ ایضاً، ص: ۵۱۔

۹۔ سورۃ المطففین، ۱۲-۱۸:۸۳

۱۰۔ سورۃ المطففین، ۱۰-۷:۸۳

۱۱۔ نادر مکتوبات، ص: ۵۲-۵۴۔

۱۲۔ سورۃ مریم، ۱۹ : ۴۱۔

۱۳۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۲۴۔

۱۴۔ نادر مکتوبات، ص: ۸۹- ۹۰۔

۱۵۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۴۔

۱۶۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۵۔

۱۷۔ سورۃ الصافات، ۳۷ : ۱۶۶۔

۱۸۔ نادر مکتوبات، ص: ۱۱۲-۱۱۴۔

۱۹۔ آپ شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔

۲۰۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۲۴۔

۲۱۔ سورۃ الشعراء، ۲۶ : ۲۲۵۔

۲۲۔ نادر مکتوبات، ص: ۱۴۷۔

۲۳۔ سورۃ الأعراف، ۷ : ۱۹۶۔

۲۴۔ نادر مکتوبات، ص: ۱۷۲۔

۲۵۔ سورۃ الذاریات، ۵۱: ۵۶۔

۲۶۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، حدیث: ۱۔

۲۷۔ نادر مکتوبات، ص:۱۸۰-۱۸۳۔

۲۸۔ سورۃ الذاریات، ۵۱: ۵۶۔

۲۹۔ نادر مکتوبات، ص:۱۷۶۔

۳۰۔ سورۃ المؤمنون، ۲۳: ۱۴۔

۳۱۔ نادر مکتوبات، ص:۱۹۱-۱۹۲۔

۳۲۔ سورۃ آل عمران، ۳ : ۱۶۹۔

۳۳۔ نادر مکتوبات ، ص:۱۹۲-۱۹۱۔

۳۴۔ سورۃ غافر، ۴۰: ۱۵۔۱۶۔

۳۵۔ نادر مکتوبات، ص:۲۰۶۔

۳۶۔ ایضاً، ص:۲۱۸۔

۳۷۔ سورۃ الإسراء، ۱۷: ۸۴۔

۳۸۔ نادر مکتوبات، ص:۲۵۴۔

۳۹۔ سورۃ النور، ۲۴ : ۱ ۔

۴۰۔ سورۃ النور، ۲۴ : ۳۵۔

۴۱۔ نادر مکتوبات، ص:۲۵۳ ۔

۴۲۔ سورۃ الغاشیۃ، ۸۸ : ۷ ۔

۴۳۔ نادر مکتوبات، ص: ۹۲۔

۴۴۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۶۹۔

۴۵۔ ملاحظہ فرمایئے:ص:۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۹۳، ۲۷۰، ۲۷۶، ۳۰۱۔

نواب صدیق حسن خاںؒ کی تفسیری خدمات کا جائزہ

A Review of Nawab Siddique Hasan Khan's Contribution in Exegesis

ڈاکٹر عبدالرازق گوندل☆

Abstract

Nawab Siddique Hassan Khan is one of the prominent name in the Literary History of Subcontinent. His scholarly role and contribution in major fields of Islamic Sciences shows his profound approach to them. His study comprises many fields of Islamic Studies for them this research is not suffice. This short study is to find out his work only on Holy Qur'an and Its sciences. He wrote exegeses as well as many books on Qur'anic Sciences. His remarkable work on the specfic field also reflects his deep study on it.

کلام الٰہی قرآن مجید فرقان حمید وہ منبع نور ہدایت ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر انسانی ہدایت کے لیے نازل ہوا جس کا ایک ایک لفظ معانی و حقائق کا گراں قدر خزینہ ہے۔ عہد رسالت سے لے کر آج تک قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کا گہرا شغف رہا ہے۔

انفرادی واجتماعی زندگی کے مسائل کے حل میں قرآن ان کا مرجع و محور ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد و ہر خطے میں مسلم علماء کی توجہ کا مرکز علم تفسیر ہی رہا۔ مسلم تفسیری ادب کا ایک معتد بہ حصہ برصغیر کے اہل علم کی کاوشوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی ابتدائی کاوشوں میں ابن حمید السندھیؒ (م:۲۴۹ھ / ۸۶۳ء) کا نام معروف ہے۔ ان کے بعد شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ (م:۸۰۸ھ / ۱۴۰۶ء) شیخ محمد بن حسن یوسف حسنی دہلویؒ (م:۸۲۸ھ / ۱۴۲۴ء) شیخ علاؤ الدین علی بن احمد المہائمی (م:۸۳۵ھ / ۱۴۳۲ء) قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ (م: ۸۴۸ھ / ۱۴۴۵ء) شیخ حسین بن خالد ناگوریؒ (م:۹۰۱ھ / ۱۴۹۶ء) حاجی عبدلواہاب بخاریؒ (م:۹۳۳ھ / ۱۵۲۷ء) شیخ مبارک بن خزرمؒ (م:۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۳ء) صاحب سواطع الالھام ابو الفیض

☆ لیکچرر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، جڑانوالہ، پاکستان۔

فیضیؒ(م:۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء) شیخ طاہر بن یوسف سندھیؒ(م:۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء) شیخ منور بن الحمید(م:۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۳ء) شیخ نظام الدین تھانیسریؒ (م:۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء) شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھیؒ (م:۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء) شیخ نعمت بن عطا اللہ فیروز پوریؒ(م:۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۲ء) شیخ یحییٰ بن محمد حسینی گجراتیؒ(م:۱۱۰۱ھ / ۱۶۹۰ء) شیخ جمال الدین گجراتیؒ(م:۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء) شیخ علی اصغر قنوجیؒ(م:۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء) شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ (م:۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء) شیخ فتح محمد سید انویؒ(م:۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۴ء) اور محمد حکم بریلویؒ (م:۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء نے تفسیر قرآن میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

بعد ازاں عظیم خادم قرآن حضرت شاہ ولی اللہ المعروف محدث دہلویؒ نے قرآن پاک کو مقامی زبانوں میں سمجھنے کیلئے ترجمے کا آغاز کیا۔ ان کے بیٹوں، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے اردو دان طبقہ کے لیے فہم قرآن کی راہ ہموار کی۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ(م:۱۲۰۵ھ / ۱۸۱۷ء) کے ۵۱ سال بعد ایک ایسی نابغہ روزگار ہستی نے جنم لیا جس نے ولی اللہی فہم قرآن کی تحریک کی ابتدائی پھوٹتی ہوئی کونپل کو خون جگر سے یوں سیر اب کیا کہ کچھ ہی عرصہ بعد وہ ایسا تناور درخت بن گیا کہ اس کے بعد آنے والے عامۃ الناس ہی نہیں بلکہ خواص بھی مستفید ہوئے بغیر نہ رہ سکے [۱] مقالہ ھٰذا میں برصغیر کے اس عظیم مفسر کے احوال و آثار اور ان کی تفسیری خدمات کا مختصر تعارفی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

عظیم مفسر قرآن نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ، برصغیر پاک وہند کے بیسویں صدی کے مفسر قرآن ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۹ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ / ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۲ء بروز یکشنبہ (اتوار) اپنے ننھال کے ہاں بریلی میں ہوئی [۲]۔

آپؒ نے حصول تعلیم کے لیے بھوپال، بلگرام، ٹونک، فرخ آباد، کانپور اور دہلی وغیرہ شہروں کے سفر کیے اور اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا۔ مفتی دہلی اور صدر الصدور مفتی صدر الدین خان سے تعلیم کی تکمیل کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد محمد صدیق حسن خان نے جب مراجعت وطن کا قصد کیا تو مفتی صدر الدین خان نے آپ کو اپنی مہر اور دستخط ثبت کر کے سند عطا کی [۳]۔

آپؒ تعلیم وتربیت کی منزلیں طے کرنے کے بعد دین و دنیاوی اعتبار سے عالی مرتبے پر فائز ہوئے۔ ایک وقت آیا وہ ملکہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم کے دربار میں پہنچے اور سرکاری خدمات سرانجام دینے لگے۔ آخر کار نواب شاہ جہاں بیگم ان کے علم و فضل اور انتظامی امور سے اتنی متاثر ہوئیں کہ ان کے حبالہ عقد میں آ گئیں [۴]۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے ۵۹ سالہ مختصر عمر پائی اور آپؒ نے بھوپال کی حکمرانی، درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات مثلاً تاریخ العلوم و علماء، حدیث، عقائد، لغت، طبقات، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، فقہ الحدیث، بدیع، کلام، مواعظ، محبت، دعوات، اصول الدین، منجیات، علم الآخرہ، تصوف، توحید، مہلکات، ملل و نحل، فقہ السنۃ، موعظت و وصایا، کشکول، شعر، اصول حدیث، ادب، سیرت، سوانح، مناقب، صرف، منطق، سیاست، اخلاقیات، متفرقات اور تفسیر سے متعلق آپ نے کتب تحریر فرمائیں جن کی تعداد ۲۲۲ سے زائد ہے[۵]۔

یہ آپ کی تصنیف و تالیف کے شغف پر دال ہیں اور ان تمام سے بڑھ کر قرآن و علوم قرآن سے آپ کا خاص شغف تھا۔ آپ کا تحریری سرمایہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔

ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف دنیا کی مختلف جامعات میں ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر ہونے والے کام اور تحقیقی مقالات سے واضح ہوتا ہے۔ ان میں بعض قابل ذکر تحقیقی مقالات درج ذیل ہیں:

۱۔ "لائف اینڈ ورکس آف نواب صدیق حسن خان" کے عنوان پر سعید اللہ خان نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۲- "نواب صدیق حسن خان" کے عنوان پر رضیہ حامد نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۳- "السید صدیق حسن القنوجی آراءہ الاعتقادیہ و موقفہ من عقیدۃ السلف" کے عنوان پر ڈاکٹر اختر جمال لقمان (سعودی عرب) نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مندرجہ بالا تینوں مقالات زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

۴- اجتباء ندوی نے بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے نواب صدیق حسن خان پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۵- "نواب صدیق حسن خان قنوجی اور لغت نویسی" کے عنوان پر عدیل الرحمن نے شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

۲۰۰۵ء میں جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا) میں نواب صدیق حسن خان کی علمی و دینی خدمات پر تین روزہ سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس میں نواب صاحب کی علمی، تصنیفی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔

راقم نے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کیلئے نواب صاحب کی تفسیر "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کا انتخاب کیا۔ مندرجہ بالا تحقیقی کام آپ کی عظمت کا بیّن ثبوت ہیں[۶]۔

علم و عمل کا یہ عظیم نمونہ، تصنیف و تالیف کا نامور شہنشاہ، اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ پیکر، رئیس المفسرین، خاتم المحدثین، بہترین ادیب و شاعر، قرآن و سنت کا بے مثال داعی اور ریاست بھوپال کا عادل و عالم حکمران، مرض استسقاء میں چند ماہ مبتلا رہ کر، ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ بمطابق ۲۰ فروری ۱۸۹۰ء کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے[۷]۔

تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے میدان میں نواب صاحبؒ کا دائرہ تصنیف بہت وسیع ہے، نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں، بہت کم ایسی شخصیات گزری ہیں جنہوں نے قرآن اور علوم قرآن کے موضوع پر اتنا بڑا ذخیرہ تحقیق اپنے پیچھے چھوڑا ہو۔

ان کے استاد حسین بن محسن یمانی رقمطراز ہیں۔

"البارع فی سائر العلوم الجامع بین منطوقها و المفهوم۔۔۔ و کم له من تالیف مفیدة، ورسائل عدیدة فی کل فن من الفنون مابین تفسیر وحدیث وغیر ذلك و أ ظهر فیها شموس البراهین واحتوت علیٰ جمل من الفوائد النفسیة للمستبصرین"[۸]۔

نواب صاحب نے جب علم و معرفت کے میدان میں قدم رکھا، تو پھر زندگی اسی پر رونق باغ میں فنا کر دی اور شاید ہی علم کا کوئی ایسا تالاب ہو جس میں غوطہ خوری نہ کی ہو، آپ کی علمی مہارت اور وسعت کو آپ کے ہم عصر بزرگ سید نعمان بن محمود آلوسی، صاحب روح المعانی، اس انداز سے کرتے ہیں۔

"شیخنا العلامة الإمام الکبیرالأمیر البدر المنیر البحر الجیر فی التفسیر و الحدیث والفقه والأصول والتاریخ والأدب و غیرها، أبوالطیب صدیق حسن بن علی بن لطف الله الحسینی البخاری القنوجی حماه الله تعالیٰ وعافاه عن الشرور۔ ووقاه، وهو الذی نطقت السن الخلائق بالشناء علیه أذلنت الاعداء لف حناله و فرط ذکاءه و دهاءه"[۹]۔

مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں کہ:

"وکان کثیر العظم لأهل العلم، شدید الاهتناء، مجمع الکتب الصادرة ومحشر علوم السنة وکتب السلف، انفق علیها الأموال الطائلة فامر بطبع تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان و فتح الباری للعلامة ابن حجر العسقلانی وقد اشتریٰ نسخته من الحدید وکانت بخط ابن علان و طبعه بمطبعة"بولاق" فی مصر وکلّف طبعه خمسین ألف روبیة وأهداه إلیٰ أهل العلم والمشتغلین بالحدیث فی الهند خارجها وقد انتسخ"سنن الدارمی"عند قوله من الحج و البحرصانج والسفینة مضطربة"[۱۰]۔

آپؒ اہل علم کی تعظیم کرنے والے تھے اور نادر و نایاب کتابوں کی طرف بہت توجہ فرماتے اور موجودہ کتابوں اور اسلاف کی کتابوں کی اشاعت کا بہت زیادہ خیال رکھتے، ان ضرورتوں کے لیے آپ نے بے شمار دولت خرچ کی۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر کے ساتھ فتح البیان اور ابن حجر عسقلانی کی طباعت کا حکم دیا اور اس نسخہ کو الحدیدہ سے خرید اجو ابن علان کے قلم سے تھا، اس کی طباعت بولاق کے مطبع مصر میں کی تھی، اس کی طباعت کے لیے آپ نے ۵۰ ہزار روپے عطا کیے اور پھر اہل علم اور فن حدیث سے تعلق رکھنے والوں کو، جو ہندوستان میں ہوں یا اس سے باہر، ہدیہ کے طور پر دینے کا حکم فرمایا تھا۔ جب آپ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے، ایسے زمانہ میں کہ سمندر میں طغیانی تھی اور جہاز بہت زیادہ حرکت میں ادھر ادھر ہو رہا تھا، سنن دارمی کو نقل کروا کر لا رہے تھے۔

آپؒ نے نہ صرف تفسیر قرآن کے بارے میں فتح البیان فی مقاصد القرآن، ترجمان القرآن بلطائف البیان اور نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام جیسی عمدہ تفاسیر کے ذریعے قرآن کی خدمت کی، بلکہ علوم قرآن سے متعلقہ، اکسیر فی اصول التفسیر، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ و المنسوخ اور فصل الخطاب فی فضل الکتاب جیسی بلند پایہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔

آپؒ نے اپنی ان تصانیف میں شریعت مطہرہ کو اقوال الناس وآراء الرجال کی ملاوٹ سے منقی و مصفی کر کے کیا، الغرض آپ کی تمام تصنیفات آپ کی علمیت اور علوم قرآنیہ سے گہری محبت و دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی علوم قرآنیہ اور تفسیر قرآن سے متعلقہ تصنیفات و تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب کی علوم قرآنیہ سے متعلقہ تصانیف (الف بائی ترتیب سے):

۱۔ افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ

مطبع محمدی لاہور سے ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء کو طبع ہوئی۔

نواب صاحب اس کتاب کے آغاز میں یوں تعارف کرواتے ہیں:

"این رسالۃ ۱۲۸۶ھ و ثمانین مائتین والف الھجریہ پرداخت و مشتمل بریک مقدمہ ودوباب ویک خاتمہ ساخت واسامخہ الشیوخ بمقدار الناسخ نام نھاد مقدمہ دربیان معانی نسخ واحکام او باب اول وناسخ ومنسوخ، قرآن کریم ترتیب سور باب دوئم درناسخ ومنسوخ حدیث خاتمہ"[۱۱]۔

نواب صاحب فرماتے ہیں:

"یہ رسالہ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء میں لکھا گیا، یہ قرطاس ایک مقدمہ، دوابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں نسخ کے معنی و احکام باب اول میں بعض آیات کے نسخ کے متعلق علماء کا اختلاف اور باب ثانی میں حدیث کے ناسخ و منسوخ کا بیان ہے"۔

۲۔ اکسیر فی اُصول التفسیر

مطبع نظامی کان پور سے ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۵ء کو معرض اشاعت میں آئی۔ بڑی تقطیع کے ۱۳۰ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں وجہ تالیف، اس کے بعد مقدمہ، پھر اس کے بعد اصول التفسیر، وجوہ معانی قرآن، باب دوم میں وجوہ معانی قرآن، تیسرے باب میں وجوہ خفائے نظم قرآن، چوتھے باب میں تفسیر و حل اختلاف، پانچویں باب میں جمع و ترتیب نزول و نازل چھٹے باب میں بعض مقاصد قرآن اور ساتویں باب میں فضل و تلاوت و تعلیم قرآن دوسرے حصے میں ۱۳۰۰ مفسرین اور ان کے حالات کا تذکرہ ہے۔

معروف مورخ اسحاق بھٹی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس موضوع کی یہ کتاب ہے جو ارض برصغیر کے ایک عالم نے تصنیف کی۔ نواب صاحب نے اسے حروف تہجی کی ترتیب سے تحریر فرمایا ہے[۱۲]۔

۳۔ فصل الخطاب فی فضل الکتاب

یہ کتاب اردو میں ہے، ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں آپؒ نے یہ تحریر فرمائی۔۔ پہلے بھوپال میں مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء میں طبع ہوئی۔ بڑے سائز کے ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے فضائل اور اس کے متعلق ہے اور اس موضوع کا پوری طرح سے احاطہ کیے ہوئے ہے[۱۳]۔

نواب صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس میں احادیث صحیحہ و اقوال ائمہ دین سے جو معارف، خصائص و مزایائے فرقان کریم تھے قرآن عظیم کے کچھ فوائد و منافع لکھے جاتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام کو وہی فضیلت باقی کلاموں پر حاصل ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق پر ثابت ہے۔ اگر سارے جن وانس مجتمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن کی طرح کا کلام بنالائیں تو ہر گز نہیں لا سکتے اگرچہ بعض بعض کے ظہیر و نصیر کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام مقدس میں ایک ایک تذکیر کے لیے کئی کئی مثالیں ذکر کی ہیں کہ ان کو علماء ہی جانتے ہیں۔ یہ وہ کلمات طیبات ہیں کہ اگر سارے درخت قلم اور سارے دریا سیاہی ہوں تب بھی ختم نہ ہو سکیں۔ اس کلام مبارک کے ہوتے ہوئے بشر کے کسی کلام کا وظیفہ

کرنا اور ترتیبات مشائخ و علماء پر مائل ہونا کتنی بڑی بے ادبی و نادانی و محرومی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس رسالہ میں آیات کتاب اللہ اور اس کی سورتوں پر زیادہ گفتگو کی ہے اور قدرے ماسوا پر وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ اُنیب[۱۴]۔

تفاسیر (جزوی)

۱۔ تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ واربع قل

یہ مطبع مفید عام الکائن آگرہ سے ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء کو شائع ہوئی، یہ ۶۲ صفات پر مشتمل ہے۔

نواب صاحب خود لکھتے ہیں:

یہ پانچ سورتوں کی تفسیر اردو زبان میں ہے جو کہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں، ان پانچ سورتوں کی تفسیر الگ اس لیے لکھی کہ ان کی تلاوت کا اتفاق رات دن ہر مسلمان کو نماز میں ہوا کرتا ہے۔ مراد ان پانچوں سورتوں سے فاتحہ الکتاب، وہر چہار قُل ہیں کہ ہر پانچ سورہ توحید پر خداوند مجید کی دلیل ہے۔ جس نے ان کے معنی سمجھ لیے، وہ پکا مسلمان ہو گیا، اب اس کی عبادت ٹھیک ہو گی اور وہ شرک سے بچ جائیگا[۱۵]۔

ان پانچ سورتوں کی تفسیر ایک الگ کتابی شکل میں لکھنے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں:

فرماتے ہیں کہ: تمام مقدمہ ان سورہ کے معنی پر تفسیر ترجمان القرآن و فتح البیان میں ہی استیفاء تمام مضامین کا اس جگہ خواہ خواں دفاتر گراں بار ہے[۱۶]۔

تفسیر کبیر میں فقط ایک سورۂ فاتحہ سے دس ہزار مسائل کا استخراج کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر معوذتین استقلالاً لکھی ہے۔ لیکن ان علوم غامذہ کا سمجھنا اہل علم کا کام ہے، نہ کہ عوام کا اور مقصود ہمارا اس جگہ سمجھانا عوام کا ہے[۱۷]۔

(مکمل تفاسیر) (یہ الف بائی ترتیب ہے اسے تاریخی / اشاعتی ترتیب سے بھی مرتب کیا جاسکتا ہے):

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان

اس وقت دستیاب یہ تفسیر خود نواب صاحب کے قلم سے مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ابتداء قرآن (سورۂ فاتحہ) سے لے کر (سورۂ الکہف) اور آخری دو پارے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، نواب صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ باقی آٹھ جلدیں یعنی تکملہ، ان کے شاگرد خاص جناب ذوالفقار احمد نقوی بھوپالوی نے ان کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا، اس تفسیر کی تالیف کا آغاز ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف لگائے گئے

بے بنیاد الزامات کی وجہ سے "انتزاع خطابات واختیارات" ہو چکا تھا، دوسری طرف حیات مستعار بھی پوری ہونے کے قریب تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے عوام الناس کے پر زور اصرار پر تفسیر کا آغاز کیا۔ چنانچہ "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ / جون ۱۸۸۵ء بروز دو شنبہ (سوموار) کو میں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا ہے۔ رمضان المبارک میں لکھنا اس لیے شروع کیا کہ سب سے پہلے آسمان دنیا سے نزول قرآن اسی بابرکت مہینے میں ہوا"[۱۸]۔

چھٹی جلد ۲ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۳۰۶ھ / مئی ۱۸۸۹ء کو تحریر فرمائی۔ اس طرح نواب صاحب کی تحریر کردہ سات جلدیں عرصہ چار سال میں مکمل ہوئیں۔ جلد کے آخر میں لکھتے ہیں:

اس ترجمے کے لکھنے کا عجیب حال رہتا ہے، ایک زمانے تک تحریر اس کی بند ہو جاتی ہے، پھر قدرے تمحیص کے کبھی عجالۃ اور کبھی تدریجاً لکھنا اس کا شروع کیا جاتا ہے اور لحاظ ترتیب کا بھی بخوبی نہیں رہتا۔ دوپارہ کی تفسیر (یعنی آخری دوپارے) قبل اس کے لکھی جا چکی ہے اور ہر جلد کے آخر میں تاریخ مسودہ ضبط ہوتی ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ تقدیم تاخیر تاریخ کی نفس الامر میں غلطی ہے۔ بلکہ صحیح ہے[۱۹]۔

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تذکرہ ہوا کہ نواب صاحب نے تفسیر کی سات جلدیں لکھیں، جو کہ سورۂ فاتحہ سے سورۂ الکہف اور آخری دو پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے، جبکہ باقی ۸ جلدیں آپ کے شاگرد اور رفیق خاص جناب ذوالفقار علی نقوی بھوپالی نے لکھیں اور اس طرح یہ تفسیریں مکمل ہوئیں، ذوالفقار علی نے صفر ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء کو اس کا آغاز کیا جیسا کہ وہ خود رقمطراز ہیں:

۲ صفر روز چار شنبہ یازدہ ساعت شب پنجشنبہ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء سے تفسیر لکھنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانات ہیں کہ اس نے محض اپنی حول قوت سے آٹھ جلدیں لکھوا دیں[۲۰]۔

اسی طرح جناب ذوالفقار علی نقوی، نواب صاحب کی کمزوری صحت کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں: بعنوان "حسن الخاتمہ"

نواب صاحب فرماتے تھے کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں، تفسیر کا لکھنا مجھ پر شاق گزرتا ہے، ذرا ذرا سے رسالے لکھنے میں جی لگتا ہے اس لیے وہ تمام جلد تمام ہو جاتے ہیں۔ ۱۵ ذی القعدہ ۱۳۱۴ھ / ۱۴ اپریل ۱۸۹۷ء کو یہ تکملہ آٹھ جلدوں میں تمام کر دی[۲۱]۔

اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن پندرہ (۱۵) جلدوں میں مطبع مفید عام الکائن آگرہ ہندوستان ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۹ء تا ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا۔ جب کہ راقم کے پاس جو نسخہ موجود ہے وہ سولہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد پر ۱۳۰۶ھ رقم ہے۔ جبکہ آخری جلد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں طبع ہوئی (۲۲)۔

ابتدائی چھ جلدوں کے بعد ساتویں اور آٹھویں جلدیں ان کی وفات کے بعد مولانا محمد بن ہاشم کھڈیاں والا نے لکھیں۔ ساتویں جلد بقیہ سورۂ المریم کے آخر میں وہ اس کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

خاکسار محمد بن ہاشم رہنے والا قصبہ کھڈیاں ضلع لاہور کا کہ اس عاجز پر اللہ پاک کا بڑا انعام ہوا کہ "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کے پورا کرنے کا خیال دل میں سمایا مگر چند در چند اس کا پورا کرنا میسر آیا۔ پھر بھی اس اثنا میں تفسیر سورۂ مریم کی اللہ پاک نے لکھوائی اب بتوفیق الٰہی اس اضعف العباد کو اس امر اہم اور تکمیل تسہیل القاری شرح صحیح بخاری کی مشغولی نصیب ہوئی۔ اللہ پاک عزیز کتاب کی تفسیر اور جناب شاہ رسالت علیہ التحیۃ والتسلیم کی کتاب کی شرح کی تکمیل اپنی توفیق اور عنایت سے اختتام کو پہنچا دے۔ تکمیلها لیس علیه بعزیز لأنّه قدیر و بالإجابة جید۔ اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ جل جلالہ کے آگے میری دارین کی عافیت کے واسطے عاجزی کرے اور ہاتھ اٹھائے کہ مجھ ضعیف نحیف کو دنیا میں ہر طرح کی عافیت دیوے اور آخرت میں محض اپنے فضل سے بخش دے۔ عاجز نے تفسیر کو اسی ڈھنگ پر شروع کیا ہے جیسے نواب صاحبؒ مرحوم نے لکھی بلکہ اتنا کام اور بھی کیا کہ جو آیات معرض استدلال میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن میں درج کر دیا بخلاف نواب صاحبؒ مرحوم کے، انہوں نے ان کا ترجمہ حاشیے پر لکھوایا، اور وہ احادیث جو آیات کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن میں درج کر دیا بخلاف نواب صاحب مرحومؒ کے، کہ انہوں نے ان کا ترجمہ حاشیہ پر لکھوایا اور وہ احادیث جو آیات کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن میں لکھ دیا بخلاف نواب مرحوم کے کہ انہوں نے احادیث کا ترجمہ لکھا بھی نہیں (۲۳)۔

نواب صاحب نے تفسیر میں قرآن، حدیث، اقوال صحابہ و تابعین اور لغت سے استشہاد اور امہات کتب سے اخذ و استفادہ کا اسلوب اختیار کیا جس میں محدثین کے اسلوب کے مطابق روایت و درایت کا التزام کیا اور محدثین کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں صحت کے معیار پر پوری نہ اترنے والی روایات پر نقد بھی کیا۔ آپ نے عقائد میں اہل سنت والجماعت کے طریقہ کی پیروی کی اور فرق باطلہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، خوارج وغیرہ کا دلائل عقلی و نقلی سے رد کرتے ہوئے مسلک اہل سنت کی تائید کی۔ موصوف سلفی المسلک ہیں اور فقہی مسائل میں نہ تو کسی خاص مسلک کی پیروی کی اور نہ ہی تقلید کو مستحسن گردانا بلکہ اجتہاد کو امت کی ضرورت سمجھتے ہوئے اس پہ زور دیا۔ آیات

احادیث سے براہ راست استنباط و استخراج کا رجحان غالب ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کی اس تفسیر کا غالب رجحان تطبیق اور اعتدال پسندی ہے اس وجہ سے اسے تمام مسالک میں یکساں قدر و منزلت حاصل ہے۔

علماء نے اپنے سلف کے تفسیری کام کو عوام الناس تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اسی سلسلہ میں وقت کی ضرورت سمجھتے ہوئے نواب صاحب کی تفسیر کی تسہیل کا کام شروع کیا گیا۔ ۱۹۹۲ء۔۱۹۹۵ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ علوم اسلامیہ کے پروفیسر اسرائیل فاروقی، پروفیسر حافظ محمد ایوب اور پروفیسر عبدالحفیظ چودھری نے تسہیل کا سلسلہ شروع کیا جو کہ تحقیقی و علمی (سہ ماہی) رسالہ "محدث" ماڈل ٹاؤن لاہور میں قسط وار ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۵ء تک شائع ہوئی۔ جس میں نصف سورۂ البقرہ تک تسہیل کا کام ہو سکا، بعد ازاں لاہور سے تسہیل شدہ ایک جلد شائع ہوئی جو کہ سورۂ البقرہ اور کچھ حصہ آل عمران یعنی تین پاروں پر مشتمل ہے[۲۴] (مکتبہ اصحاب الحدیث "مچھلی منڈی" لاہور) ابھی تک یہ کام نامکمل رہا۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروق، رئیس ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ، الٰہ آباد، ضلع گوجرانوالہ، جو کہ حافظ عبدالمنان محدث پنجاب کے اخلاف میں سے ہیں، نے تسہیل کروانے کا ارادہ کیا۔ اس ارادہ کی تکمیل ان کے قریبی دوست محمد یحییٰ قریشی ولد محمد امین قریشی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ یحییٰ قریشی، جو کہ ایک سرکاری ادارہ میں ملازم تھے، انہوں نے پوری تفسیر کو اپنے ہاتھ سے لکھا، قدرے تسہیل بھی کی[۲۵]۔

۲۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن

یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر ہے جو پہلی دفعہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء کو مطبع صدیقی بھوپال سے ۴ جلدوں میں شائع ہوئی۔ دوسری دفعہ المطبعۃ الکبریٰ المنیریۃ بولاق ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں خوبصورت دس جلدوں میں شائع ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء المکتبہ المصریہ بیروت سے پندرہ(۱۵) دیدہ زیب جلدوں میں شائع ہوئی جو آج ہر اچھی لائبریری میں موجود ہے۔ جو قاری اس تفسیر کا بنظر عمیق مطالعہ کرے گا اس کے سامنے اس کی یہ خوبیاں نمایاں ہو جائیں گی کہ یہ تفسیر روایت و درایت کی جملہ اعلیٰ صفات پر مشتمل ہے۔ اس میں صحیح روایات کا ذخیرہ بھی موجود ہے اور آیات قرآنی کے رموز و اسرار کو بڑے حکیمانہ اور آسان پیرایہ بیان میں پیش کیا گیا ہے۔ نواب صاحب نے خود اس تفسیر کی خصوصیات ابتدائے کتاب میں درج کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

تفسیر میں جن امور کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے یہ کتاب ان تمام پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر دراصل کئی تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ بایں معنی، کہ جو علمی نکات و جرائد متعدد تفاسیر پر منتشر تھے، ان تمام کو اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس میں روایات کی صحت اور درایت کی باریکیوں اور نزاکتوں کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اگر

اس دعویٰ کی صداقت کا تجربہ کرنا ہو تو تمام کتب تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ بعض مفسر صرف روایات کا سہارا لیتے ہیں اور بعض صرف درایت پر اعتماد و اکتفا کرتے ہیں، ان دونوں قسم کی تفسیر کے تقابلی مطالعہ کے بعد اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو صاحب نظر کے سامنے صبح صادق کی طرح یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ یہ کتاب سب کا لُب لُباب ہے۔ یہ طلبہ کے لیے ذخیرہ معلومات، عقلمندوں اور دانشوروں کے لیے سرمایہ تحقیق اور ماہرین کے لیے قابلِ تقلید ہے[۲۶]۔

ڈاکٹر سالم قدوائی اس تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر در منثور روایتی نقطہ نظر سے خاص طور پر موصوف کے پیش نظر رہی ہے۔ اس کے ضروری مطالب کے ساتھ دوسری تفسیروں سے مناسب معلومات جمع کر دی ہیں۔ ضعیف روایتوں کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور متضاد روایتوں میں ترجیحی صورتیں بیان کر دی ہیں۔ اعراب کی مشکلات دور کی ہیں۔ قراءت کے اختلافات کا ذکر کیا ہے، الغرض روایتی اور درایتی دونوں قسم کی تفسیروں کے بہترین اقتباسات اس کتاب میں اکٹھے کر دیئے ہیں[۲۷]۔

نواب صاحب نے اپنے تفسیری نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد قرآن مجید کے فضائل کے متعلق روایتیں نقل کی ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا آغاز کیا ہے۔ الفاظ کے معنی، بیان، قراءت، اسباب نزول، مسائل فقہ اور فقہاء کے اجتہادات، غرض تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ حروف مقطعات کے سلسلہ میں دوسرے مفسرین کی طرح مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن آخر میں یہی کہا ہے کہ اگر کسی کو سلامتی رائے مطلوب ہے اور ائمہ سلف کی اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اس بارے میں کوئی رائے نہیں دینی چاہیے بلکہ صرف اس اعتراف پر اکتفاء کرنا چاہیے کہ ان حروف کے نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے جس تک ہماری عقلیں نہیں پہنچ سکتیں[۲۸]۔

برصغیر میں، تفاسیر میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ نواب صاحب نے ابتدائے کتاب میں فنِ تفسیر کے اصول و قواعد اور تاریخ تفسیر کے مختلف ادوار کے بارے میں مفید معلومات کا ذخیرہ ضبط تحریر کیا ہے۔ یہ انداز تفسیر دوسرے مفسرین کے ہاں نظر نہیں آتا۔ آپ اس فن تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"هو علم باعث عن نظم نصوص القرآن وآيا ت سور الفرقان بحسب الطاقة البشرية و يوفق ما تقتضيه القواعد العربية"[۲۹].

"یہ علم ہے جس میں بقدر انسانی استعداد عربی قواعد و ضوابط کے موافق نصوصِ قرآن کا باہم ربط و تعلق اور آیات کی توضیح و تشریح کی جاتی ہے"۔

نواب صاحب قرآن مجید کے بارے میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا درجہ نہیں دیتے۔ ممکن ہے کہ ان کے پیش نظر ہندی طلباء کی لکھی ہوئی چند تفاسیر ہوں، ان کا کہنا ہے:

".....وأمّا كلام الصوفية فى القرآن فليس بتفسير"(۳۰).

(قرآن میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا مقام حاصل نہیں ہے)۔

جب یہ تفسیر علماء و فضلاء کے علم و مطالعہ میں آئی تو انہوں نے اس کو بنظر استحسان دیکھا اور اس کی خوب مدح کی۔ ان مداحین میں سے فن تفسیر کے عظیم مفتی حدیدہ شیخ یحییٰ بن محمد کے تاثرات بیان کر دینا کافی ہو گا۔ ان سے نواب صاحب کی منزلت اور اعلیٰ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں نے تفسیر کے ربع اول کو نہایت غور و خوض سے پڑھا ہے، میں نے اسے اعلیٰ درجہ کی تفسیر پایا ہے۔ ترکیب و ترتیب میں محکم، تمام مباحث علوم پر حاوی اور ارباب نظر و بصیرت کے لیے سہل التاویل۔ مصنف نے اس میں عجیب اور بڑا معنی خیز انداز اختیار کیا ہے۔ مقصد کو واضح اور آسان طریق سے پیش کیا گیا ہے۔ قاری پہلی ہی نظر میں معنیٰ و مراد تک پہنچ جاتا ہے اور اسے زیادہ زحمت غور و فکر نہیں اٹھانا پڑتی جیسا کہ قدماء کی تفاسیر کا حال ہے۔ اس کے تمام مباحث آسان پیرایہ بیان میں پیش کیے گئے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی صعوبت اور دشواری پیش نہیں آئی۔ انہوں نے اپنے حسن تحریر سے اللہ کی کتاب کے بھیدوں کو آشکارا کر دیا اور سلک تحریر میں موتیوں کو پرو کر عجائبات قرآن کو ظاہر کر دیا ہے"(۳۱)۔

۳۔ نیل المرام من تفسیر آیات الأحکام

پہلے یہ کتاب مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں ۱۹۶ صفات پر مشتمل شائع ہوئی۔ پھر المکتبۃ السلفیہ (لاہور) اور شعبہ تالیفات جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (فیصل آباد) کی طرف سے ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۱ء میں ۳۹۱ صفات پر مشتمل شائع ہوئی۔ یہ کتاب نواب صاحب کی انتہائی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں آیات احکام کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں نواب صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

"وها أنا فسرت تلك الآيات المشار إليها بتفسير و جيز جامع لماله عليه ولم آخذ فيها من الأقوال المختلفة إلا الأرجح ومن الدلائل المتنوعة إلاّالأصح الأصرح"(۳۲).

اس کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس میں صرف وہ آیات انتخاب کی ہیں جن سے واضح طور پر مسائل مستنبط ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی اُلجھن اور پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور سارے قرآن کریم کی، کسی ایک مسئلہ پر، ورق گردانی نہ کرنی پڑے"۔

یہ فقہ القرآن پر ایک عظیم اور نادر تحقیق ہے۔ نواب صاحب نے سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ۳۴۸ آیات قرآنی سے فقہی انداز میں، احکام کا استخراج کیا ہے اور پھر ان مسائل و احکام کے بارے میں محدثین کے فتاویٰ اور فیصلوں کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کتب صحاح ستہ کے علاوہ کتب روایت کی حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نواب صاحب کے فقیہانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک بلند پایہ مجتہد کی تمام شروط ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور ان کو براہِ راست کتاب اللہ سے مسائل واحکام کے استخراج پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ آپؒ نے آیات احکام کی تعداد بارے میں علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس کتاب کے بعد آپ نے تفسیر "مقاصد القرآن" لکھی جس میں ان احکام کی مزید وضاحت کی ہے۔

برصغیر کا تفسیری ادب نواب صاحب کے تذکرہ کے بغیر ادھورا ہے۔ عصر حاضر کے پر فتن دور میں اعتدال پسندی اور تطبیق کی روش دینے والی تفسیری کاوشوں کو عوام الناس میں عام کرنا دین کی عظیم خدمت بھی ہے اور وقت کا اہم تقاضا بھی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ ۔(تفصیلات کے لیے)ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ پی ایچ ڈی "نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام"۔

۲ ۔صدیق حسن خان نواب ابقاء المنین ماالقاء المحسن ' المطبع الشاھجانی الکائن بھوپال ۱۳۰۵ھ ص:۷۔

۳ ۔رضیہ حامد، ڈاکٹر، "نواب صدیق حسن خان"،اصغر منزل بدھوارہ بھوپال،اشاعت اول: ۱۹۸۳ءص ۷۶،۷۷۔

۴ ۔علی حسن خاں،سید یاسر صدیقی، ۲/۱۰۷, ۱۰۶ ۔

۱۰ شعبان ۱۲۸۹ء /۱۴ اکتوبر ۱۸۷۲ء کو آپ کا نکاح ہوا۔ منصب نوازی سے سرفراز کر دیا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے ۱۱ نواب والہ ماہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں بہادر کا خطاب عطا ہوا اور ان کے اعزاز میں ۱۲ توپیں داغی گئیں۔

۵ ۔ایضاً،(فہرست کتب مولفہ واجاہ مرحوم)۴/۱۔ ۲۰۔

۶ ۔تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ بعنوان "تحقیق کی اہمیت اور سابقہ کام کی روشنی میں افادیت"، وحدی، عابد علی، تاریخ ریاست بھوپال، بدھوارہ بھوپال ۱۹۸۸ ء/ ۹۲ ۔

۷ ۔آفندی، سلیم فارس، قرۃ الاعیان ومسرۃ الاذہان،مطبعۃ الجوائب، قسطنطنیہ، ۱۳۹۸ھ ص ۳۵۔

۸ ۔آلوسی، نعمان خیر الدین، جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین،مطبعۃ المدنی مصر، ۱۳۸۱ھ ص ۴۸۔

۹ ۔لکھنوی، عبدالحی، علامہ، نزھۃ الخواطر، مطبوعہ انسٹیٹیوٹ پریس، علی گڑھ س۔ن ۸/ ۱۹۳۔

۱۰ ۔صدیق حسن خان، نواب، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی لاہور، ۱۳۱۸ھ ص ۳۔

۱۱ ۔برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ ءص ۲۰۱۔

۱۲ ۔ایضاً، ص ۲۲۰۔

۱۳ ۔صدیق حسن خان، نواب، فصل الخطاب فی فضل الکتاب، مطبع فاروقی دہلی، ۱۳۰۵ھ ص ۱ ، ۲۔

۱۴ ۔صدیق حسن خان، نواب، تذکیر الکل بتفسیر الکل الفاتحہ واربع قل، طبع بھوپال، ۱۳۰۵ھ، ص ۲۔

۱۵ ۔ایضاً، ص ۳۔

۱۶ ۔ایضاً، ص ۳۔

۱۷ ۔ترجمان القرآن بلطائف البیان، مکتبہ اصحاب الحدیث، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱/ ۳۔

۱۸ ۔ایضاً، ۱/ ۳۔

۱۹ ۔ایضاً، ۱/ ۳۔

۲۰ ۔ایضاً، ۱/ ۴۔

۲۱ ۔لقوی، ذوالفقار احمد، بھوپالوی، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مطبع مفید عام الکائن، آگرہ، ۱۳۱۶ھ، ۱۴/ ۳۶۹، ۳۷۰۔

۲۲ ۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۲۳ ۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۷ / ۴۱۲۔

اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی جلد سورۂ الفاتحہ تا سورۂ البقرہ، دوسری جلد سورۂ آل عمران تا سورۂ النساء، تیسری جلد سورۂ المائدہ تا سورۂ الانعام، چوتھی جلد سورۂ الاعراف تا سورۂ التوبۃ، پانچویں جلد سورۂ یونس تا سورۂ یوسف، چھٹی جلد سورۂ رعد تا سورۂ الحجر، ساتویں جلد سورۂ نحل تا سورۂ طہ، آٹھویں جلد سورۂ انبیاء تا سورۂ الحج، نویں جلد سورۂ المومنون تا سورۂ الحج، دسویں جلد سورۂ الشعراء تا سورۂ العنکبوت، گیارہویں جلد سورۂ روم تا سورۂ الاحزاب، بارہویں جلد سورۂ سبا تا سورۂ صٓ، تیرہویں جلد سورۂ الزمر تا سورۂ شوریٰ، چودہویں جلد سورۂ الزخرف تا سورۂ طور، پندرہویں جلد سورۂ النجم تا سورۂ تحریم، سولہویں جلد سورۂ الملک تا سورۂ الناس۔)

۲۴ ۔ صدیق حسن خان، نواب، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مکتبہ اصحاب الحدیث، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء۔

۲۵ ۔ راقم قریشی صاحب۔

۲۶ ۔ صدیق حسن خان، نواب، فتح البیان فی مقاصد القرآن، مطبعۃ الکبریٰ المیریہ، بولاق مصر، مطبع اول ۱۳۰۱ھ ۱ / ۱۳، ۱۴۔

(راقم، قریشی صاحب سے دوبار ملاقات کر چکا ہے جس کے دوران انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ قریشی صاحب فرماتے ہیں:

"تفسیر لکھنے کا کام اپنے دوست ڈاکٹر یوسف، حکیم عتیق الرحمن کے کہنے پر ۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۷ء میں مکمل کیا۔ صفحات کی تعداد تقریباً ۵۸۰۰ بنتی ہے"۔ مزید فرماتے ہیں کہ میرے پاس مکمل ایک مطبع کی جلدیں نہ تھیں، کچھ مطبع صدیقی لاہور اور کچھ مطبع مفید عام الکائن آگرہ کی تھی۔ اس کام کو منظر عام پر لانے کا ذمہ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے لیا اور کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ کے مالکان کو توفیق دے کہ وہ اس تفسیر کو منظر عام پر لا سکیں اور اہل علم کو اس سے نفع ہو اور نواب صاحب کی روح کو آرام ملے۔ (حوالہ جات میں درج ہو گا)۔

۲۷ ۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ارادہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۱۳، ۱۱۴۔

۲۸ ۔ نواب صدیق حسن خان، ص ۲۴۵۔

۲۹ ۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن، ص ۱ / ۱۲، ۱۳۔

۳۰ ۔ ایضاً، ص ۱۳۔

۳۱ ۔ محدث ماہنامہ، لاہور، نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث ۱۹۹۴ء، ص ۲۹، ۳۰۔

۳۲ ۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ص: ۲۔

"شرح الزرقانی علی الموطا" اور "أوجز المسالک الیٰ موطا امام مالک": منہجی و تقابلی مطالعہ

Sharh ul Zurqani ala al-Moatta & Aujaz ul Masalik ila Moatta Imam Malik: A Methodological and Comparative Study

حافظ محمد شفیق☆

Abstract

Tarjamt ul kitab and Tarjamat ul bab means the explaination of the title of the book or chapter. In connection with a comperative study of methodology of the two books, It is also necessary to understand the comparesion of the methodology of tarjamat ul kotub. In sharh ul zurqani ala al moatta Imam Malik and Aowjaz ul Msalik, the differences and distinctions about the subject are found. However the most methods are common in the both books.

The article can be divided into three parts: the common methodologies,different methodologies and distinctions of the said interpretetions. It is observed that sharh ul zurqani has less details than aowjaz ul masalik.Sheikh Zurqani mostly has explained the title without courting any book or scholar while sheikh Kandlalvi has courted the others sharhin e hadith.Sharhul zurqani represents the malki school of thought while Aowjaz ul masalik represents hanfi school of thought. Zurqani mostly has explained the title without quoting any book or scholar while sheikh Kandlalvi has quoted the others sharhin e hadith.Sharh ul zurqani represents the malki school of thought while Aowjaz ul masalik represents hanfi school of thought.

شرح الزرقانی علیٰ موطا امام مالکؒ کے مصنف محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانیؒ[1] مصر اور أوجز المسالک الیٰ موطا مالک کے مصنف مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی الکاندھلویؒ[2] برصغیر سے تھے۔ شیخ زرقانیؒ مالکی جبکہ شیخ کاندھلویؒ حنفی المسلک تھے۔ ان کی یہ زیر بحث دونوں کتب، موطا امام مالکؒ کی عربی زبان میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ، کالج، شکر گڑھ، پاکستان۔

لکھی گئی شروح ہیں۔ دونوں مصنفین کے زمانہ میں دوسو اسی سال یعنی کم وبیش تین صدیوں کا فرق ہے۔ چنانچہ ہر صاحبِ تصنیف اپنے علمی وفکری رجحان، ماحول اور قارئین کی ضرورت کے مطابق منہج واسلوب اختیار کرتا ہے۔ منہج سے مراد وہ مخصوص طریقہ اور جہت یا طریقہ ہے جس کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ کتب لکھی گئیں۔ ان سطور میں مذکورہ شروح میں اپنائے گئے ترجمۃ الکتب کے ضمن میں منہج کا تقابلی جائزہ حسب ذیل تین حصوں میں پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ دونوں شروح کے مشترکہ پہلو

ا۔ عنوانی کلمات کا ضبط اور معنیٰ بیان کرنا

موطا امام مالکؒ میں عنوانِ کتاب میں سے ضروری کلمات کا ضبط دونوں شروح میں بیان کیا گیا ہے جس کی تصریح درج ذیل مثالوں سے ہوتی ہے:

مثال نمبر ا۔ "القسامة" کے حوالہ سے شیخ زرقانیؒ یوں تصریح کرتے ہیں: بفتح القاف ما خوذ من القسم وهو اليمين[۳] (قسامت قاف کے فتح یعنی زبر سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ قسم بمعنیٰ یمین سے ماخوذ ہے)۔

اسی کلمہ کے حوالہ سے شیخ کاندھلویؒ یوں رقمطراز ہیں: بفتح القاف وخفة السين اسم مصدر بمعنىٰ القسم وقيل مصدر وقد يطلق على الجماعة الذين يقسمون[۴]۔ "قسامۃ" قاف کے فتح اور سین کی خفت سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ قسم کے معنیٰ میں اسم مصدر ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مصدر ہے اور اس کا اطلاق اس جماعت پر کیا جاتا ہے جو قسم اٹھاتی ہے)۔

مثال نمبر ۲۔ "نذور" کی صراحت کرتے ہوئے شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں: جمع مصدرنذر بفتح الذال ينذر بضمها وكسرها وهو لغة الوعد بخيرأ وشر، وفى الشرع:التزام قربة غير لازمة باصل الشرع[۵]۔ (یہ جمع اور نذر (ذال کے فتحہ کے ساتھ) ینذر (ذال کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ) سے مصدر ہے۔ لغۃً اس کا معنیٰ خیر یا شر کا وعدہ کرنا ہے۔ اور شرعی لحاظ سے اس کا معنیٰ اصل شرع کی طرف سے لازم کیے ہوئے اعمال کے علاوہ کسی عمل کے ذریعے قربت حاصل کرنا ہے۔

شیخ کاندھلویؒ اسی کلمہ کے حوالہ سے یوں صراحت کرتے ہیں: النذور جمع نذر ومصدر نذر بفتح الذال ينذر بضمها و كسرها وهو لغة الوعد بخير أو شر كذا فى شرح الزرقانى تبعاً

للقسطلانی [۶]۔(نذور نذر کی جمع اور نذر (ذال کے فتحہ کے ساتھ) ینذر (ذال کے ضمہ یا کسرہ کے ساتھ) سے مصدر ہے۔لغۃً اس کا معنیٰ خیر یا شر کا وعدہ کرنا ہے۔زرقانیؒ نے بھی قسطلانیؒ کی اتباع میں یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔

ان مثالوں سے یہ اسلوب سامنے آیا کہ دونوں شروح میں عنوانِ کتاب کے بنیادی کلمات کا ضبط اور لغوی وشرعی معنیٰ بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔بعض جگہ پر تو دونوں شروح میں الفاظ بھی ایک جیسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کاندھلویؒ نے شیخ زرقانیؒ سے ہی نقل کیا کیا ہوا ہے۔بعض جگہ ترجمۃ الکتاب کا ترجمہ چھوڑ دینے اور بعض جگہ اجمال وتفصیل سے کام لینے میں بھی یہ دونوں شروح ایک جیسا اسلوب رکھتی ہیں۔بہر حال بنیادی تعارفی تقاضوں کو پورا کرنا دونوں شارحین نے ضروری سمجھا ہے۔

۲۔آیاتِ قرآنیہ سے استشہاد

ترجمۃ الکتاب میں کلمات کی لغوی صراحت اور مسائل کی توضیح کے لیے دونوں شروح میں قرآنی آیات سے استشہاد کیا گیا ہے۔درج ذیل مثالوں سے اس کی تصریح ہوتی ہے:

مثال نمبر ا۔"الصید" کی صراحت میں شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اصلاً مصدر یعنی بمعنیٰ شکار استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾[۷]۔(تمہارے لیے شکار حلال کر دیا گیا ہے)اور اس ترجمہ میں اس لفظ سے مراد احکامِ صید یعنی شکار کے احکام ہیں جیسا کہ اس آیہ مبارکہ میں ہے: ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾[۸](حالتِ احرام میں شکار کیا ہوا جانور نہ کھاؤ)[۹]۔اس مثال میں صید کے مصدر ہونے اور شکار کے احکام کے معنیٰ میں استعمال ہونے سے متعلق آیات سے استشہاد کیا گیا ہے۔

اَوجز المسالک میں بھی "صید" کی توضیح میں شارح نے صید کا بمعنیٰ مصید (شکار کیا ہوا جانور) ہونا بیان کرتے ہوئے قرآنِ حکیم کی آیات:﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾[۱۰] اور ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾[۱۱]، بطور دلیل کے بیان کی ہیں [۱۲]۔گویا دونوں شارحین نے اس مقام پر لغوی صراحت کے لیے قرآنِ حکیم سے دلیل لی ہے۔

مثال نمبر ۲: ۔کتاب النکاح کے ترجمہ میں نکاح بمعنیٰ عقد ہونے سے متعلق شیخ زرقانیؒ قرآن حکیم کی اس آیت سے استشہاد کرتے ہیں:﴿حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[۱۳]۔(یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے)[۱۴]۔

شیخ کاندھلویؒ روزوں کی فرضیت کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے قرآنِ مجید کے کلمات سے استشہاد کرتے ہیں:﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[۱۵] (تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے)۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ دونوں شارحین ترجمۃ الکتب میں قرآنی استشہاد پر متفق ہیں۔

۳۔ احادیث سے استشہاد

احادیث سے استشہاد کرتے ہوئے ترجمۃ الکتاب کی صراحت کرنے کا اسلوب بھی دونوں شارحین کے ہاں مشترک ہے۔ اس کی توضیح درج ذیل مثالوں سے ہوتی ہے:

مثال نمبر ۱: ۔ شیخ زرقانیؒ زکوۃ کا لغوی معنی نمو یعنی بڑھوتری بتاتے ہوئے اس حدیث سے استشہاد کرتے ہیں: ''ما نقص مال من صدقة''[۱۶] (صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا)[۱۷]۔

شیخ کاندھلویؒ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی مشروعیت پر دلائل دیتے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں: "أنه ﷺ أضحىٰ بكبشين أملحين"[۱۸]۔ (بے شک آپ ﷺ نے دو سیاہ سینگوں والے مینڈھے ذبح کیے)[۱۹]۔

مثال نمبر ۲: ۔ حسنِ خلق کی توضیح میں شیخ زرقانیؒ اس حدیث سے تصریح کرتے ہیں: "إن الله قسم بينكم أخلاقكم كما قسّم بينكم أرزاقكم"[۲۰]۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اخلاق اسی طرح تقسیم فرمائے ہیں جس طرح اس نے تمہارے درمیان تمہارا رزق تقسیم کیا ہے)[۲۱]۔

شیخ کاندھلویؒ چوری کی حد جاری کرنے کی صراحت میں اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں: ''ليس على الخائن والمختلس قطع''[۲۲]۔ (خیانت کرنے والے اور مال چھیننے والے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)[۲۳]۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ دونوں شروح میں ترجمۃ الکتب کے ترجمہ میں احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ شیخ زرقانیؒ نے کم مقامات پر جبکہ شیخ کاندھلویؒ نے اکثر جگہ یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

۴۔ عربی اشعار سے استشہاد

ترجمۃ الکتب میں عربی اشعار کی روشنی میں مشکل کلمات کی توضیح کرنے کا اسلوب بھی دونوں شروح کا یکساں منہج ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل مثالوں سے اس امر کی تصریح ہوتی ہے:

مثال نمبر ا۔ کتاب النکاح کے ترجمہ میں نکاح کے عقد کے معنیٰ میں مجاز ہونے سے متعلق اس شعر سے شیخ زرقانیؒ استشہاد کرتے ہیں:

"ضممت إلى صدری معطر صدرها كما نكحت أم الغلام صبيها"(۲۴)۔

(میں نے اپنے سینے سے اس کے سینے کی خوشبو کو ایسے ملا دیا جیسے بچے کی ماں اپنے بچے سے چمٹ جاتی ہے)۔

شیخ کاندھلویؒ کتاب الجنائز کے ترجمہ میں میت کی چارپائی کی زبانِ حال سے پکار کو شعر کی صورت میں یوں نقل کرتے ہیں:

"أنظر إلیّ بعقلك أنا ألم هيا لنقلك أنا سرير المناياكم سار مثلی بمثلك"(۲۵)۔

(میری طرف عقل سے دیکھ! میں تجھے اگلے جہاں میں منتقل کرنے کے لیے تیار کی گئی ہوں۔ میں اموات کا بچھونا ہوں۔ میری مثل کتنی (چارپائیاں) تیرے مثل (لوگوں کو) لے چلیں (یعنی قبر کی طرف))۔

ہر شخص کو اپنی اس کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔ بہر حال شعری ادب سے استشہاد کرنے کا اسلوب شیخ کاندھلویؒ کے ہاں ایک دو مقامات پر ہی ملتا ہے لیکن شیخ زرقانیؒ کے ہاں جگہ جگہ عربی اشعار سے استدلال ملتا ہے۔ اس کہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شیخ زرقانیؒ اہلِ زبان ہونے کے ناطے سے عربی ادب کی طرف نسبتاً زیادہ مائل تھے۔ نیز اپنے علاقے کی ضرورت اور دلچسپی کے مد نظر اس اسلوب کو عام طور پر استعمال کیا ہے۔

۵۔ اختلافِ نسخِ موطا کی نشاندہی

دونوں شروح میں ترجمۃ الکتب میں ترتیبِ کتب وغیرہ کے حوالہ سے موطا امام مالک کے مختلف نسخوں کے اختلاف کی طرف نشاندہی کرنے کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔ حسب ذیل مثالیں اس امر کی توضیح کرتی ہیں:

مثال نمبر ا۔ کتاب الصیام کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ تسمیہ کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے اس سے تبرکاً اور تفنناً ابتداء کی ہے۔ پس اسے کتاب الصیام کے ترجمہ کے بعد میں لکھا گیا حالانکہ کتاب الزکوٰۃ میں اسے ترجمہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ تفنن کے لیے یہی نکتہ کافی ہے۔ پرانے نسخوں میں اسے ترجمہ سے مقدم کیا گیا ہے(۲۶)۔

شیخ کاندھلویؒ نے بھی کتاب الصیام کے ترجمہ میں موطا امام مالکؒ کے مختلف نسخوں کا تقابل کرتے ہوئے اس کتاب کی ترتیب میں اختلاف پر بحث کی ہے۔ تمام مصری نسخوں میں، شرح الزرقانی اور سیوطیؒ کے اپنی شرح کے لیے منتخب کردہ نسخے میں کتاب الجنائز کے بعد کتاب الزکوٰۃ کو ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ تمام ہندی نسخوں اور امام باجیؒ

کے حاشیہ اور شرح والے مصری نسخوں میں کتاب الجنائز کے بعد یہاں کتاب الصیام کو رکھا گیا ہے۔ سو ہم نے ہندی نسخوں پر اعتماد کیا ہے۔ مالکیہ کی معتمد علیہ کتب جیسے المدونۃ وغیرہ بھی انہی نسخوں کے مطابق ہیں۔ علاوہ ازیں مصری اور ہندی نسخے، تسمیہ کے عنوانِ کتاب سے تاخیر کے حوالہ سے بھی مختلف ہیں (۲۷)۔ اس مقام پر شیخ کاندھلویؒ نے زرقانیؒ کی نسبت زیادہ تفصیل دی ہے۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الحج کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث میں مذکور ارکانِ اسلام کی ترتیب کے مطابق پانچویں رکن پر بات مکمل کی ہے۔ اگرچہ موطا کے بہت سے نسخوں میں کتاب الایمان والنذور اور کتاب الجہاد کو کتاب الحج سے مقدم کیا گیا ہے (۲۸)۔

کتاب الحج ہی کے ترجمہ میں شیخ کاندھلویؒ بھی صراحت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس موجود موطا امام مالکؒ کے نسخوں میں اسی طرح ہے کہ کتاب کو تسمیہ پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور کتاب الحج کو بعد میں آنے والی سب کتب پر مقدم کیا گیا ہے (۲۹)۔ اس سے معلوم ہوا کہ شارحین کے ہاں موطا کے نسخوں کا باہم موازنہ کرتے ہوئے کتب کی ترتیب، تسمیہ اور عنوانِ کتاب کا مقدم و موخر کرنا زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

شیخ کاندھلویؒ بھی اس کتاب کے ترجمہ میں تسمیہ کے حوالہ سے صراحت کرتے ہیں کہ اکثر مصری نسخوں میں تسمیہ کو کتاب پر مقدم کیا گیا ہے جبکہ ہندی نسخوں میں اسے کتاب کے عنوان سے مؤخر رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ زرقانیؒ کے حوالہ سے مذکورہ بالا توضیح نقل کر کے صیغۂ متکلم سے صراحت کرتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ہندی نسخوں میں اسی طرح ہے اور اکثر مصری نسخوں میں بھی یہاں قراض ہے۔ البتہ امام باجیؒ کی شرح المنتقیٰ والے نسخے میں یہاں کتاب المساقاۃ ہے۔ اس کے بعد کراء الارض اور پھر کتاب القراض ذکر کیا گیا ہے (۳۰)۔

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ زیرِ بحث شروح میں موطا امام مالکؒ کے میسر تمام نسخوں کا تقابل کیا گیا ہے۔ شیخ زرقانیؒ نے شیخ کاندھلویؒ کی نسبت کم مقامات پر نسخِ موطا کا تقابل پیش کیا ہے۔

۶۔ معروف قول کی نشاندہی

ترجمۃ الکتب میں کہیں کہیں شارحین نے معروف اور اپنی طرف سے اصح قول کی نشاندہی کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔ جیسا کہ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے:

مثال نمبر ۱۔ شفعہ کا ضبط بیان کرتے ہوئے شیخ زرقانیؒ مشہور تر قول کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسے شین کے ضمہ اور فاء کے سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس کا معنیٰ الضم (ملانا) ہے (۳۱)۔ اسی کلمہ کی تصریح میں شیخ کاندھلویؒ لکھتے ہیں

کہ عینیؒ نے جو اس کلمہ کے ضبط کے حوالہ سے فاء کے ضمہ کا قول فقہاء کی طرف منسوب کیا ہے، وہ غلط ہے۔ درست اور صواب، فاء کے سکون کا ضبط ہی ہے اور فقہاء کی طرف ازراہِ ادب غلط قول منسوب کرنا مناسب نہیں ہے (۳۲)۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الجہاد کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ جہاد کے شرعی حکم سے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق حضور ﷺ کے وصال کے بعد اب امت پر یہ فرض کفایہ ہے سوائے اس کے کہ امام کسی خاص حاجت کے تحت تعیین کردے (۳۳)۔ شیخ کاندھلویؒ بھی یہ تصریح کرتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ کے بعد جہاد کا حکم امت کے لیے عمومی لحاظ سے فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کوئی ہنگامی صورت حال پیش آجائے اور امام کسی پر لازم کردے تو یہ فرضِ عین بن جاتا ہے۔ اور فرض کفایہ سال میں ایک دفعہ ادا کرنے سے جمہور کے نزدیک ادا ہو جاتا ہے (۳۴)۔

یہ اسلوب، علومِ شریعت کے طالب علم کے لیے بہت مفید ہے کیونکہ اس سے قاری کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہو جاتا ہے۔

۷۔ شرعی احکام کے اسرار و حکم بیان کرنا

ترجمۃ الکتب میں دونوں شارحین نے اصلاحِ باطن کے لیے احکام کے روحانی اور تصوفانہ منہج کو بھی اختیار کیا ہے۔ ذیل میں اس ضمن میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

مثال نمبر ۱۔ کتاب الصیام کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ بعض صوفیاء نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بے شک جب آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر توبہ کی تو اس کی قبولیت میں تیس دن کی تاخیر اس لیے ہوئی کہ آپ علیہ السلام کے جسم میں ممنوعہ پھل کھالینے سے اس کا اثر باقی تھا۔ جب آپ علیہ السلام کا جسد اس سے صاف ہو گیا تو آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہو گئی، آپ علیہ السلام کی ذریت پر اسی مناسبت سے تیس دن کے روزے فرض کر دیے گئے (۳۵)۔

حج کے اسرار اور روحانی پہلو بیان کرتے ہوئے شیخ کاندھلویؒ رقمطراز ہیں:

"مناسك الحج كلها مبنية علىٰ أربعة أمور: الأول إظهار العبدية بجنابه تعالىٰ والثانى إظهار العشق إلىٰ حضرته فإنه تعالىٰ وتقدس كما أنه معبود ومسجودلعبيده كذلك محبوب ومقصود لعشاقه كما لا يخفىٰ على من أذاقه ا لله تعالىٰ جرعة من شراب حبه رزقنى الله تعالىٰ شيئا منه بلطفه" (۳۶)۔

(مناسک حج سارے کے سارے چار امور پر مشتمل ہیں ان میں سے پہلا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندگی کا اظہار کرنا ہے اور دوسرا اس کی جناب سے عشق کا اظہار کرنا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس طرح اپنے بندوں کا معبود و مسجود ہے اسی طرح وہ اپنے عشاق کے لیے محبوب اور مقصود بھی ہے۔ جیسا کہ یہ حقیقت اس شخص پر مخفی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایک گھونٹ چکھادیا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ اپنے لطف کے صدقے میں اس کیفیت میں سے کچھ حصہ عطا کرے)۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الصیام کے ترجمہ میں ہی شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں:

"شرع الصيام لفوائد أعظمها كسر النفس وقهر الشيطان، فالشبع نهر فى النفس يرده الشيطان، والجوع نهر فى الروح ترده الملائكة ومنها أن الغنى يعرف قدر نعمة الله....."[۳۷]۔

(روزوں کا سب سے بڑا فائدہ نفس کے زور کو توڑنا اور شیطان کو مقہور و مغلوب کرنا ہے۔ چنانچہ سیر ہو کر کھالینا نفس میں ایک ایسی نہر ہے جس پر شیطان آتا جاتا ہے جبکہ بھوک روح میں ایک ایسی نہر ہے جس پر فرشتے آتے جاتے ہیں۔ روزوں کا ایک اور یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے مالدار کو اللہ کی نعمت کی پہچان اور قدر ہوتی ہے.....)۔

اسی مقام پر شیخ کاندھلویؒ روزوں کے تصوفانہ پہلو سے متعلق نقل کرتے ہیں کہ جب یہ نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں۔ اور روزے کی بدولت دل آلائشوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان آلائشوں کا سبب زبان اور آنکھوں کا فضول اور غلط استعمال ہے[۳۸]۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارحین نے اپنے قارئین کی باطنی اصلاح کا منہج واسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ اس اسلوبِ تحریر سے بات دل کی تہہ تک اتر جاتی ہے۔ اس سے شارحین کا حکیمانہ اور صوفیانہ ذوق نمایاں ہے۔

۸۔ تاریخِ احکام کی نشاندہی

ترجمۃ الکتب میں دونوں شارحین کے ہاں مسائل و احکام کی مشروعیت سے متعلق تاریخی معلومات فراہم کرنے کا اسلوب بھی پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں اس امر کی صراحت کرتی ہیں:

مثال نمبر ۱۔ کتاب الحج کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ حج کے قبل از ہجرت فرض ہونے کا قول شاذ ہے۔ اور جمہور کا یہ کہنا ہے کہ یہ چھ ہجری کو فرض ہوا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾[۳۹]۔ (اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو) میں حکم سے مراد ابتداءِ فرضیت ہے[۴۰]۔

شیخ کاندھلویؒ بھی اسی کتاب کے ترجمہ میں فرضیتِ حج کی تاریخ کی صراحت میں شارحینِ حدیث، مفسرین، مورخین اور فقہاء سے استفادہ کرتے ہوئے مختلف اقوال دیے ہیں اور اس ضمن میں ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے گیارہ اقوال کی نشاندہی کر کے لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ حج ہجرت سے قبل فرض ہوا تھا لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے اسے شاذ قرار دیا ہے[۴۱]۔ شارح یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ نماز کے سوا تمام عبادات بعد از ہجرت فرض ہوئی ہیں[۴۲]۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الزکوۃ کے تعارف میں شیخ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک زکوٰہ ہجرت کے بعد فرض ہوئی۔ مزید یہ کہ سن ۲ ہجری قبل رمضان اور ایک ہجری کے اقوال بھی اس حوالہ سے بیان کیے گئے ہیں[۴۳]۔

شیخ کاندھلویؒ زکوۃ کی ہی تاریخِ فرضیت کے حوالہ سے حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ زکوۃ کی ابتداء کب ہوئی اکثر کے نزدیک یہ ہجرتِ مدینہ کے بعد فرض ہوئی۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سن ۲ ہجری میں رمضان سے قبل فرض ہوئی[۴۴]۔ شیخ زرقانیؒ نے اس اسلوب کو کم جبکہ شیخ کاندھلویؒ نے زیادہ اپنایا ہے۔

۹۔ عقائد کی طرف نشاندہی

عقیدہ سے مراد وہ بنیادی فکر ہے جس پر ایمان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ دونوں شارحین نے ترجمۃ الکتب میں عقائدِ کی طرف نشاندہی کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔ ذیل میں اس مناسبت سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

مثال نمبر ۲۔ کتاب الجنائز کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ نمازِ جنازہ کی اہمیت سے متعلق لکھتے ہیں کہ میت کے ساتھ کیے جانے والے معاملات میں سے اہم نماز ہے کیونکہ اس میں میت کے لیے دعا کا فائدہ شامل ہے کہ وہ اس کے ذریعے عذاب سے نجات پاتی ہے خصوصاً اس قبر کے عذاب سے جس میں وہ دفن کیا جائے گا[۴۵]۔ اس مثال میں شارح درج ذیل عقائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں: ۱۔ دعا کا میت کو فائدہ پہنچانا۔ ۲۔ عذابِ آخرت ۳۔ عذابِ قبر۔

شیخ کاندھلویؒ بھی کتاب الجنائز کے ترجمہ میں موت سے متعلق صراحت میں لکھتے ہیں کہ اہل فن نے اختلاف کیا ہے کہ آیا موت امر وجودی ہے یا عدمی؟ اسے امر وجودی ماننے والوں کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾[۴۶]۔

(اس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے)۔ کیونکہ عدم کی تخلیق نہیں کی جاتی۔ بہر حال بعض نے اس کے عدم ہونے کا قول بھی اختیار کیا ہے۔ اور خلق کا اس آیت میں معنیٰ قدر اور اندازہ ہے۔ مزید یہ کہ موت کو وجودی ماننے والوں کا پھر اس میں اختلاف ہے کہ جوہر ہے یا عرض[۴۷]۔

یعنی شارح نے مسئلہ عقیدہ کو بیان کیا ہے لیکن اس قسم کے فلسفیانہ اسلوب سے مسائل کو زیرِ بحث لانا عام طور پر محض الجھاؤ ہی پیدا کرتے ہیں لہٰذا اس اسلوب سے گریز ہی بہتر ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۲۔ شیخ زرقانیؒ کتاب الزکوٰۃ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے سے دنیا میں واجب ساقط ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ زکاۃ کا انکار کرنے والا کافر ہے[۴۸]۔ شیخ کاندھلویؒ بھی کتاب الزکوٰۃ کے ترجمہ میں ہی شاہ ولی اللہؒ کے حوالہ سے صراحت کرتے ہیں کہ جب کسی مسکین کو حاجت تکلیف دیتی ہے تو وہ اپنی زبانِ حال یا قال کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرتا ہے۔ جب اس کی طرف سے تضرع اور گریہ وزاری اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کے دروازے پر ٹکراتی ہے تو اس پر اوپر، نیچے اور دائیں بائیں سے اس کی برکات نچھاور ہوتی ہیں[۴۹]۔ ان مثالوں سے واضح ہوا کہ دونوں شارحین نے اخروی فکر اور عقائد کی طرف قاری کو متوجہ کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔

اس تفصیل سے ترجمۃ الکتب کے ضمن میں زیرِ بحث شروح کے، حسب ذیل بنیادی اور مشترک مناہج واسالیب سامنے آئے ہیں:

۱۔ بنیادی الفاظ کا ضبط اور لغوی واصطلاحی معنیٰ بیان کرنا۔ ۲۔ قرآن وحدیث سے استدلال۔
۳۔ عربی اشعار سے استدلال۔ ۴۔ موطا امام مالکؒ کے نسخوں کا موازنہ۔
۵۔ روحانی اور باطنی اصلاح۔ ۶۔ تاریخی اسلوب۔ ۷۔ عقائد وغیرہ۔

اب آئندہ سطور میں دونوں شروح کے ترجمۃ الکتب کے منہج واسلوب میں اختلافی امور کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

ب۔ ترجمۃ الکتب میں شرح الزرقانی کے اختلافی امور

شرح الزرقانی اور أوجز المسالک میں ترجمۃ الکتب کا مطالعہ کرنے سے شرح الزرقانی کے درج ذیل پہلو أوجز المسالک سے مختلف ہیں:

۱۔ مصری نسخِ موطا کی پیروی

شیخ زرقانیؒ نے اپنی اس زیرِ بحث شرح میں کتب کے عنوانات، موطا امام مالکؒ کے ہندی نسخوں کی بجائے مصری نسخوں کے مطابق قائم کیے ہیں۔ یعنی انہوں نے شروع سے ہی کتب کے عنوانات قائم کیے جبکہ ہندی نسخوں میں کتاب کا پہلا عنوان کتاب الجنائز قائم کیا گیا ہے۔ البتہ شیخ زرقانیؒ نے کتب کا ترجمہ، کتاب الجنائز سے ہی شروع کیا

ہے۔ گویا شرح الزرقانی میں مصری نسخ موطا کا لحاظ کیا گیا ہے جبکہ اوجز المسالک میں ہندی نسخوں کا۔ اس بنا پر ترتیبِ کتب وابواب میں کہیں کہیں فرق موجود ہے۔

۲۔ اجمال واختصار

ترجمۃ الکتب میں شیخ زرقانیؒ نے اجمال اور اختصار کا اسلوب اپنایا ہے۔ اکثر جگہ تو صرف کلمات کے ضبط پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ صرف شرعی معنی ومراد تک ترجمہ کو محدود رکھا گیا ہے۔ اس اجمال واختصار کے اسلوب کی صراحت درج ذیل مثالوں سے ہوتی ہے:

مثال نمبر ۱: کتاب الصید کے ترجمہ میں شارح نے صرف صید کا مصدر ہونا اور احکامِ صید پر اس کے اطلاق سے متعلق قرآنی آیت پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے(۵۰)۔

مثال نمبر ۲: کتاب الفرائض کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ نے صرف فرائض سے مراد مواریث کی تقسیم، لفظ فرائض کی لغوی صراحت اور علم الفرائض کے دوسرے نام مسائلِ میراث کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے(۵۱)۔

اگرچہ بعض مقامات پر شارحؒ نے ضرورت سے زیادہ ہی اختصار سے کام لیا ہے اور ضروری توضیح بھی نہیں کی جیسا کہ کتاب القراض کے ترجمہ میں ہے۔ تاہم اکثر جگہ اختصار کے باوجود بنیادی اور ضروری حد تک کتب کا ترجمہ کر دیا ہے۔

۳۔ مصادر کا عدم ذکر

اکثر جگہ شارحؒ نے مصدر کا ذکر کیے بغیر ترجمۃ الکتاب میں بنیادی توضیح کی ہے جیسا کہ حسب ذیل مثالوں سے اس امر کی توضیح ہوتی ہے:

مثال نمبر ۱۔ کتاب الرضاع کے ترجمہ میں رضاع کا لغوی واصطلاحی معنیٰ کسی مصدر کا ذکر کیے بغیر دے دیا گیا ہے(۵۲)۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الجنائز کے ترجمہ میں شیخ زرقانیؒ نے جنائز کی بنیادی لغوی صراحت کسی کی طرف منسوب کیے بغیر کی ہے(۵۳)۔

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زرقانیؒ نے اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے بنیادی معلومات اپنی طرف سے بیان کر دی ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے بالکل ساری صراحت خود ہی کی ہے۔ بلکہ ضرورت کے مطابق قرآن وحدیث، اہلِ لغت اور شارحین وغیرہ سے نام لے کر اقتباس کیا ہے۔ بہرحال اوجز اور شرح

الزرقانی میں بعض شارحین اور مؤلفین کے حوالہ سے اختلافی اسلوب یہ ملتا ہے کہ شیخ زرقانیؒ نے بہت کم جگہ شارحین کی طرف منسوب کرکے بیان کیا ہے جبکہ شیخ کاندھلویؒ نے زیادہ تر شارحین حدیث سے نقل کیا ہے جس کی تصریح اَوجز المسالک کے اس ضمن میں اختلافی اسلوب بیان کرنے سے ہوگی۔

ج۔ ترجمۃ الکتب کے اسلوب میں اوجز المسالک کے اختلافی امور

دونوں شارحین نے موطاامام مالکؒ کے مختلف نسخوں کو اپنی شرح کے لیے لیا ہے۔یعنی شیخ زرقانیؒ نے مصری جبکہ شیخ کاندھلویؒ نے ہندوستان میں چھپنے والے نسخوں کی اتباع کی ہے۔اس لیے ترتیب میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر اوجز المسالک میں کتاب الجنائز کے بعد کتاب الصیام ہے جبکہ شرح الزرقانی میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصدقۃ ہے۔اوجز میں ہندی نسخوں کی اتباع میں کتاب الصدقۃ کا عنوان ہی نہیں ہے۔ مزید یہ کہ چونکہ شیخ کاندھلوی رحمہ اللہ بھارت کے جبکہ شیخ زرقانی رحمہ اللہ مصر کے ہیں اور شیخ کاندھلویؒ، شیخ زرقانیؒ سے اڑھائی سو سال بعد کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں،اس زمانی اور علاقائی اختلاف کی بنا پر زیر بحث شروح میں اسلوب و منہج کا اختلاف ایک فطری امر ہے۔چنانچہ ذیل میں چند نمایاں امور اس ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں:

ا۔ تفصیلی ترجمہ

چونکہ اَوجز المسالک بہ نسبت شرح زرقانیؒ کے زیادہ ضخیم ہے اس لیے مجموعی طور پر یہ اس کی نسبت مفصل شرح ہے۔ترجمۃ الکتب میں اگرچہ شیخ زرقانیؒ نے بھی ضروری معلومات دینے کا اسلوب اپنایا ہے تاہم شیخ کاندھلویؒ نے زیادہ تفصیل سے کتب کا تعارف پیش کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔اس کا جائزہ حسب ذیل مقامات کا مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے:

مثال نمبر ا۔کتاب الصید میں شیخ کاندھلویؒ صید کی لغوی صراحت اور اس لفظ کا شکار اور شکار کے احکام پر اطلاق کی نشاندہی کرنے کے علاوہ الدر المختار کے حوالہ سے شکار کے صحیح ہونے کے لیے پندرہ شرائط بیان کرتے ہیں[۵۴]۔

مثال نمبر ۲۔کتاب الفرائض کے ترجمہ میں شیخ کاندھلویؒ اپنی شرح میں شرح الزرقانی کی تفصیل دینے کے علاوہ "فرض" کا لغوی و شرعی معنی،شریعت میں مقرر کردہ چھ حصص:نصف،ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس، نسخِ موطامیں اس کتاب کی ترتیب پر تبصرہ اور علم المیراث کی تعریف و موضوع بیان کرتے ہیں[۵۵]۔

ان مقامات پر اگرچہ اَوجز المسالک کے تراجم بھی زیادہ مفصل نہیں ہیں تاہم شرح الزرقانی کی نسبت تفصیلی ہیں۔اس کے علاوہ کئی کتب کا ترجمہ بہت زیادہ تفصیل سے دیا ہے۔بعض جگہ اگر اس طرح کا تفصیلی اسلوب اختیار نہ کیا جائے تو قاری مطمئن نہیں ہوتا۔

۲۔ترجمۃ الکتب کو ابحاث میں تقسیم کرنا

زیادہ تفصیلی ترجمہ شیخ کاندھلویؒ نے مختلف ابحاث اور نکات میں تقسیم کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ظاہر ہے:

مثال نمبر ا۔عقیقہ سے متعلق تعارف کو دس ابحاث میں تقسیم کر کے یوں بیان کیا گیا ہے:

بحثِ اول عقیقہ کے لغوی معنیٰ میں،بحث ثانی عقیقہ کے حکم سے متعلق،بحث ثالث عقیقہ کے وقت سے متعلق،بحث رابع اس سے متعلق کہ کیا صرف مذکر کے ساتھ خاص ہے یا مؤنث کا بھی سنت ہے،بحثِ خامس اس اختلاف سے متعلق کہ کیا مذکر و مؤنث میں فرق کیا جائے گا کہ مذکر کے عقیقہ کے لیے دو بکریاں اور مؤنث کے لیے ایک بکری سے کرنا ضروری ہے،بحث سادس کیا بھیڑ بکری ہی عقیقہ کے لیے ضروری ہے یا گائے اونٹ سے بھی عقیقہ ہو سکتا ہے نیز کیا ان بڑے جانوروں میں مختلف حصہ داروں کا شریک ہونا جائز ہے یا کہ نہیں،بحث سابع اس سے متعلق کہ عقیقہ میں وہی شرائط ہیں جو کہ قربانی میں ہیں،بحث ثامن اس بارے میں کہ عقیقہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے والد یا اس کے علاوہ کوئی اور بھی؟ یا بچے کا اگر عقیقہ نہ کیا جائے تو کیا وہ بالغ ہو کر خود اپنا عقیقہ کرنے کا پابند ہے یا نہیں،بحث تاسع اس بات سے متعلق کہ کیا عقیقہ کا گوشت پکانے کے وقت اس جانور کی ہڈیاں توڑی جا سکتی ہیں یا نہیں اور بحث عاشر اس امر سے متعلق کہ آیا عقیقہ کے جانور کا خون بچے کے سر پر ملا جائے گا یا نہیں[۵۶]۔

مثال نمبر ۲۔کتاب الاشربۃ کے ترجمہ میں شیخ کاندھلویؒ خمر سے متعلق تفصیل کو دس احکام میں یوں تقسیم کرتے ہیں:اولاً:خمر کی ماہیت۔ثانیاً:اس اسم کے ثبوت کی حد۔ثالثاً:غیر مشروط طور پر خمر کی حرمت۔رابعاً: خمر کی نجاست۔ خامساً: اس کو حرام نہ جاننے والے کا کافر ہونا۔سادساً:مسلمان کے حق میں اس کے تقوم کا سقوط۔سابعاً:اس سے نفع کمانے کی حرمت۔ثامناً:یہ پینے والے پر حد لگانا اگرچہ اسے نشہ نہ ہوا ہو۔تاسعاً:اس کے آگ پر پکانے سے اس پر اثر۔عاشراً: اس کی تخلیل کے جواز سے متعلق۔اس کے علاوہ خمر کے علاوہ مشروبات کی صراحت،اقسام میں کی ہے[۵۷]۔

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے ترجمۃ الکتب میں متعلقہ موضوع کی مختلف جہات سے متعلق قاری کو ایک منظم اور آسان پیرائے میں متعارف کرانے کا اسلوب اپنایا ہے۔اس سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ باب

میں مذکور احادیث کو پڑھتے وقت موضوع کی مختلف جہات مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ اگر مکمل بات سامنے نہ بھی آئے تو بھی ذہن اس نکتے سے متعلق متجسس ہو جاتا ہے۔ اور مزید مطالعہ سے وہ جہت واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ مختصر وقت میں محض متعلقہ حصے پر مطالعہ کرنے والے کو یہ اسلوب پریشان کرتا ہے۔

۳۔ مختلف علوم پر بکثرت کتب اور مصادر کی نشاندہی

دونوں شروح میں اگرچہ عصرِ حاضر کے مروجہ حوالہ جاتی اسلوب کی پیروی نہیں کی گئی۔ تاہم مختلف مؤلفین اور کتب کی طرف منسوب کر کے اقتباس کرنے کا اسلوب ملتا ہے۔ شیخ زرقانیؒ کے ہاں کتب کی نشاندہی کم کی گئی ہے جبکہ شیخ کاندھلویؒ نے اپنے تفصیلی اسلوب کے تحت اکثر مسالک کی کتب و مصادر کی روشنی میں ترجمۃ الکتب پیش کرنے کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس کی صراحت حسب ذیل مثالوں سے ہوتی ہے:

مثال نمبر ۱۔ زکوٰۃ سے متعلق صراحت میں قرآن مجید کی آیت: ﴿اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾[۵۸] کی تفسیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باقاعدہ "روح المعانی" اور "روح البیان" کا نام لے کر ان میں بیان کردہ تفسیر شارحؒ نے ذکر کی ہے[۵۹]۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الجنائز کے ترجمہ میں شارحؒ لفظ جنازہ کی لغوی صراحت سے متعلق کہتے ہیں: كذا في شرح الإقناع عن ابن عبد البر، اسی طرح تاریخ جنازہ سے متعلق لکھتے ہوئے شارح رقمطراز ہیں: وفي الأنوار الساطعة شرعت صلاة الجنازةبالمدينة المنورة في السنة الاولىٰ من الهجرة فمن مات بمكة المشرفة لم يصل عليه[۶۰]۔ (اور الانوار الساطعہ میں ہے کہ نمازِ جنازہ مدینہ منورہ میں سن ۱ ہجری کو مشروع ہوئی۔ پس جو افراد مکہ مشرفہ میں وفات پا گئے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی)۔

مثال نمبر ۳۔ کتاب النذور والایمان کے ترجمہ میں شیخ کاندھلویؒ نذر کا اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وفي الروض المربع هو شرعاً إلزام مكلف مختار نفسه لله تعالىٰ شيئاًغيرمحال۔۔۔ ("الروض المربع" میں ہے کہ نذر سے مراد شرعی لحاظ سے اپنے آپ پر اختیار رکھنے والے مکلف کا اللہ تعالیٰ کے لیے کسی غیر محال شے کا اپنے اوپر لازم کر لینا ہے۔۔۔) نذر سے متعلق مزید معلومات ذکر کرنے کے لیے شارح لکھتے ہیں: وفي البدائع الكلام في النذر في ثلاثة مواضع: في بيان ركن النذر، وفي بيان شرائط الركن وفي بيان حكم النذر۔۔۔ (اور "البدائع" میں نذر سے متعلق گفتگو تین حوالوں سے ہے: نذر کے رکن، رکن کی شرائط اور نذر کے حکم سے متعلق۔۔۔) اسی طرح آگے نذر کے حکم اور اس کی ممانعت سے متعلق حدیث پر تبصرہ پر شرح

مختصر الخلیل، المدونہ، المحلیٰ اور الدر المختار کا نام لے کر تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے[۶۱]۔ شیخ کاندھلویؒ نے کثرت سے قاری کو مختلف مسالک کی کتب سے متعارف کروانے کا اسلوب اپنایا ہے۔ یہ انداز اگرچہ بظاہر عامیانہ لگتا ہے لیکن علومِ اسلامیہ کے طالبِ علم کے لئے کئی حوالوں سے مفید بھی ہے۔

۴۔ دیگر شارحین اور ائمہ و مؤلفین سے بکثرت نقل

متنِ حدیث کی شرح ہونے کے ناطے سے دیگر کتب کی نسبت کتبِ حدیث کی شروح سے استفادہ کرنا ایک ضرورت ہے۔ اس لیے زیرِ بحث شروح میں ان کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ترجمۃ الکتب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اوجز المسالک میں شرح الزرقانی کی نسبت شارحین سے بکثرت نقل کیا گیا ہے بلکہ خود شرح الزرقانی سے بھی نام لے کر یا نام لیے بغیر نقل کیا گیا ہے۔ درج ذیل مثالوں سے اس اسلوب کی تصریح ہوتی ہے:

مثال نمبر ۱۔ کتاب الجنائز میں جنائز کا ضبط اور معنیٰ نوویؒ، حافظ ابنِ حجرؒ اور العینیؒ کا نام لے کر ان سے شارحؒ نے نقل کیا ہے[۶۲]۔

مثال نمبر ۲۔ کتاب الصیام کے ترجمہ میں شیخ کاندھلویؒ نے، زرقانیؒ سے نام لے کر لکھا ہے کہ وہ کتاب کی ابتداء تسمیہ سے تبرکاً اور تفنناً کرتے ہیں۔ نیز ملا علی القاری، بدر الدین العینی اور پھر زرقانی سے نقل کیا گیا ہے[۶۳]۔

۵۔ احناف کی تائید

شیخ کاندھلویؒ چونکہ خود حنفی المسلک ہیں اس لیے انہوں نے ترجمۃ الکتب میں بھی اکثر فقہ حنفی کی تائید کا اسلوب اپنایا ہے۔ جیسا کہ کتاب الحج کے ترجمہ میں شارح حج کے علی الفور فرض ہونے یا تاخیر سے فرض ہونے سے متعلق ائمہ کا اختلاف بیان کرتے ہوئے احناف کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

"واختلف فيه عند أصحابناقال أبو يوسف: هو فی أول أوقات الإمكان فمن أخره عن العام الاول أثم۔۔۔قال بعض أصحابناالمتاخرين: المعتمد أن الخلاف فی هذه المسئلة ابتداء فأبو يوسف عمل بالاحتياط"[۶۴]۔

(اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کے نزدیک بھی اختلاف ہے وہ یہ کہ ابو یوسف رحمہ اللہ کے مطابق ممکنہ حد تک پہلی فرصت میں حج کرنا ہو گا جس کسی نے پہلے سال سے حج مؤخر کر دیا وہ گناہگار ہوا۔۔۔ ہمارے بعض متاخرین اصحاب کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ابتدا کے حوالہ سے معتمد ہے پس امام ابو یوسف نے احتیاط پر عمل کیا ہے)۔

یعنی شارح کا حنفی ائمہ کے لیے "اصحابنا" (ہمارے اصحاب) کہنا حنفی مسلک کی تائید ظاہر کرتا ہے۔ نیز اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارح نے احناف کے اندرونی اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے بہتر

قول کی طرف رہنمائی کرنے کا اسلوب بھی اپنایا ہے۔شرح الزرقانی کی نسبت یہ اَوجز المسالک کی امتیازی صفت ہے۔

خلاصۂ بحث

دونوں شروح کے ترجمۃ الکتب میں مناہج واسالیب کے اتفاقی واختلافی امور کا تقابل کرتے ہوئے ان کے ایک دوسرے سے امتیازات کے طور پر درج ذیل نمایاں نکات سامنے آئے ہیں:

۱۔شرح الزرقانی میں اختصار کا اسلوب ہے جبکہ اَوجز المسالک میں تفصیل کا۔

۲۔شرح الزرقانی میں ترجمہ میں بنیادی اور معروف معلومات زیادہ تر اپنی طرف سے ہی بیان کرنے کا اسلوب اپنایا گیا ہے جبکہ اَوجز المسالک میں زیادہ تر یہ معلومات بھی شارحین سے نقل کرنے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۳۔شرح الزرقانی میں مختلف علوم کی کتب کی نشاندہی اَوجز المسالک کی نسبت کم کی گئی ہے، اَوجز میں ترجمۃ الکتب کے دوران بھی شرح زرقانی کی نسبت زیادہ کتب اور مؤلفین کی نشاندہی کرنے کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔بالخصوص حنفی مسلک کی کتب اور مؤلفین کو زیادہ اہتمام سے ذکر کرنے کا اسلوب ملتا ہے۔

۴۔شیخ کاندھلویؒ نے ترجمۃ الکتب کو کہیں کہیں زیادہ تفصیل سے پیش کرتے ہوئے مواد کو نکات اور متعدد ابحاث میں ایک نظم کے ساتھ پیش کیا ہے جبکہ شیخ زرقانیؒ نے ترجمۃ الکتب کو ابحاث میں تقسیم نہیں کیا۔

۵۔اَوجز المسالک میں زیادہ تر فقہ حنفی کی نمائندگی کی گئی ہے جبکہ شرح الزرقانی میں فقہ مالکی کی نمائندگی، شرحِ متن میں تو کی گئی ہے لیکن ترجمۃ الکتب میں نہیں ہے۔

۶۔شرح الزرقانی میں اول تا آخر کتب کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جبکہ اوجز المسالک میں کتاب الجنائز پہلا عنوانِ کتاب ہے۔

۷۔شرح الزرقانی میں کتب کے عنوانات زیادہ واضح اور آسان ہیں جبکہ اوجز المسالک کے عنوانات زیادہ جامع ہونے کی وجہ سے سہل اور واضح نہیں ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شیخ زرقانی رحمہ اللہ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان الزرقانی المصری الازھری المالکی ہے۔ ان کا زمانہ ۱۰۵۵ھ تا ۱۱۲۲ھ ہے۔ دیارِ مصر میں خاتمۃ المحدثین یعنی محدثین کی آخری کڑی ہیں۔ زرقانیؒ کہلانے کی وجہ مضافات قاہرہ کے بالائی حصوں میں زرقان نامی ایک بستی کی طرف آپ کی نسبت ہے۔ یعنی آپ کی ولادت ووفات سرزمینِ قاہرہ میں ہی ہوئی۔ نیز آپ رحمہ اللہ کو الامام، المحدث الناسک (عابد وزاھد)، الخریر (صاحب ادراک)، الفقیہ اور العلامہ کے القابات وعنوانات بھی دیے گئے ہیں۔

(الزرکلی، خیرالدین، الاعلام قاموس تراجم الاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين(طبع ثالثة)،۷/۵۵)؛ الزرقانی،محمد بن عبدالباقی(۱۰۵۵تا ۱۱۲۲ھ)،شرح الزرقانی علیٰ المواهب اللدنيه للعلامه القسطلانی(۹۲۳ھ)،دارالکتب العلمية، بيروت، ترجمة الزرقانی شارح مواهب،۱/۸)۔

۲۔ آپ رحمہ اللہ ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ بمطابق بروز جمعرات ۲ فروری ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ اور آپ کے دو نام محمد موسیٰ اور محمد زکریا رکھے گئے تھے لیکن دوسرا نام ہی مشہور ہوا۔ آپ نے خود اپنا تعارف یوں کروایا ہے کہ نام کے اعتبار سے زکریا، وطن کے حوالہ سے کاندھلوی، مسلک کے اعتبار سے حنفی، مشرب کے اعتبار سے خلیلی (مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی نسبت سے)، تلمذ وشاگردی کے اعتبار سے المظاھری ہوں۔ اور والدِ گرامی مولانا محمد یحییٰ ہیں۔ (الکاندھلوی، محمد زکریا المہاجر المدنی(۱۳۱۵ھ تا ۱۴۰۲ھ)، أوجز المسالک الیٰ موطا مالک، مکتبہ امدادیہ، ملتان، مقدمۃ، الباب الثالث، الفائدۃ الاولیٰ، ۱/۳۴،۳۵)۔

۳۔ الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف(۱۰۵۵ھ تا ۱۱۲۲ھ) شرح الزرقانی، دارالحدیث، القاھرۃ، ۲۰۰۶ء، کتاب القسامۃ، ۴/۲۷۳۔

۴۔ أوجز المسالک، کتاب القسامۃ، ۵/۵۱۷۔

۵۔ شرح الزرقانی، کتاب النذور والایمان، ۳/۷۷۔

۶۔ أوجز المسالک، کتاب النذور، ۴/۱۱۴۔

۷۔ سورۃ المائدۃ، ۵: ۹۶۔

۸۔ سورۃ المائدۃ، ۵: ۹۶۔

۹۔ شرح الزرقانی، کتاب الصید، ۳/۱۱۵۔

۱۰۔ سورۃ المائدۃ، ۵: ۹۶۔

۱۱۔ سورۃ المائدۃ، ۵: ۹۶۔

۱۲۔ أوجز المسالک، کتاب الصید، ۴/۱۷۷۔

۱۳۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۳۲۰۔

۱۴۔شرح الزرقانی، کتاب النکاح، ۳/ ۱۶۳۔

۱۵۔سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۸۳۔

۱۶۔الطبرانی، ابوالقاسم سلمان بن احمد، المعجم الاوسط، دار الحرمین، القاہرہ، ۱۴۱۵ھ، ۲/ ۳۷۴۔

۱۷۔شرح الزرقانی، کتاب الزکوٰۃ، ۲/ ۱۲۵۔

۱۸۔البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل (م:۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، کتاب الاضاحی، باب التکبیر عند الذبح، ۲/ ۳۵۰؛ مسلم بن الحجاج القشیری (م:۲۶۱ھ)، الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، کتاب الاضحیۃ، باب استحباب الضحیۃ وذبحھا، ۲/ ۱۵۵۔

۱۹۔أوجز المسالک، کتاب الضحایا، ۴/ ۲۱۴۔

۲۰۔البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م:۲۵۶ھ)، الادب المفرد، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ، باب حسن الخلق، ۱۰۴۔

۲۱۔شرح الزرقانی، کتاب حسن الخلق، ۴/ ۳۳۱۔

۲۲۔ابو داود، سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۵۷ھ)، السنن، مکتبہ امدادیہ، ملتان، کتاب الحدود، باب القطع فی الخلسۃ والخیانۃ، ۲/ ۲۵۵۔

۲۳۔أوجز المسالک، کتاب السرقۃ، ۶/ ۵۳۔

۲۴۔شرح الزرقانی، کتاب النکاح، ۳/ ۱۶۳۔

۲۵۔أوجز المسالک، کتاب الجنائز، ۲/ ۴۲۰۔

۲۶۔شرح الزرقانی، کتاب الصیام، ۲/ ۲۰۱۔

۲۷۔أوجز المسالک، کتاب الصیام، ۳/ ۱۔

۲۸۔شرح الزرقانی، کتاب الحج، ۲/ ۲۹۵۔

۲۹۔أوجز المسالک، کتاب الحج، ۳/ ۲۹۵۔

۳۰۔أوجز المسالک، کتاب القراض، ۵/ ۱۶۹۔

۳۱۔شرح الزرقانی، کتاب الشفعۃ، ۳/ ۴۷۵۔

۳۲۔أوجز المسالک، کتاب الشفعۃ، ۵/ ۲۲۴۔

۳۳۔شرح الزرقانی، کتاب الجہاد، ۳/ ۵۔

۳۴۔أوجز المسالک، کتاب الجہاد، ۴/ ۲۔

۳۵۔شرح الزرقانی، کتاب الصیام، ۲/ ۲۰۰۔

۳۶۔أوجز المسالک، کتاب الحج، ۳/ ۲۹۸۔

۳۷۔شرح الزرقانی، کتاب الصیام، ۲/ ۲۰۰۔

۳۸۔ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، مکتبہ امدادیۃ، ملتان، کتاب الصوم، ۴/ ۲۲۹۔

أوجز المسالک، کتاب الصیام، ۲/ ۳۔

۳۹۔البقرۃ، ۲: ۱۹۶۔

۴۰۔ شرح الزرقانی، کتاب الحج، ۲/ ۲۹۵۔

۴۱۔ ابنِ حجر العسقلانی، احمد بن علی (م ۸۵۲ھ)، فتح الباری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، کتاب الحج، باب وجوب الحج وفضلہ، ۳/ ۴۸۳۔

۴۲۔ أوجز المسالک، کتاب الحج، ۳/ ۲۹۶۔

۴۳۔ شرح الزرقانی، کتاب الزکوۃ، ۲/ ۱۲۵۔

۴۴۔ أوجز المسالک، کتاب الزکوۃ، ۳/ ۱۳۵۔

۴۵۔ شرح الزرقانی، کتاب الجنائز، ۲/ ۶۵۔

۴۶۔ سورۃ الملک، ۶۷: ۲۔

۴۷۔ أوجز المسالک، کتاب الجنائز، ۲/ ۴۲۰۔

۴۸۔ شرح الزرقانی، کتاب الزکوۃ، ۲/ ۱۲۵۔

۴۹۔ أوجز المسالک، کتاب الزکوۃ، ۳/ ۱۳۵۔

۵۰۔ شرح الزرقانی، کتاب الصید، ۳ /۱۱۵۔

۵۱۔ ایضاً، کتاب الفرائض، ۳/ ۱۳۵۔

۵۲۔ ایضاً، کتاب الرضاع، ۳/ ۳۰۷۔

۵۳۔ ایضاً، کتاب الجنائز، ۲/ ۶۵۔

۵۴۔ أوجز المسالک، کتاب الصید، ۴/ ۱۷۷۔

۵۵۔ ایضاً، کتاب الفرائض، ۵/ ۳۹۵۔

۵۶۔ ایضاً، کتاب العقیقۃ، ۴/ ۲۰۴۔

۵۷۔ ایضاً، کتاب الاشربۃ، ۶/ ۸۵، ۸۶۔

۵۸۔ سورۃ مریم، ۱۹: ۳۱۔

۵۹۔۔ أوجز المسالک، کتاب الزکوہ، ۳/ ۱۳۴۔

۶۰۔ ایضاً، کتاب الجنائز، ۲/ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔

۶۱۔ ایضاً، کتاب النذور والایمان، ۴/ ۱۱۴ تا ۱۱۶۔

۶۲۔ ایضاً، کتاب الجنائز، ۲/ ۴۲۰۔

۶۳۔ ایضاً، کتاب الصیام، ۳/ ۱۔

۶۴۔ ایضاً، کتاب الحج، ۳/ ۲۹۵، ۲۹۶۔

علوم اِسلامیہ میں تحقیقی مقالے کے موضوع کا اِنتخاب اور خاکہ سازی:

جدید رہنما اُصول اور طریقے

Selecting a Research Topic and Preparing its Synopsis: Current Techniques and Means for the Researchers in Islamic Studies

خورشید احمد سعیدی*

Abstract

There is ever-growing number of MS and PhD students along with general researchers in Pakistan who are in need of improved rules, principles, and sources to choose a researchable topic and prepare its logical synopsis in the vast area of Islamic Studies. Although there are authors who have written a number of books on research methodology in Urdu language, most of them address the researchers in Urdu language and literature. There are a few books written to guide the researchers in Islamic Studies. However, they neither cover the needs of current community of researchers nor they point out the support of the Higher Education Commission of Pakistan for the researches.

After reviewing the available literature and noting many deficiencies in the books of research methodology in Urdu language, this paper contributes to fill the gap to some extent. To save the time of the researchers in choosing a relevant topic, to enable them to start their work without any serious problem and to play their role in the development of the nation, this paper addresses three basic questions. They are: What are the current and researchable fields and areas in the vast discipline of Islamic Studies? What are the most logical steps and stages in choosing a researchable top in any specialization of Islamic Studies? How to write an acceptable synopsis for research in Islamic Studies?

In this way, this paper is divided into three parts. In the first part, it points out various areas and fields of research; in the second part, it explores the steps, means and ways to choose an appropriate topic; and inthe third part, it points out the latest sources of data provided by HEC, HEC-approved supervisors and journals, magazines in Urdu and Arabic languages, and online libraries in Urdu and Arabic languages. In general, this paper is constructive, suggestive and instructive.

* لیکچرر، شعبہ تقابل ادیان، کلیہ اُصول الدین (اسلامک اسٹڈیز)، اِنٹرنیشنل اِسلامک یونیورسٹی، اِسلام آباد، پاکستان۔

پاکستانی جامعات میں بی ایس، ایم اے، ایم ایس/ ایم فل اور پی ایچ ڈی اور بعض دینی مدارس میں علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لیے مروّجہ نظامِ تعلیم وتربیت کے آخری مرحلہ میں طلبہ کو آخری درجہ، سمسٹر، سال یا مقررہ مدت میں ایک تحقیق طلب موضوع پر مقالہ لکھنا ہوتا ہے لیکن مشکل مسئلہ یہ ہے کہ علوم اِسلامیہ کے موجودہ نظام تعلیم میں زیر تربیت طلبہ کی ایک بھاری اکثریت میں اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ اُن میں سے بعض طلبہ جو اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کرسکتے ہیں وہ تحقیق کے ابتدائی مراحل کا مناسب علم نہ ہونے کی وجہ سے ایک قابلِ قبول موضوع اور لائق تعریف مقالہ تیار نہیں کرسکتے۔ یہ صورت حال صرف دینی مدارس کے طلبہ تک محدود نہیں، یونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات کی اچھی خاصی تعداد کا بھی یہی حال ہے۔ اِس مشکل مرحلہ میں مدد کرنے کے لیے اُردو زُبان میں تحقیق اور اُصولِ تحقیق کے موضوع پر کئی اَساتذہ اور ماہرینِ فن نے قلم اُٹھایا ہے اور علوم اسلامیہ، عربی واُردو زبان ادب اور شعبۂ تعلیم کے طلبہ کی مشکلات، کمزوریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت سی کتب شائع کی ہیں۔ اُن کتب کے مشمولات پر طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ کتب مختلف گروہوں میں تقسیم نظر آتی ہیں۔ اُن میں سے بعض علوم اسلامیہ وعربیہ میں تحقیقی فکر اور تصورات کو پروان چڑھانے کے لیے لکھی گئی ہیں، بعض علوم اسلامیہ وعربیہ میں فنی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں، کچھ اُردو وعربی زبان وادب میں تحقیق کرنے والے طلباء اور اسکالرز کے لیے قلم بند کی گئی ہیں، اور کچھ تحقیق سے متعلق مقالات و مضامین پر مشتمل ہیں۔ عمومی لحاظ سے اور اپنی اپنی جگہ پر یہ کتب بہت مفید ہیں لیکن اگر علوم اسلامیہ میں تحقیق کے معاصر رُجحانات، تحقیق کاروں کی صلاحیتوں اور اُنکی مشکلات کا بنظر غائر جائزہ لیں تو اُن کتب میں بہت سے اُمور اَدھورے اور ناکافی ہیں جیسا کہ ذیل میں صرف علوم اسلامیہ میں تحقیقی کام سے متعلق اہم کُتب کے ایک اِجمالی تعارف سے واضح ہے۔

تحقیق میں سوچ وفکر کو پروان چڑھانے والی کتب

عُلوم اسلامیہ میں تحقیق کے تناظر میں دیکھیں تو متعدد کتب ایسی ہیں جو تحقیق کاروں کی سوچ، فکر اور تصورات کے فروغ اور دُرستگی کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں یعنی وہ فنی سے زیادہ فکری نوعیت کی ہیں۔ یہاں اُن میں سے چھکتب کا مختصر تعارف پیش ہے۔

۱- پہلی کتاب ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی ''اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار'' ہے۔ یہ اڑتالیس صفحات کی ایک مختصر مگر فکری جلا بخشنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے پنتیس نکات پر اپنے افکار پیش کیے

ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں: اسلامی تحقیق کے معنی، میکانکی اور اصلی اسلامی تحقیقات، اصلی اسلامی تحقیق کے وظائف، میکانکی اسلامی تحقیق کے وظائف، مستشرقی تحقیق، مسلمان مستشرق کا اصلی کام، وحی اور عقل، موجودہ دور میں اسلام کو حکیمانہ افکار کا چیلنج، اسلامی تحقیق ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے، غیر مسلم کو اسلام کا معتقد بنانے کا طریقہ، فلسفی کا طریق کار، ہمارے اسلامی تحقیق کے اداروں کے سامنے کرنے کا کام، سچا اجتہاد، علمائے متقدمین کی اسلامی تحقیق ہمارے زمانہ کے چیلنج کا جواب نہیں بن سکتی، اسلامی تحقیق کے فن کی تعلیم اور تربیت ضروری ہے، وغیرہ[۱]۔

۲- اس سلسلے کی دوسری کتاب "مسلمان مؤرخین کا اُسلوبِ تحقیق: عصر خلفاء راشدین" ہے۔ ایک سَو چھپن(۱۵۶) صفحات کی یہ کتاب محمد سعد صدیقی لکھی اور اس کے مواد کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں تاریخ کا مفہوم اور تاریخ نگاری اور خلافت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے؛ دوسرے حصہ میں حضرت ابو بکر صدیق، تیسرے میں حضرت عمر، چوتھے میں حضرت عثمان اور پانچویں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کے بارے میں مسلمان مؤرخین کے اُسلوبِ تحقیق کے بارے میں مؤلف کے مقالات شامل ہیں[۲]۔

۳- اس سلسلے کی تیسری کتاب "لائبریری سائنس کا ارتقاء اور مسلمانوں کی خدمات" ڈاکٹر احمد خان کی تالیف ہے۔ اِس میں انہوں نے اپنے آٹھ اور قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے دو مضامین شامل کیے ہیں جن کے عناوین یہ ہیں: مسلمانان سلف اور جمع و مطالعہ کتب کا شوق؛ اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب؛ اندلس میں ایک نمونے کا کتب خانہ؛ عہد اسلامی میں کتب خانوں کا نظم و نسق؛ مسلمانوں کا ذوق کتاب داری؛ مسلمانوں کا فنِ کتاب سازی و کتاب داری؛ قرونِ وسطی میں اسلامی کتب خانے اور اُن کا طریقہ کار؛ لائبریری سائنس کا ارتقاء اور مسلمانوں کی خدمات؛ وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی؛ اور ہمارے علمی ورثے کی بربادی[۳]۔ اس کتاب کے سارے مضامین نئے تحقیق کاروں اور مقالہ نگاروں کے بہت مفید ہیں۔

۴- اسی سلسلے کی دو مفید کتابیں ڈاکٹر عمر فاروق غازی نے لکھی ہیں[۴]۔ ایک کتاب "تحقیق کے اصول وضوابط احادیث نبویہ کی روشنی میں" ہے۔ دو سَو چوبیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کے دو باب ہیں۔ پہلے باب کا عنوان "احادیثِ نبوی میں تحقیق کے اُصول وضوابط" ہے۔ اِس میں پانچ فصول ہیں جن کے مباحث یہ ہیں: تحقیق کی ضرورت واہمیت، تحقیق کا مفہوم وتعریف، تحقیق کی غرض وغایت، تحقیق کے اُصول، اور تحقیق کے مصادر۔ دوسرے باب کا عنوان "اُصول حدیث میں تحقیق کے اُصول وضوابط" ہے۔ اِس میں چار فصول ہیں۔ اُن کے مباحث یہ ہیں: علم الحدیث میں تحقیق کے موضوعات مسائل اور تعریف، علم حدیث میں تحقیق

کے طریقے، علم حدیث میں تحقیق کے اصول وضوابط، اور علم الحدیث کے تحقیقی اصول وضوابط کا دوسرے علوم پر اثرات[۵]۔

۵- ایک سَو تنتالیس صفحات پر مشتمل اُن کی دوسری "تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان قرآن کی نظر میں" ہے[۶]۔ اِس کے پانچ ابواب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں: تحقیق کا مفہوم، تحقیق کے اغراض ومقاصد، تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان، تحقیق کے تقاضے، اور تحقیق کے طریقے[۷]۔

۶- اس سلسلے کی ایک نئی کتاب "تحقیق: تصورات اور تجربات" ہے جس میں پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر سفیر اختر اور ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا کے پانچ مقالات شامل کیے گئے ہیں۔ ان مقالات کے عناوین "اسلامی تصورِ تحقیق، تحقیقی عمل میں سیاق وسباق کی اہمیت، تحقیق کا سفر، کتاب پر تبصرہ کا فن، اور عالمی مالیاتی بحران پر ایک نظر" ہیں۔ یہ کتاب دراصل اِنسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد میں ۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۰ء کے دوران نئے تحقیق کاروں کی تربیت کے لیے منعقدہ نشستوں میں پیش کیے گئے سینئر محققین کے لیکچرز کا منتخب مجموعہ ہے[۸]۔

اِن چھ کتابوں میں تحقیقی عمل کے فنی پہلوؤں اور مراحل سے متعلقبات انتہائی کم کی گئی ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ علوم اسلامیہ میں سے کسی علم یا فن میں تحقیق کے لیے موضوع کا انتخاب اور اُس کی خاکہ سازی کیسے کی جائے بلکہ قومی، علاقائی اور عالمی سطح پر ہونے والی مختلف الانواع تبدیلیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تحقیق کاروں کی فکر، سوچ اور تصورات کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ ترجیحات کی تشکیل نو پر ایک خاص نقطۂ نظر سے زور دیا گیا ہے۔

علوم اسلامیہ وعربیہ میں فنِ تحقیق کی کتب

علوم اسلامیہ وعربیہ میں نئے تحقیق کاروں کی رہنمائی اور اساتذہ کی مدد کرنے کے لیے بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں سے بھی صرف چند ایسی ہیں جو ایک لحاظ سے نصابی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُن کا اجمالی تعارف ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱- اس سلسلے کی تازہ ترین کتاب "اُصولِ تحقیق" ڈاکٹر افتخار احمد خان[۹] نے لکھی ہے۔ دو سَو آٹھ صفحات کی اس کتاب کو گیارہ اَبواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں: تحقیق، تحقیق کار اور نگران؛ تحقیق کی اقسام اور مناہج تحقیق؛ موضوع تحقیق کا انتخاب اور خاکہ کی تیاری؛ مصادر ومراجع کی تحدید؛ مواد کی جمع آوری، جانچ پڑتال اور حزم واحتیاط؛ تحقیق میں فرضیہ کی اہمیت، شروط وخصائص؛ مقالہ کی تسوید وتحریر اور معیاری مقالہ کی خصوصیات؛ مقالہ کی حوالہ بندی؛ مخطوطات کی تحقیق وتدوین؛ فہارس سازی؛ اور کتب اصول تحقیق وتدوین

مخطوطات۔ زیر نظر مقالے سے متعلق اس کتاب کا باب نمبر ۳ ہے۔ اس باب میں چار صفحات پر انتخاب موضوع اور شروط موضوع جبکہ خاکہ سازی کو تین سے کم صفحات میں زیر گفتگو لایا گیا ہے۔ یہاں خاکہ کے عناصر کے صرف نام لکھے گئے ہیں اُن کی نہ کوئی وضاحت ہے نہ کوئی مثالیں[۱۰]۔ مزید بر آں، مصنف نے سابقہ مطالعات کے جائزہ کے لیے ایچ ای سی کی وجہ سے اور انٹ رنیٹ پر دستیاب وسائل سے متعلق کوئی قابل ذکر بات نہیں کی۔

۲- اس سلسلے کی دوسری کتاب "اسلامی اصولِ تحقیق" پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی[۱۱] نے لکھی ہے۔ تین سَو چھہتر صفحات کی اس کتاب کے متنوع موضوعات کو آٹھ ابواب میں پیش کیا گیا ہے۔ اِس کتاب کی تمہید میں مصنف نے تحقیق کے میدان میں مسلمانوں کے کارناموں تذکرہ کیا ہے؛ اسلام میں تحقیق کی حقیقت، اہمیت اور ارتقاء اور اصول تحقیق پر مفصل گفتگو کی ہے۔ اسلامی اصول تحقیق میں مصادر، مقاصد اور محقق کی خصوصیات پر بات کی ہے۔ تحقیق کی اقسام کے تعارف کے ساتھ ساتھ اردو، عربی اور انگریزی میں اصول تحقیق کی اہم کتب کی فہرست بھی پیش کی ہے۔ موضوع کے انتخاب اور خاکہ سازی پر بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔ تحقیقی مقالہ کے مشمولات اور مراحلِ تحقیق کے اختتام پر زبانی امتحان تک طلبہ کو اپنے افکار اور تجربات سے آگاہ کیا ہے اور آخری باب میں اقتباسات، حواشی اور رسمیاتِ مقالہ پر کلام کیا ہے۔ اگرچہ مصنف نے پانچویں باب میں انتخابِ موضوع اور چھٹے میں اس کی خاکہ سازی پر تقریباً سینتیس صفحات صرف کیے ہیں لیکن علوم اسلامیہ میں معاصر میدانوں اور شعبہ ہائے تحقیق کی نشاندہی نہیں کی۔ اس کے ساتھ ساتھ خاکہ سازی میں بھی خاکہ کے عناصر کی تشریح و توضیح میں تشنگی پائی جاتی ہے[۱۲]۔ بالخصوص سابقہ کام کا جائزہ لینے کے لیے انٹرنیٹ پر دستیاب مفید وسائل اور معتبر لائبریریوں سے روشناس نہیں کروایا گیا حالانکہ اس وقت کے حالات میں طلبہ کا رجحان اس طرف زیادہ ہے۔

۳- اس سلسلے کی تیسری کتاب "اصول تحقیق" کے نام سے ڈاکٹر عبد الحمید خان عباسی نے لکھی ہے[۱۳]۔ مصنف کا تعلق چونکہ علوم اسلامیہ بالخصوص تخصص فی التفسیر وعلوم القرآن سے ہے اس لیے کتاب میں موضوع پر زیادہ چھاپ علوم اسلامیہ و عربیہ کی ہے۔ تین سَو پنتالیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب سترہ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے علوم اسلامیہ میں تحقیق سے متعلق مباحث کا احاطہ کرنے کی لائق تحسین کوشش کی ہے۔ کتاب کے باب نمبر ۴ کا عنوان "موضوع تحقیق کا انتخاب اور خاکہ" ہے۔ چار صفحات کے اندر موضوع تحقیق کے انتخاب اور سات صفحات میں موضوع تحقیق کا خاکہ بنانے کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ چونکہ یہ

کتاب پہلی بار ۲۰۰۳ء میں منصۂ شہود پر آئی اور اس وقت پاکستانی طلبہ اور محققین کی رسائی انٹرنیٹ تک نہیں تھی۔ اس لئے علوم اسلامیہ میں تحقیق کے لیے آن لائن وسائل اور مصادر و مراجع پر کلام اور رہنمائی اس کتاب کے زیر نظر ایڈیشن میں نہیں ملتی۔ آج کے طلبہ کی مشکلات کو سامنے رکھیں تو موضوع کا خاکہ اور اس کے عناصرِ ضروریہ کو بیان کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ خاکہ کے بعض عناصر مثلاً اہمیت موضوع، اسباب اختیار موضوع، تحقیق کے اہداف وغیرہ اس باب میں شامل نہیں کیے گئے[۱۴]۔

۴- اسی طرح علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے علوم اسلامیہ و عربیہ میں ایم فل کی ڈگری کے طلبہ کے لیے چار کورس "اصول تحقیق"، "اسلام میں تحقیق کے اصول و مبادی"[۱۵]، "اطلاقِ تحقیق" اور "تحقیق نگاری" مقرر کیے ہیں۔ پہلا کورس ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش جبکہ باقی تینوں کورس ڈاکٹر طفیل ہاشمی نے تحریر کیے تھے۔ اِن میں سے چوتھے کورس میں علوم اسلامیہ میں تحقیق کے لیے انتخابِ موضوع اور خاکہ سازی کے متعلق یونٹ نمبر ۲، ۳ اور ۶ میں گفتگو کی گئی ہے۔ اِن یونٹوں میں بہت مختصر رہنمائی ملتی ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ تک رسائی کی وجہ سے آج کی صورتِ حال کے پیش نظر علوم اسلامیہ میں تحقیق نگاری کے رُجحانات والے اُمور اس کتاب میں نہیں ہیں[۱۶]۔

۵- اسی سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک (چیئرمین شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے "عربی، اسلامی علوم اور سوشل سائنسز میں تحقیق و تدوین کا طریقہ کار" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے[۱۷]۔ یہ بنیادی طور پر دو ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب کی چھ فصلوں میں تحقیق کی اقسام، تحقیق کے بنیادی عناصر، محقق کی خصوصیات، کتب خانے، مقالہ نگاری کے مراحل اور مقالہ کی کمپوزنگ اور آخری کتابی شکل کے مباحث پر گفتگو کی ہے۔ دوسرے باب کی تین فصول میں مخطوطات کی تدوین کے مختلف مراحل پر قلم اُٹھایا گیا ہے اور آخر میں پانچ ملحقات ہیں۔ اس کتاب کے پہلے باب کی پانچویں فصل میں انتخابِ موضوع اور خاکۂ تحقیق کی تیاری پر اگرچہ بہت مفصل کلام کیا گیا ہے لیکن چونکہ ڈاکٹر صاحب کا اصل میدان عربی ادب اور لسانیات ہے اس لئے اُن کی گفتگو اور مثالیں زیادہ تر عربی ادب کے طلبہ کے لیے مفید ہیں۔ اس کتاب میں علوم اسلامیہ میں تحقیق کے متنوع میدانوں اور شعبوں کا تذکرہ ہے اور نہ اُردو زبان میں دستیاب آن لائن مصادر و مراجع کی طرف کوئی مفصل رہنمائی کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں انٹرنیٹ پر موجود متعدد مجلات اور مکتبات کا ذکر اور اُن کے ویب سائٹ ایڈریسز دیئے گئے ہیں اور اسی طرح مختلف سوفٹ ویئرز اور مکتبہ شاملہ کے استعمال پر

بھی تفصیل بات کی گئی ہے لیکن اِس میں اُن مکتبات اور عربی زبان کے آن لائن مجلات کا ذکر نہیں ملتا جو اِس کتاب کی اشاعت کے بعد وجود میں آئے ہیں[۱۸]۔

۶- پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک نے اِس سے پہلے "منہج البحث والتحقیق" لکھی تھی۔ یہ مفید کتاب کئی بار شائع ہوئی[۱۹]۔ اِس کتاب کی الفصل الخامس میں مصنف نے اختیار موضوع البحث اور اِعداد خُطۃ البحث پر اچھی خاصی تفصیل اور بہت مفید رہنمائی پیش کی ہے مگر اس سے زیادہ تفصیل، جدید طریقوں اور مصادر و مراجع کے وسائل پر کلام اپنی کتاب 'تحقیق و تدوین کا طریقہ کار' میں کیا ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

جگہ کی کمی کی وجہ سے اردو زبان وادب میں تحقیقی کام کے لیے معاون کتب کا جائزہ شامل نہیں کیا جا سکا۔ تاہم علوم اسلامیہ میں تحقیقی کام سے متعلق سابقہ کتب کا یہ اجمالی جائزہ واضح کرتا ہے کہ اِن کتابوں نے اپنے دور کے طلبہ کو بہت اچھی رہنمائی پیش کی ہو گی اور عمومی پہلوؤں میں یہ اب بھی مفید ہیں لیکن انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی، اس تک آسانی سے رسائی، معاصر طلبہ کی صورت حال اور مشکلات کو مدِ نظر رکھیں تو اِن کتابوں میں متعدد حوالوں سے کچھ نہ کچھ کمی ہے۔ اِس لئے زیرِ نظر مقالہ تین اہم اور بنیادی سوالات سے بحث کرتا ہے: ۱۔ علوم اسلامیہ میں قابل تحقیق موضوعات کے معاصر میدان اور شعبہ ہائے علوم کیا ہیں؟ ۲۔ اِن میدانوں یا شعبوں سے متعلق قابل تحقیق موضوع کیسے منتخب کیا جائے؟ ۳۔ موضوع منتخب ہو جانے پر اُس کا خاکہ علمی انداز میں کیسے تیار کیا جائے؟ اس طرح یہ مقالہ تین بڑے حصوں میں منقسم ہے اور انہی سے متعلق تفصیلی بحث کرتا ہے۔

تحقیق کے میدان اور موضوع کی نوعیت

قابلِ تحقیق موضوع کے انتخاب سے پہلے اُس کی نوعیت اور طبیعت کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ موضوع کے متلاشی نئے مقالہ نگار اور تحقیق کار کو یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ کس قسم کے موضوع میں رغبت رکھتا ہے؟ کس شعبۂ علم میں اُس کی طبیعت کا میلان پایا جاتا ہے؟ اُس کے نزدیک کس شعبۂ زندگی میں تحقیق کرنی چاہیئے؟ ذاتی اور شخصی ترجیح کے باوجود یہ بات پیش نظر رہے کہ اس نے کونسے علوم سیکھے ہیں کیونکہ تعلیم وتربیت کے مختلف درجات کے نصاب میں جو کچھ اُس نے سیکھا اُس سے باہر کسی موضوع پر مقالہ لکھنا بہت مشکل یا شاید ناممکن ہو گا۔

علوم اسلامیہ کے موجودہ اور مروّج نصابِ تعلیم میں طالب علم کو جو علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں دوران تعلیم انہی پر زیادہ توجہ رہتی ہے اور مقالہ نگار انہی سے متعلق محدود مصادر و مراجع سے گہری واقفیت حاصل کرتا ہے۔ تاریخ کے وسیع و عریض دامن میں پھیلے یہ علوم وفنون اپنے اپنے دائرے میں مزید شعبوں میں بھی تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح اِن علوم وفنون کا ایک طرف ماضی ہے تو دوسری طرف معاصر رُجحانات بھی ہیں۔ اِس لئے

ایک مقالہ نگار کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ وہ اِن علوم کے تاریخی پہلو اور ماضی کی تحقیقات میں دلچسپی رکھتا ہے یا کہ اُن کے معاصر رُجحانات میں سے کسی کو اپنی تحقیق کا میدان بنانا چاہتا ہے؟ موضوع کے انتخاب میں یہ ابتدائی قدم بہت اہم شمار کیا جاتا ہے جسے سوچ سمجھ کر اُٹھانے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔

اِن علوم کی کچھ شاخوں کو درج ذیل جدوَل میں ذکر کیا گیا ہے۔ علوم اسلامیہ کے مقالہ نگار کو سوچنا چاہیئے کہ وہ کس میدان اور شعبۂ علوم میں دلچسپی اور تخصص کا اِرادہ رکھتا ہے؟ جس میں اُس کا میلان ہو اُس سے متعلق کتب وغیرہ مواد پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور متعلقہ شعبہ کے اساتذہ اور محققین سے روابط بڑھانے چاہئیں۔

علوم القرآن	اُصول تفسیر قرآن	تفسیر قرآن
تفسیر بالماثور	تفسیر بالرائے المحمود	تفسیر بالرائے المذموم
اہل القرآن کی تفاسیر	قادیانیوں کی تفاسیر	معتزلہ کی تفاسیر
عربی زبان میں تفاسیر	فارسی زبان میں تفاسیر	اردو زبان میں تفاسیر
فقہی تفاسیر	صوفیانہ تفاسیر	کلامی تفاسیر
مناہج المفسرین	اہل التشیع کی تفاسیر	بلاغی تفاسیر
انگریزی زبان میں تفاسیر	علاقائی زبانوں میں تفاسیر	قرآن کی ادبی، نحوی تفاسیر
قرآن کی سائنسی تفاسیر	برصغیر کا تفسیری ادب	تفسیر موضوعی
دخیل فی التفسیر	اسرائیلیات فی التفسیر	نظم قرآن
لُغاتِ قرآن	قراءاتِ قرآن	استشراق اور قرآن
اُردو تراجم قرآن	فارسی تراجم قرآن	انگریزی تراجم قرآن
علاقائی زبانوں میں تراجم قرآن	اُصول ترجمۂ قرآن	تدوین حدیث
علوم الحدیث	تاریخ الحدیث	عربی زبان میں شروح الحدیث
فارسی زبان میں شروح الحدیث	اسماء الرجال	مناہج تدریس الحدیث
اردو زبان میں شروح الحدیث	مناہج المحدثین	نقد الحدیث
احادیثِ موضوعہ	حجیتِ حدیث	اِنکارِ حدیث
استشراق اور حدیث نبوی	مناہج المستشرقین فی الحدیث	جہود علماء الحدیث فی رد الشبہات

شیعہ محدثین کے مناہج	شیعہ اصول حدیث	شیعی نقد الحدیث
احادیث الاحکام	آیات الاحکام	اصول فقہ
جدید فقہی مسائل	اجتہاد	فقہ حنبلی
فقہ حنفی	فقہ شافعی	فقہ مالکی
فقہ شیعہ امامیہ	فقہ شیعہ اسماعیلیہ	فقہ شیعہ زیدیہ
فتویٰ اور اصول فتویٰ	اردو میں کتب فتاویٰ	عربی میں کتب فتاویٰ
مسلم اقلیات اور فقہ	مقاصد شریعہ	بین الاقوامی اسلامی قانون
مسلم ممالک کا عدالتی نظام	استشراق اور فقہ اسلامی	غیر مسلم اور فقہِ اسلامی
سیرت نگاری کے اصول	عربی میں سیرت نگاری	فارسی میں سیرت نگاری
اردو میں سیرت نگاری	انگریزی میں سیرت نگاری	تحفظ ناموسِ رسالت
سیرت نبوی اور ختم نبوت	شمائل نبوی	معجزات النبی ﷺ
سیرت نبوی کا سیاسی پہلو	سیرت نبوی کا معاشی پہلو	سیرت نبوی کا عسکری پہلو
سیرت نبوی کا سماجی پہلو	فقہ السیرۃ	سیرت نبوی اور نظام تعلیم
سیرت نبوی اور نظام تبلیغ دین	بشارات النبی ﷺ	استشراق اور سیرتِ نبوی
اسلامی معاشیات	اسلامی بینک کاری	اسلام کا نظام تجارت
سودی نظام اور اس کی انواع	اسلامی و غیر اسلامی معاشیات کا تقابل	اسلام کا نظام کفالت
مسلم تاریخ نویسی	اصول تاریخ نگاری	تاریخ نگاری کے رُجحانات
عالم عرب کی اسلامی تاریخ	جنوبی ایشیا کی اسلامی تاریخ	افریقہ میں اسلام کی تاریخ
اندلس کی اسلامی تاریخ	وسطی ایشیا میں اسلام کی تاریخ	یورپ میں اسلام کی تاریخ
شمالی امریکہ میں اسلام کی تاریخ	جنوبی امریکہ میں اسلام کی تاریخ	عدلیہ اور قانون
مسلم۔غیر مسلم جنگیں	مدارس کا نظام تعلیم	سکول کالج میں اسلام کی تدریس
انسانی حقوق	مسلمانوں کے عائلی قوانین	مسلمانوں کے سماجی مسائل
فلسفہ اور منطق	اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ	علم الکلام

مکالمہ بین المذاہب	مذہبی تحریکیں	حقوق نسواں کی تحریکیں
مسلمانوں کا مطالعہ یہودیت	مسلمانوں کا مطالعہ عیسائیت	مسلمانوں کا مطالعہ ہندومت
مسلمانوں کا مطالعہ بدھ مت	مسلمانوں کا مطالعہ جین مت	مسلمانوں کا مطالعہ مجوسیت
مسلم۔ مسیحی تعلقات	مسلم۔یہودی تعلقات	مسلم۔ہندو تعلقات
مسلم۔ سکھ تعلقات	مسلم۔ جین تعلقات	اسلام۔ کنفیوشس ازم تعلقات
مسلم۔ شنٹو تعلقات	مسلم۔بدھ تعلقات	اسلام۔ تاؤمت تعلقات
یہودی اخلاقیات	مسیحی اخلاقیات	ہندو اخلاقیات
سکھ اخلاقیات	جین اخلاقیات	بدھ اخلاقیات
تاؤمت کی اخلاقیات	شنٹو اخلاقیات	کنفیوشس ازم کی اخلاقیات
اسلام اور شنٹوازم	یہود کی مذہبی تحریکیں	شنٹوازم کی تحریکیں
سکھوں کی مذہبی تحریکیں	عیسائیوں کی مذہبی تحریکیں	ہندوؤں کی مذہبی تحریکیں
بدھ مت کی مذہبی تحریکیں	مذہب اور نفسیات	مذہب اور معاشیات
لسانیت و عصبیت	دہشت گردی اور تشدد پسندی	ارتداد اور الحادی رُجحانات
مذہب اور سائنس	فلسفۂ اخلاق	فلسفہ مذہب
بین المذاہب شادیاں	مذہب اور جدیدیت	مذہب اور مابعد الجدیدیت
مذہبی مکالمے اور مناظرے	مذہبی ہم آہنگی	مذہب اور میڈیا
مذہبی اجتماعات اور معاشرہ	معاصر اسلامی فکر	مذہب اور سیکولرازم
معاصر قانون اور شریعت	تصوف اور شریعت[۲۰]	مذہب اور سیاست
تصوف اور سلسلہ قادریہ	تصوف اور سلسلہ سہروردیہ	تصوف اور سلسلہ نقشبندیہ
تصوف اور سلسلہ چشتیہ	مغرب میں تصوف کا رجحان	التصوف المقارن
مسلم فرقے اور مسالک	پاکستان میں تعلیمی پالیسیاں	نصاب تعلیم اور قرارداد مقاصد

علوم اسلامیہ میں تحقیق کے حوالے سے ایک اہم میدان غیر مسلموں کے مطالعات اور تحقیقات ہیں۔ خصوصاً یورپی اور امریکی ممالک میں رہنے والے یہود و نصاریٰ نے تو علوم اِسلامیہ و عربیہ پر اپنی کاوشوں سے کتب

خانوں کو بھر دیا ہے۔ اِس سلسلے میں اُن کے اپنے اَغراض و مقاصد، تغیر پذیر اَہداف اور متنوع مناہج تحقیق ہیں۔ علوم اِسلامیہ میں جس طرح اُنہوں نے ماضی میں ہزاروں کتب لکھیں اسی طرح آج بھی وہ مسلمان فرقوں، مدارس دینیہ، بین المسالک روابط اور بین المذاہب تعلقات، اور معاشرت و سیاستِ مسلمین وغیرہ موضوعات پر تسلسل سے مطالعے کرتے؛ سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد کرتے؛ اور اپنی ترقی اور غلبے کی بقا کے لیے پالیسیاں وضع کرتے ہیں۔ اِس طرح کی بہت سی کاوشوں کو استشراق کا نام بھی دیا جاتا ہے جس کا دائرہ بہت وسیع ہے[۲۱]۔ آج کے مسلمان تحقیق کار اِس طرف متوجہ ہوں کیونکہ اس میدان میں موضوعِ تحقیق منتخب کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ایک اور لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ موضوع کی نوعیت اور طبیعت کبھی انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی بھی۔ مثلاً مذکورہ علوم وفنون میں سے کسی ایک میں مشہور امام یا شخصیت کی خدمات اور تفردات پر تحقیق کرنا موضوع کی انفرادی نوعیت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اگر اِن علوم وفنون کے متعدد آئمہ یا شخصیات کی آراء، اقوال، مذاہب یا خدمات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ موضوع میں وسعت اور اُس کی اجتماعی حیثیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک مقالہ نویس اپنے اغراض و مقاصد کے پیش نظر اِس قسم کا موضوع بھی منتخب کر سکتا ہے۔

علوم اسلامیہ کے طلباء جو نصاب پڑھتے ہیں اُس میں شامل موضوعات کو عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاقیات کے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اُن علوم کی دو قسمیں علوم آلیہ اور علوم عالیہ کے لحاظ سے بھی کی جاتی ہیں۔ اس تناظر میں بھی موضوع کی نوعیت اور طبیعت سمجھی جاسکتی ہے۔ ایک مقالہ نویس اپنی ترجیحات اور میلانات کے پیش نظر اس شعبہ سے موضوع کا انتخاب کر سکتا ہے۔ جو طالب علم مستقبل میں وسیع میدان میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتا ہو تو اُسے معاملاتِ زندگی اور اخلاقیات سے جڑے کسی مسئلے کو اپنی تحقیق کا موضوع بنانا چاہیئے۔

موضوعِ تحقیق اِنسانی زندگی، معاشرے اور قوم کے کسی نہ کسی شعبے یا مسئلے سے جڑا ہوتا ہے۔ اِس لئے موضوع کو منتخب کرنے کے لئے ایک شعبۂ زندگی پر بھی توجہ مرکوز کی جاسکتی ہے۔ مثلاً سیاست و قانون، معیشت و اقتصادیات، نظام معاشرت وخاندان، ادیان و مذاہب، مکالمہ بین المذاہب، نظام تعلیم وتربیت، تعلقاتِ عامہ، بین الممالک والملل روابط، تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب، مختلف مذہبی وغیر مذہبی تحریکات، فیکٹریوں اور انڈسٹریوں کا نظام، نظام زراعت وباغبانی، نظام عدل وانصاف، نظام انتظام وانصرام، وغیرہ۔ دِین اسلام چونکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے اِس لئے علوم اسلامیہ کے ایک مقالہ نویس کا پہلا قدم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور معاشرے کے اِن پہلوؤں اور شعبوں میں تخصص کے لئے کسی مناسب و متعلق مسئلے کو زیر بحث لائے۔

کسی حد تک تحقیق کے مختلف میدان اور شعبہ ہائے علوم وفنون جاننے کے بعد اب آیئے دیکھیں کہ انتخابِ موضوع کے مراحل کیا ہوتے ہیں؟ اِس سلسلے میں کیا طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اور کونسے وسائل ممد ومعاون ہوتے ہیں؟

انتخابِ موضوع کے مراحل، وسائل اور طریقے

چونکہ مقالہ نگاری کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ ایک قابل تحقیق موضوع کا انتخاب ہے لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحقیق کے لیے ایک اچھا موضوع کیسے منتخب کیا جائے؟ موضوع چاہے انفرادی نوعیت کا ہو یا اجتماعی؛ وہ چاہے اُن علوم وفنون میں سے نکلا ہو جو کسی مقالہ نگار کو اُس کی مادرِ علمی نے سکھائے یا اُن سے باہر کا ہو؛ وہ چاہے انسانی زندگی اور قومی یا بین الاقوامی معاشرے کے کسی شعبے سے جڑا ہو، کچھ بھی ہو یہ انتہائی سنجیدگی سے کرنے والا کام ہے۔ یہ کام دراصل انتخابِ موضوع سے پہلے کرنا پڑتا ہے اور موضوع پر عملاً تحقیقی کام شروع کرنے سے کئی سال یا کئی ماہ پہلے کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل طریقے انتخابِ موضوع میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

جس نئے محقق نے تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے وہ مختلف ذاتی کتب خانوں اور عوامی لائبریریوں میں نہ صِرف آمد ورفت رکھتا ہے بلکہ وہاں مہیا کیے گئے مختلف دائرہ ہائے معارف، انسائیکلوپیڈیاز، معاجم، قوامیس، ڈکشنریوں، کتب، رسائل وجرائد، اخبارات، مخطوطات، اشاریہ جات، کتبِ فہارس وغیرہ سے شناسائی پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک انتہائی مفید مشورہ یہ ہے کہ اُن لائبریریوں کے سربراہان بالخصوص لائبریرین اور لائبریری کے عملے سے مخلصانہ دوستی بنانا چاہیئے کیونکہ اس سے بہت سی مشکلات حل ہوتی ہیں؛ وقت بچتا ہے اور کئی پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔ اُن کا تعاون نہ ہو تو تحقیق کا کام آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں دستیاب کتب کی فہرست آج کل انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن بھی مل جاتی ہے۔ مثلاً ہر پاکستانی یونیورسٹی کا ویب سائٹ ایڈریس اور اُن سب کی فہرست ایک جگہ دیکھنا چاہیں تو یہ آپ کو ہائر ایجوکشن کمیشن (HEC) کی ویب سائٹ پر مل سکتے ہیں[۲۲]۔ وہاں سے جس یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر جائیں گے وہاں اُس کی لائبریری کا کیٹالاگ (OPAC) آن لائن ملے گا۔ اُس کیٹالاگ میں تلاش کے ذریعے اپنی ضرورت کی کتب اردو، عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ زبانوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ تلاش کتاب کے نام سے اور مصنف کے نام سے بھی کر سکتے ہیں۔ اِسی غرض سے حکومتِ پاکستان نے آج کل لائق اور قابل تعریف نتائج دکھانے والے طلبہ کو لیپ ٹاپ کمپیوٹر دینے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے تاکہ محنت کرنے اور تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے لئے آسانیاں پیدا ہو جائیں اور وہ کم وقت میں ملکی ترقی کے لیے تحقیقی کام کر سکیں۔

ہائر ایجوکشن کمیشن پاکستان کی ایک اور ویب سائٹ ایسی بھی ہے جس پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تکمیل شدہ مقالہ جات دستیاب ہیں (http://eprints.hec.gov.pk/view/subjects/g18.html)۔ اُن کے کسی ایک باب کو یا پورے مقالہ کو ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔ اُن کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس مختلف قسم کے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ ایچ ای سی نے ایک آن لائن لائبریری (www.digitallibrary.edu.pk) بھی مہیا کی ہے جہاں سے انگریزی زبان میں ہزاروں کتب اور تحقیقی مضامین حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح انٹرنیٹ پر کئی محققین نے اپنے اپنے تخصّصات کے فورم بنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً ملتقی اہل التفسیر (۲۳)، ملتقی اہل الحدیث (۲۴)، ملتقی اہل الفقہ (۲۵)، ملتقی اہل اللغۃ (۲۶)، وغیرہ۔ اِن ویب سائٹوں پر باہم دلچسپی کے موضوعات پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہتا ہے اور متعدد موضوعات پر کام کی تجاویز، رفتار یا نوعیت کی معلومات بھی ملتی ہیں۔ مزید برآں، یہاں متعلقہ لوگ یونیورسٹی سطح پر لکھے گئے 'الرسائل الجامعیہ' یعنی مقالات اور تھیسِز کی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔

اپنے تحقیقی مقالہ کے موضوع کو منتخب کرنے کے لیے عوامی لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں کے علاوہ مدارس اور جامعات کے اندر تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور سکالرز سے ملاقاتیں اور مشورے کر کے بھی اپنی پسند کا موضوع منتخب کیا جاسکتا ہے، بالخصوص ایسے پروفیسر جو کسی تحقیقی ادارے میں کام کرتے ہوں یا ایم اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح کے مقالہ جات کی نگرانی کرتے ہوں وہ چونکہ عملاً تحقیقی کام میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے وہ بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ایسے اہل علم سے ملاقاتیں قابل تحقیق موضوع کے انتخاب میں بہت مفید ہوتی ہیں۔ علوم اسلامیہ سے منسلک علماء اور محققین پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ملتے ہیں اور وہ تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کو نہ صرف اپنا قیمتی وقت دیتے ہیں بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ ایسی ملاقاتوں میں تحقیقی مزاج رکھنے والے طلبہ کی جو فکری تراش وخراش اور تہذیب ہوتی ہے اُس سے اپنی پسند کے موضوع کو منتخب کرنے اور اُس کے مختلف گوشوں کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اُن کے پاس جب جائیں تو ڈائری اور قلم سنبھال کر ادب واحترام سے بیٹھیں؛ بامقصد اور مطلب کے سوالات پوچھیں اور ضروری باتیں لکھتے جائیں۔ ایسے لوگوں کے پاس برائے ملاقات جاتے وقت اگر ایک بڑی یو ایس بی یا ہارڈ ڈسک لے جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ تحقیق کار کو بہت سا جمع شدہ مواد بھی مل جائے؛ اس سے اس کا وقت بچے گا اور ذہنی کوفت سے نجات مل سکے گی۔

اگر یہ جاننا ہو کہ وہ کون پروفیسرز، محققین اور نگرانِ مقالہ ہیں جن سے ایک مقالہ نگار استفادہ کر سکتا ہے اور وہ کہاں ملیں گے۔ تو واضح رہے کہ اُن کے نام، شعبۂ تخصص، ادارہ، فون نمبر اور ای میل ایڈریس کی فہرست ایچ

ای سی کی ویب سائٹ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں[۲۷]۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پاکستانی یونیورسٹیوں کی ویب سائٹ پر جا کر شعبہ علوم اسلامیہ کے فیکلٹی ممبرز کو تلاش کریں۔ وہاں اُن کے نام، علمی کام کی تفصیل، رابطہ کے لیے فون نمبرز اور ای میل وغیرہ اُن کی CV ڈاؤن لوڈ کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔ اس طرح اُن سے رابطہ کرنے سے ایک مقالہ نگار مقالہ لکھنے سے پہلے اور بعد میں استفادہ کر سکتا ہے۔

دُنیا بھر کی طرح پاکستانی یونیورسٹیوں اور بڑے شہروں کے مختلف اداروں میں وقتاً فوقتاً کئی موضوعات پر علمی و تحقیقی سیمینار اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں۔ اُن میں شرکت کرنے سے موضوع کی تلاش میں سرگرداں طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ وہ ایسے سیمینارز اور کانفرنسوں میں نہ صِرف مختلف علوم وفنون کے جدید مسائل اور پہلوؤں سے واقف ہو سکتے ہیں بلکہ اُن میں اپنے مقالات پڑھنے والے محققین سے شناسائی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہاں اُن سے ملاقات اور دلچسپی کے موضوع پر مشورہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اُن سے روابط بعد میں ضرورت کے اوقات میں بہت فائدہ دیتے ہیں۔ اس لئے وقتاً فوقتاً پاکستانی یونیورسٹیوں کی ویب سائٹوں کو دیکھتے رہنا چاہیئے۔ وہاں منعقد ہونے والے سیمینارز اور کانفرنسوں کے اعلان، موضوعات اور انعقاد کی تاریخوں کی تفصیل دی ہوتی ہے۔ وقت نکال کر اُن میں شرکت کرنی چاہیئے۔ اِس سے دلچسپی کے موضوع پر معلومات کو وسیع کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

انٹرنیٹ کی ایک اہم اور معلوماتی ویب سائٹ (www.conferencealerts.com) ہے۔ یہ ایک سال کے دوران دنیا میں کسی بھی ملک میں ہونے والی اہم کانفرنسوں کی اطلاع اور بنیادی معلومات بہت پہلے مہیا کرتی ہے۔ اگر ایک مقالہ نگار کسی ملک میں مختلف شعبوں کی کانفرنسوں کے موضوعات اور انعقاد کی تاریخیں اور مقامات جاننا چاہتا ہو یا کسی ایک میدان اور شعبۂ علوم میں منعقد ہونے والی دُنیا بھر کی کانفرنسوں کی تفصیل جاننا چاہتا ہو تو یہ ویب سائٹ اُسے بنیادی اور ضروری معلومات مہیا کرتی ہے۔ تحقیقی ذہن اور اضطرابی مزاج رکھنے والے لوگ وقتاً فوقتاً اس ویب سائٹ سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے ادارے اپنے سیمینارز اور کانفرنسوں کا ویڈیو ریکاڈ بھی تیار کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض اُن ویڈیوز کو انٹرنیٹ پر بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی تحقیق کار اُن سیمینارز میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکا ہو تو وہ اُن ویڈیوز سے استفادہ کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اکثر ٹی وی چینلز پر دینی، علمی اور تحقیقی پروگرام، مذاکرے اور مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں خبریں مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بہت سے قومی و بین الاقوامی اخبارات ورسائل نے محققین کے استفادے کے لئے گزشتہ کئی سالوں کے اخبار ورسائل ''آرکائیو'' یا ''گزشتہ شمارے'' کے نام سے آن لائن مہیا کیے ہیں۔ انگریزی میں گزشتہ شماروں کو Archive اور عربی زبان میں انہیں

"الأرشیف" یا "الأعداد السابقة" یا "الأعداد الصادرة" بھی کہتے ہیں۔ اُن سے واقفیت اور شناسائی مناسب موضوع کے انتخاب میں بہت فائدہ دیتی ہے۔

اس کے علاوہ کچھ علمی و تحقیقی مجلات کبھی کبھی کسی موضوع یا شخصیت پر اپنے مجلے کا خاص نمبر نکالتے ہیں۔ یہ خاص نمبر بہت مفید اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے کسی موضوع پر تازہ ترین تحقیقات کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ادارہ تحقیقات اسلامی اور دعوۃ اکیڈمی، نزد فیصل مسجد اسلام آباد نے قرآن، حدیث، سیرت اور ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم وغیرہ سے متعلق اپنے مجلے "فکر و نظر" اور "دعوۃ" کے خاص نمبر شائع کیے ہیں[۲۸]۔ تحقیق و تفسیر ویلفیئر ایسوسی ایشن کراچی نے اپنی علمی، فکری، تحقیقی، مجلہ "التفسیر" کے بھی کئی خصوصی اشاعت نمبر نکالے ہیں[۲۹]۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے کلیہ عربی و علوم اسلامیہ نے بھی اپنے علمی و تحقیقی مجلہ "معارف اسلامی" کے نمبر نکالے ہیں[۳۰]۔ ماہنامہ "ضیائے حرم" نے بھی متعدد خصوصی نمبر شائع کیے ہیں[۳۱]۔ ماہناہ "رُشد" لاہور نے تین جلدوں میں علم قراءات نمبر شائع کیا ہے[۳۲]۔ ماہنامہ "محدث" لاہور نے کئی موضوعات پر خصوصی نمبر نکالے ہیں[۳۳]۔ ماہنامہ "العاقب" لاہور نے علامہ فضل حق خیر آبادی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر شائع کیا ہے[۳۴]۔ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور نے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے متعلق ایک خاص نمبر شائع کیا ہے[۳۵]۔ اسی طرح مختلف موضوعات پر مرد و خواتین اِسکالرز کے وہ مقالاتِ سیرت ہیں جو ہر سال وزارتِ مذہبی امور پاکستان اسلام آباد کی طرف سے متعدد جلدوں میں شائع کیے جاتے ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ۲۰۱۳ء تک اس کے سینتیس مختلف موضوعات پر مقالاتِ سیرت شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح بہت سے کالج ایسے ہیں جو اپنا سالانہ میگزین نکالتے ہیں جو بہت معلوماتی اور عمدہ مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس طرح کے خصوصی نمبر ایک محقق کو کسی موضوع کی تازہ ترین صورت حال، متعلقہ محققین، اور ضروری مصادر و مراجع سے روشناس کراتے ہیں۔

مزید بر آں علوم اسلامیہ، تاریخ، قانون، ادب و لسانیات وغیرہ میں باقاعدہ اور مسلسل تحقیق کرنے والے علمی و تحقیقی مجلات ہیں جو ہائر ایجوکیشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے منظور شدہ ہیں۔ اُن کی پی ڈی ایف فارمیٹ میں فہرست ایچ ای سی کی ویب سائٹ پر مہیا کی جاتی ہے[۳۶]۔ مختلف وقفوں سے اس فہرست میں ترمیم و اضافے بھی کیے جاتے ہیں۔ ذیل میں علوم اسلامیہ سے متعلق مجلات کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ کسی موضوع پر معاصر تحقیقات اور افکار سے واقفیت کے بعد ایک قابلِ موضوع منتخب کیا جاسکے۔ اِن کے مدیر صاحبان، رابطہ نمبر، علمی درجہ وغیرہ

کی معلومات ایچ ای سی کی ویب سائٹ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ ان مجلات کا مطالعہ کرنا ہو تو جامعات یا بڑی لائبریریوں سے رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ ان سب کے مقالات ابھی تک آن لائن دستیاب نہیں ہیں۔

مجلہ کانام	ادارہ/یونیورسٹی
Hamdard Islamicus	بیت الحکمت، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی
Islamic Studies	ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، نزد فیصل مسجد، اسلام آباد
سہ ماہی فکر و نظر	ادارہ تحقیقات اسلامی، نزد فیصل مسجد، اسلام آباد
سہ ماہی الدراسات الاسلامیہ	ادارہ تحقیقات اسلامی، نزد فیصل مسجد، اسلام آباد
حولیۃ الجامعہ	کلیۃ اصول الدین، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
ششماہی معیار	انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
ششماہی الاضواء	شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور
ششماہی الایضاح	شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور
ششماہی پشاور اسلامکس	جامعہ پشاور
ششماہی القلم	شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور
ششماہی جہات الاسلام	کلیۃ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور
پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ	اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاؤالدین زکریایونیورسٹی، ملتان
ششماہی التفسیر	تحقیق و تفسیر ویلفیئر ایسوسی ایشن، کراچی
الثقافہ الاسلامیہ	شیخ زید اسلامک سنٹر جامعہ کراچی
ششماہی معارفِ اسلامی	شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
علوم اسلامیہ	اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
ہزارہ اسلامکس	شعبہ اسلامیات، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
الایام	سوسائٹی فار ریسرچ اِن اسلامک ہسٹری، کراچی
معارف مجلۂ تحقیق	ادارہ معارفِ اسلامی، کراچی
مجلۃ القسم العربی	شعبہ عربی جامعہ پنجاب لاہور

سہ ماہی اورینٹل کالج میگزین	کلیہ شرقیہ جامعہ پنجاب، لاہور
سہ ماہی مجلہ تحقیق	کلیہ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
ششماہی بازیافت	شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
سہ ماہی نور معرفت	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد
ششماہی السیرۃ العالمی	سید زوار حسین اکیڈمی ٹرسٹ، کراچی

علاوہ ازیں بہت سے علمی مجلات، جرائد اور رسائل ایسے ہیں جن کے مدیر صاحبان نے اُن کے اشاریے مرتب کر کے شائع کیے ہیں۔ مثلاً ادارہ تحقیقات اسلامی نزد فیصل مسجد اسلام آباد نے اپنے علمی مجلے ''فکر و نظر'' کا اشاریہ دو جلدوں میں شائع کیا ہے[۳۷]۔ ماہنامہ ''فقہِ اسلامی'' کراچی کے مدیر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز نے اپنے اس فقہی مجلے کا اشاریہ شائع کیا ہے، ماہنامہ ضیائے حرم کا بھی ایک ضخیم اشاریہ شائع ہو چکا ہے[۳۸]۔ ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ کا ۱۹۲۰ء سے ۲۰۱۰ء تک کی اشاعتوں کا اشاریہ شائع ہو چکا ہے[۳۹]۔ بصیر پور اوکاڑہ سے شائع ہونے والا ایک وقیع مجلہ ''نور الحبیب'' بھی ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ سال کے آخری مجلے میں شائع کیا جاتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ نے اپنے ہاں ۱۹۵۲ء سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست کتابی شکل میں شائع کی ہے جس میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا جاتا ہے[۴۰]۔ شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے بھی اپنے تحقیقی مقالات کی فہرست ایک کتابچے کی صورت میں شائع کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تعلیمی ادارے اور مجلات ایسے ہیں جن کے اشاریے شائع ہوئے ہیں۔ اِن کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس تحقیقی موضوعات اور محققین کے رُجحانات سے واقف ہو کر اپنے لئے مناسب موضوع منتخب کر سکتا ہے۔

محققین کے لیے جس طرح مجلات، رسائل اور جرائد کے اشاریے بہت مفید ہوتے ہیں اسی طرح ایسی کتب بھی کوئی کم مفید نہیں ہوتی جنہیں کتابیات یا فہرست کہا جاتا ہے۔ مثلاً ''قرآن کریم کے اُردو تراجم: کتابیات''، ''اُردو تفاسیر: کتابیات''، ''احادیث کے اُردو تراجم: کتابیات''، ''پاکستان میں مخطوطات کی فہرستیں: کتابیات''، ''جامع فہرست مطبوعات پاکستان: اسلامیات'' اور ''فہرست قومی نمائش کتب سیرت ۱۹۸۴ء''[۴۱]۔ ان کے علاوہ قومی کتابیات پاکستان ایسی کتاب ہوتی ہے جسے حکومتِ پاکستان محکمہ کتب خانہ جات نیشنل لائبریری آف پاکستان، اسلام آباد کی طرف سے ہر سال شائع کیا جاتا ہے۔ اس کے شمارے آن لائن بھی دستیاب ہیں[۴۲]۔

موضوع کے متلاشی ایک مقالہ نگار کو ایم اے، ایم فل، یا پی ایچ ڈی سطح کے تکمیل شدہ تھیسز دیکھنے چاہئیں۔ اس سے موضوع منتخب کرنے میں بہت مدد ملتی ہے لیکن اُسے پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ جس موضوع کو

بھی ذہن میں لاتا ہے اُس پر تو پہلے ہی کوئی نہ کوئی تھیسس لکھا جاچکا ہے، یا کسی تحقیقی مجلے میں اُس پر مقالات شائع ہو چکے ہیں، یا کسی مصنف رمؤلف کی کتاب آچکی ہے، وغیرہ۔ اِن سب کی موجودگی کے باوجود بھی اُنہی موضوعات کے کسی نہ کسی پہلو پر کام ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی بھی محقق کسی موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وقت بدلتا ہے، حالات نیا رُخ لیتے ہیں، ضروریات، ترجیحات اور تقاضے بدلتے ہیں، آسانیوں کی بجائے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور نئے نئے افکار سامنے آتے ہیں۔ اس دُنیا میں تغیر و تبدل کا یہ مسلسل سلسلہ نئے نئے موضوعات پر تحقیق کی ضرورت اور مواقع پیدا کرتا ہے۔

اِس سارے عمل اور سرگرمیوں کے دوران ایک مسلمان مقالہ نگار کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں کا سید و سردار بنانے کے باوجود آپ کو حکم دیا کہ وہ ﴿رَبِّ زِدْنِی عِلماً﴾(۴۳) کی دُعا کیا کریں۔ اگر تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم رکھنے والے ہمارے آقا کو رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو اُن کے وارث علماء کو حصول علم، وُسعتِ معلومات اور تحقیق کے بعد معاشرے میں مطلوب کردار ادا کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری پہچاننی اور سخت محنت کا عادی بننا چاہیئے۔

موضوع کا خاکہ اور اُس کی اہمیت

ایک محقق کسی نہ کسی طریقے سے جب قابلِ تحقیق موضوع منتخب کر لیتا ہے تو اُس کا اگلا قدم اُس موضوع کا ایک علمی خاکہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ قابل قدر مقالہ مقررہ مدت کے اندر مکمل کرنا ایک محقق کی منزل ہے تو اُس موضوع کا خاکہ جسے عربی میں خطۃ البحث اور انگریزی میں (Synopsis) یا (Research Proposal) کہتے ہیں اُس منزل تک کامیابی سے پہنچنے کا راستہ ہے۔ جس مسافر کو اپنی منزل کے راستے کا علم نہ ہو یا جو اپنی منزل کے راستے کو اچھی طرح نہ جانتا ہو وہ دوران سفر کبھی بھولتا ہے، کبھی بھٹکتا ہے، مناسب سواری کی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے وہ کبھی آگے کی بجائے پیچھے چلا جاتا ہے اور کئی قسم کی پریشانیوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ یہی حال اُس مقالہ نگار کا ہوتا ہے جس کے تحقیقی مقالے کا خاکہ اچھی طرح واضح نہ ہو۔

کسی موضوع پر ایک مناسب خاکہ کے بغیر کام شروع کرنا ایسا ہے جیسے کسی سوچے سمجھے اور معقول نقشے کے بغیر مکان کی تعمیر شروع کر دینا۔ اچھی طرح غور و خوض کیے بغیر ایک معمار سکول کی بجائے ہسپتال کی عمارت یا ایک رہائشی کوٹھی یا مسجد و مدرسہ کی بجائے ریلوے اسٹیشن کی عمارت بنا سکتا ہے۔ اگر کوئی معمار اصل لمبائی، چوڑائی، اونچائی اور استعمال ہونے والے مواد کی اصلیت یا پختگی جانے بغیر دریا پر پُل تعمیر کرنا شروع کر دے تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ایک تحقیقی مقالہ نگار کا ہو سکتا ہے جو ایک واضح خاکہ کے بغیر کام شروع کر دیتا ہے۔

علوم اسلامیہ میں سنجیدہ تحقیق جہاد بالقلم کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ایک مجاہد اپنے جہاد کی اہمیت، اسباب، حدود، اپنی صلاحیت ورسائی، طریقۂ جہاد کو اچھی طرح جانے پہچانے بغیر جہاد شروع نہیں کر سکتا۔ ایک تحقیقی مقالہ نویس کا کام کافی حد تک مجاہد فی سبیل اللہ سے مماثل ہے۔ لہٰذا خوش کُن نتائج اور مطلوبہ جہات میں مثبت ترقی و تبدیلی کا کام ایک اچھی منصوبہ بندی ہی سے شروع کرنا چاہیئے۔

نئے تحقیق کار اور مقالہ نگار چاہے مدارس کے ہوں یا جامعات کے جب وہ اپنے موضوع کا خاکہ بناتے ہیں تو اکثر کو یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ انہیں کرنا کیا ہے؟ کتنا کرنا ہے؟ کہاں کرنا ہے؟ کیوں کرنا ہے؟ کب کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے؟ یہ حالت اکثر ایسے مقالہ نگاروں کی ہوتی ہے جو اپنا موضوع خود منتخب کرنے کی بجائے کسی اور سے بنا بنایا موضوع اور خاکہ لے لیتے ہیں۔ اَیسے تجربات کی بنا پر ذیل میں قابل تحقیق موضوع کے علمی خاکہ کی تیاری، اُس کے عناصر اور اُن کی وضاحت پیش کی جاتی ہے تاکہ بحث و تحقیق کے دوران کوئی بڑی اُلجھن پیش نہ آئے۔

خاکہ کے عناصر عشرہ

منتخب موضوع پر علمی انداز میں اور بغیر کسی فکری یا ذہنی انتشار کے تحقیقی کام کرنے کے لیے موضوع کا خاکہ درج ذیل دس عناصر میں تیار کرنا چاہیئے۔ اِس سے ایک طرف خود محقق پر اُس کا کام بالکل واضح ہوتا ہے تو دوسری طرف اُس موضوع پر مناسب مشورہ دینے والے کے لیے بھی بڑی آسانی ہوتی ہے کہ وہ محقق کو کیا بتائے اور کیا نہ بتائے۔ اِس طرح دونوں کا وقت بچتا ہے، ملاقات بامعنی ہو جاتی ہے اور مقالہ پر کام لازماً آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے ذیل میں بیان کیے گئے ہر عنصر کو اچھی طرح سمجھنا اور انہیں علمی انداز میں پیش کرنے کی مشق کرنی چاہیئے۔

ا۔ موضوع کا تعارف

خاکہ کا سب سے پہلا عنصر موضوع کا تعارف ہے۔ مقالہ نگار اپنے منتخب موضوع پر کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ اُس کے کس پہلو کو زیر تحقیق لانا چاہتا ہے؟ موضوع کا کونسا مسئلہ تحقیق طلب ہے؟ وغیرہ۔ اِس قسم کے سوالات کا جواب جب تک محقق صفحۂ قرطاس پر نہ لائے نہ تو خود اُس پر کام کی جہت، وُسعت اور گہرائی واضح ہوتی ہے اور نہ موضوع منظور کرنے والے بورڈ پر اور نہ ہی کسی مشورہ دینے والے پر۔ اِس لیے مقالہ نگار کو اپنے موضوع کو متعارف کروانے کے لیے کم از کم دو مناسب پیراگراف میں موضوع کا عمومی اور خصوصی تعارف کروانا چاہیئے۔ عمومی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ موضوع علوم وفنون کے وسیع تناظر میں کیا معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ اور خصوصی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ محقق یا مقالہ نگار موضوع کے کس پہلو میں کیا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقالہ میں وسیع و عریض موضوع کے کس مسئلے کو زیر بحث لایا جائے گا۔

۲۔ موضوع کی اہمیت

مقالہ نگار نے اپنے منتخب موضوع پر کام کے دوران اپنا قیمتی وقت صرف کرنا ہوتا ہے، اُس پر اُس نے اپنا روپیہ پیسہ خرچ کرنا ہوتا ہے، اِس سلسلے میں اُسے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوتی ہیں اور مشوروں کے دوران دوسرے کئی اہم لوگوں کا وقت بھی لینا ہوتا ہے۔ اِس لیے موضوع اَیسا ہو جو بہت اہم ہو۔ موضوع ایسا ہو جس پر تحقیقی کام سے کسی ادارے، تنظیم، معاشرے، قوم یا ملک کا کوئی نہ کوئی مسئلہ حل ہو یا کسی فرد، ادارے، معاشرے، قوم اور ملک کی کسی نہ کسی طرح ترقی متوقع ہو۔

جس طرح موضوع کے تعارف میں اُس کے عمومی اور خصوصی دو پہلوؤں کا تعارف کروایا جاتا ہے اِسی طرح اُس کی اہمیت کے بھی کم از کم دو پہلو ہیں۔ لہٰذا مقالہ نویس کو اپنے موضوع کی عمومی تناظر میں اہمیت واضح کرنی چاہیئے اور اِس کے ساتھ یہ بھی واضح کرنا چاہیئے کہ موضوع کے جس پہلو یا مسئلے کو وہ مخاطب کر رہا ہے وہ کتنا اہم ہے؟ اِس کے لئے دو الگ الگ پیراگراف میں چار پانچ نکات لکھنے چاہئیں جن سے موضوع کی اہمیت واضح ہو جائے۔

۳۔ اَسباب اختیارِ موضوع

خاکہ کے اِس عنصر کے تحت مقالہ نویس اختصار کے ساتھ اُن اُمور کا ذکر کرتا ہے جن کی وجہ سے اُس نے یہ موضوع منتخب کیا ہے۔ یہ اُس کی ذاتی ترجیحات بھی ہو سکتی ہیں، یہ کسی کی ترغیب کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، یہ انتخاب مستقبل کے کسی منصوبے کے پیش نظر بھی ہو سکتا ہے، یہ انتخاب ماضی کے کسی نامکمل کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے بھی ہو سکتا ہے، یہ کسی ضروری اور اہم مسئلے کے حل کی تلاش کے پیش نظر بھی ہو سکتا ہے، کسی بڑے کام یا پروجیکٹ کو شروع کرنے سے پہلے ایک ابتدائی تحقیقی سروے بھی ہو سکتا ہے اور اس کا باعث کسی قوم کے دوسری قوم کے ساتھ تنازع کو ختم کرنے اور اُس کے متعدد حل تلاش کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ اِس کا سبب کسی مسئلے کے ایسے جوابات ہو سکتے ہیں جو باہم متضاد و مخالف ہوں اور لوگ اُلجھن میں پڑے ہوئے ہوں۔ اِس کا سبب کسی مسئلے کا ایسا جواب ہو سکتا ہے جس کی صحت میں مقالہ نویس کو گہرا شک ہو۔ مختصر یہ کہ محقق یہ واضح کرے کہ اُس نے یہ موضوع کیوں منتخب کیا ہے؟ اِس سلسلے میں لازماً چار پانچ معقول اور علمی اسباب کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ موضوع پر تحقیق کے اہداف

خاکہ کا تیسرا اہم عنصر موضوع پر تحقیق کے اہداف کی تشریح و توضیح ہے۔ عملی زندگی میں مشغول محققین کے نزدیک ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ یعنی تحقیق و ترقی ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ جس تحقیق سے کوئی ترقی نہ ہو اُسے تحقیق شمار نہیں کیا جاتا۔ مقالہ نگار یہ واضح کرے کہ جب اُس کے موضوع پر تحقیق مکمل ہو جائے گی تو اُس

کے ملک، قوم، ادارے، معاشرے یا خود مقالہ نگار میں سے کس کس کو کیا کیا حاصل ہو گا؟ صاف عبارت اور غیر مبہم الفاظ میں مقالہ نویس اپنے منتخب موضوع اور اُس پر تحقیق کے مقاصد بیان کرے۔ اِس سلسلے میں کم از کم پانچ معقول اور قابل قبول اہداف پُر کشش اور دلچسپ لفظوں میں بیان کیے جائیں۔

۵۔ موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ

کسی بھی موضوع پر تحقیق کا اصل ہدف دراصل کوئی نئی چیز پیش کرنا ہوتی ہے نہ کہ تکرار اور نقل محض۔ چونکہ تحقیق کا مقصد ترقی ہے اس لیے معلوم ہونا چاہیئے کہ تکرارِ معلومات اور نقلِ عبارات سے کوئی علمی، فکری یا مادی ترقی نہیں ہوتی۔ اِس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ لینا بہت ضروری اَمر ہے۔ جب تک سابقہ کام کا اچھی طرح جائزہ نہ لیا جائے نیا کام کرنے کی جگہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے سابقہ کام کا جائزہ موضوع کے خاکے کا بہت اہم عنصر ہے۔ عملاً یہ وہ کام ہے جو خاکہ لکھنے سے بھی پہلے کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر موضوع یا مقالہ کے عنوان کی عبارت صفحۂ عنوان پر لکھی جاتی ہے۔ اس عنصر میں مقالہ نویس اُن کتب، تحقیقی مقالات، مضامین، سیمینارز، کانفرنسیں، مذاکرے، مباحثے، اخباری کالم، وغیرہ کا ذکر کرتا ہے جن کا موضوع سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اگر سابقہ کام جو مذکورہ صورتوں میں دستیاب ہوتا ہے کی تعداد اور مقدار بہت زیادہ ہو تو بہت اہم دس بارہ کتب وغیرہ کا تعارف کروایا جائے۔

سابقہ کام کا جائزہ اِس طرح لکھا جائے کہ ایک طرف تو موضوع منظور کرنے والا بورڈ یہ جان لے کہ مقالہ نویس اپنے موضوع سے متعلق علمی کام کو مطلوبہ حد تک جانتا ہے۔ دوسری طرف جائزہ قلم بند کرتے وقت ایسا اُسلوب اختیار کیا جائے جس سے واضح ہو کہ مقالہ نویس کا کام سابقہ کام کی تکرار یا نقل محض نہیں بلکہ موضوع کے وہ گوشے ہیں جو سابقہ محققین اور مصنفین کی تالیفات و تحقیقات میں نہیں آ سکے یا اُن کے دور میں اِس کی چونکہ ضرورت نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس طرف نہ تو کوئی توجہ دی اور نہ کوئی رائے دی۔ اُس کمی اور خلا کو یہ محقق پورا کرے گا۔ اس طریقے سے مقالہ نویس کا کام چھَپانے کا ہو گا چھُپانے کا نہیں۔ جو مقالہ نویس اپنے مقالہ کو سابقہ مصادر و مراجع سے نقول اور اقتباسات سے بھر دیتے ہیں نہ اصل مصنف کا حوالہ دیتے ہیں اور نہ اپنی طرف سے کوئی قابل ذکر سوچ و فکر اور رائے کو شامل کرتے ہیں اُن کا کام فقط جمع المواد یا علمی و ادبی سرقہ شمار ہوتا ہے[۴۴]۔ آج کل ادبی و علمی سرقہ ایک قابل سزا جرم ہے۔

علمی سرقہ سے شاید وقتی فائدہ حاصل ہو جائے مگر کچھ عرصہ بعد ضرور ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ سرقہ بازی کو اپنی تحقیق بتانے والے مقالہ نویسوں کو بہت شرمندگی اور بعض اوقات غیر متوقع نقصان برداشت کرنا پڑتا

ہے۔ اسی وجہ سے بعض اعلیٰ عہدیداروں کے عہدے، مراعات اور سہولیات واپس لے لی جاتی ہیں۔ بعض کو عدالتوں میں مقدمات کی پیروی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عملی زندگی میں صرف لائق، قابل اور تخلیقی صلاحیت رکھنے والے اہل علم کی عزت اور قدر منزلت ہوتی ہے اس لئے مقالہ میں نقل محض اور تکرار معلومات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اِس حقیقت سے استدلال نہ کیا جائے کہ دوسرے بھی ایسا کر رہے ہیں۔ ایک مقالہ نگار سابقہ کام کا جتنا زیادہ مطالعہ کرے گا اور اُس کا جائزہ لے کر اپنے عنوان کی نوک پلک سنوارے گا اتنا ہی آسانی ہو گی۔ اِس طریقے سے وہ اُس موضوع پر اتھارٹی اور سند سمجھا جائے گا؛ لوگوں کے نزدیک وہ ایک با اعتماد فاضل اور محقق و مستند اِسکالر شمار ہو گا۔ اس لئے وہ اس کی طرف رہنمائی کے لیے رجوع کریں گے۔

ایک عرب استاد نے قابل قدر تحقیق کو نَملہ اور نَحلہ یعنی چیونٹی اور شہد کی مکھی کے کام کی مثال سے سمجھایا ہے۔ چیونٹی مختلف جگہوں کا سفر کرتی ہے؛ موسم کی صعوبتیں برداشت کرتی ہے؛ راہ گیروں کے پیروں تلے بھی کچلی جاتی ہے پھر بھی اپنا کام جاری رکھتی ہے اور اپنے کھانے کی متعدد اشیاء تلاش کر کے اپنے بِل میں جمع کر کے رکھ دیتی ہے مگر اُس کے عمل سے کوئی نئی چیز سامنے نہیں آتی۔ گویا اُس نے صرف مواد جمع کیا ہے۔ اس کے برعکس شہد کی مکھی کی جِد و جُہد تلاش و تحقیق ہے۔ وہ بھی جگہ جگہ کا سفر کرتی ہے؛ وقت لگاتی ہے؛ ایک ایک پھول کی نہ صرف زیارت کرتی ہے بلکہ اُس سے اخذ فیض کرتی ہے؛ ہر جگہ کے پھول اور اُن کا رس مختلف ہوتا ہے؛ اُن کا ذائقہ اور رنگ مختلف ہوتا ہے؛ وہ اُن سب کو اپنے چھتے میں جمع کرتی ہے اور جمع شدہ مواد پر اِس انداز سے محنت کرتی اور اپنی مثبت سوچ و تخلیقی فکر سے اُس پر اِس انداز سے اثر انداز ہوتی ہے کہ جمع شدہ رس چاہے وہ پھیکا تھا یا ترش، کڑوا تھا یا بے ذائقہ سب ایک لذیذ شہد میں ڈھل جاتا ہے جسے ہر کوئی حاصل کرنے کی کوشش اور کھانے کی خواہش کرتا ہے۔ چیونٹی کے جمع شدہ مواد کی طرف کوئی انسان یا جانور توجہ نہیں کرتا۔ وہ زمین پر اُس کے بل ہی میں رہتا ہے۔ اُس کا فائدہ بہت محدود ہوتا ہے۔ جبکہ شہد کی مکھی کے کام کا نتیجہ دور و نزدیک تک پہنچتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اُس کی تعریف کی گئی ہے۔ اس مثال سے حقیقی اور غیر حقیقی تحقیق کے درمیان فرق اور اُن کے نتائج کی اِفادیت اور حدود کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اِس لئے ایک مقالہ نگار کو اسی جگہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ نملہ نہیں نحلہ کی طرح علمی فضاؤں کا مسافر بنے گا۔ غالباً حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

بِقَدَرِ الْكَدِّ تكتسبُ الْمَعَالى	ومن طلب العلا سَهَرَ اللَّيَالى
وَمَنْ رَامَ الْعُلَا مِن غَيرِ كَدٍّ	أَضَاعَ الْعُمرَ فِى طَلَبِ الْمحَال
تَرُومُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلاً	يَغُوصُ الْبَحرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلى

دینی موضوعات پر کام کرنے والے مقالہ نگاروں کو بعض اساتذہ کے مطابق المکتبۃ الشاملۃ سے کام شروع کرنا چاہیئے۔ اڑتالیس، چوہتر اور ایک سو پچاس جی بی حجم کا مکتبہ شاملہ آج کل طلبہ کے درمیان مروّج ہے۔ اس میں کتب کی اکثریت پی ڈی ایف فارمیٹ میں بھی ہے۔ تفسیر، علوم القرآن، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، شروح حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، فقہ، اصول فقہ، فقہ مذاہب اربعہ، اخلاقیات، بلاغت، معاجم، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، تاریخ، ادب عربی، وغیرہ علوم سے متعلق اس میں شامل بہت سی کتب اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے ہیکل میں مزید عربی کتب کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

اردو و فارسی زبان کی آن لائن لائبریریاں

اگر ایک مقالہ نگار اپنے منتخب موضوع پر کام کرنے کے لیے مواد اردو و فارسی زبانوں میں میں حاصل کرنا چاہتا ہو تو اُسے انٹرنیٹ کئی مختلف لائبریریاں ملتی ہیں۔ مثلاً اس جدول میں مذکور لائبریریاں ملاحظہ فرمایئے۔

المکتبہ المجددیہ	www.maktabah.org/aa/urdu-books
کتاب و سنت لائبریری	/http://kitabosunnat.com/kutub-library
اسلامک ریسرچ لائبریری	http://urdu.irlpk.com/
اسلامی کتابیں	http://books.ahlesunnat.net
اسلامک لائبریری	http://library.faizaneattar.net
اسلامک لائبریری	www.minhajbooks.com
نفس اسلام لائبریری	www.nafseislam.com
معرفت لائبریری	www.marfat.com
اہل حق ای لائبریری	http://ahlehaq.org/
اسلامی کتابیں	www.khanqah.org/books/
اسلام اور عیسائیت لائبریری	http://only1or3.com
ختم نبوت لائبریری	www.khatmenabowat.com
اردو ویب ڈیجیٹل لائبریری	www.urdulibrary.org/
علامہ اقبال سائبر لائبریری	www.iqbalcyberlibrary.net/en/

ملت لائبریری	http://millat.com/
اردو کی برقی کتابیں	http://kitaben.urdulibrary.org/
اسلامک ریسرچ سنٹر، حیدر آباد، انڈیا	http://islamicrch.org/
ابو الحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، انڈیا	www.ziaislamic.com/default.php

یہ ایسی ویب سائٹیں ہیں جس پر تفسیر، علوم القرآن، حدیث، سیرت، تصوف، فقہ، اسلام اور عیسائیت، ختم نبوت، منطق، مناظرہ، فلسفہ وغیرہ علوم وفنون سے متعلق ہزاروں کتب مفت ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہیں۔ یہاں پاک وہند وغیرہ کے علماء کی کتب اَصل شکل میں دستیاب ہیں۔ ایک مقالہ نگار اِن آن لائن لائبریریوں سے اپنے موضوع سے متعلق کتب کا مطالعہ کر سکتا ہے اور پھر سابقہ کام کا جائزہ لے کر اپنے موضوعِ تحقیق کو آخری شکل دے سکتا ہے۔

دینی صحافت کے جرائد

بعض موضوعات پر تازہ ترین تحقیقات، آراء واقوال پر محققین اور علماء کے رُجحانات علمی مجلات میں شائع ہونے والے مقالات ومضامین کے ذریعے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اردو زبان میں شائع ہونے والے چند آن لائن مجلات کے نام اور کی ویب سائٹیں درج ذیل جدول میں پیش ہیں۔ یہ مجلات دینی صحافت شمار ہوتے ہیں۔ اِن میں کئی دفعہ ایسے اداریے یا مضامین شامل ہوتے جو کسی قابل تحقیق موضوع کا پتا دیتے ہیں۔ اِن کی مدد سے نئے نئے مذہبی رُجحانات پر تحقیقی موضوع مل سکتا ہے۔

ماہنامہ، اشرفیہ، مبارک پور، انڈیا	http://aljamiatulashrafia.org/monthly_ashrafia.php?lang=UR
ماہنامہ، سُنی دعوتِ اسلامی، ممبئی انڈیا	www.sunnidawateislami.net/literature/magazine.php
ماہنامہ، جام نور، دہلی انڈیا	www.khushtarnoorani.in/articles/
ماہنامہ، سُنی آواز، ناگ پور انڈیا	www.sunniawaz.com/category/monthly/
ماہنامہ، اعلیٰ حضرت، بریلی انڈیا	www.ala-hazrat.org/106agazine.html
ماہنامہ، المظہر، کراچی	www.almazhar.com/
ماہنامہ، مصلح الدین، کراچی	http://mahnama.ahlesunnat.net/
ماہنامہ، مصطفائی نیوز، کراچی	www.mustafai.net/mustafai_news.php

ماہنامہ، تحفظ، کراچی	http://tahaffuz.com/
ماہنامہ، منہاج القرآن، لاہور	www.minhaj.info/mag/index.php
ماہنامہ، دختران اسلام، لاہور	www.minhaj.info/di/index.php?mod=mags
سہ ماہی، العلماء، لاہور	www.minhaj.info/ulama/index.php?mod=mags
ماہنامہ، آواز اہل سنت، گجرات	http://ahlesunnat.info/magazine/index.htm
ماہنامہ، دلیل راہ، لاہور	www.daleelerah.info/#
ماہنامہ، سیدھا راستہ، لاہور	www.seedharastah.com/seedha.php
ماہنامہ، سلطان الفقر، لاہور	www.tehreekdawatefaqr.com/sf/multimedia/eng/magazine.html
ماہنامہ، رضائے مصطفٰے، گوجرانوالہ	http://raza-e-mustafa.blogspot.com/
ماہنامہ، ترجمان القرآن، لاہور	http://tarjumanulquran.org/
ماہنامہ ندائے اعتدال، انڈیا	www.nadwifoundation.org/index.php/magazine
ماہنامہ دار العلوم دیوبند	www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine/new/index.php
ماہنامہ، الفرقان، لکھنؤ	www.taubah.org/Al-furqan/
ماہنامہ، پیام عرفات، بریلی	www.abulhasanalinadwi.org/payam_13.html
سہ ماہی شعور و آگہی، لاہور	www.rahimia.org/shaoor-o-agahi
سہ ماہی تحقیقات اسلامی، انڈیا	www.tahqeeqat.net/issues.asp
ماہنامہ، رحیمیہ، لاہور	www.rahimia.org/rahimia-magazine
ماہنامہ، لولاک، ملتان	www.laulak.info/MLAULAK/laulak.htm
ماہنامہ، الاحسن، لاہور	www.jamiaashrafia.org/alhassan_magazine.html
ہفت روزہ، ختم نبوت، کراچی	www.khatm-e-nubuwwat.info/
ماہنامہ، الشریعہ، گوجرانوالہ	www.alsharia.org/
ماہنامہ، فقیہ، سرگودھا	http://ahnafmedia.com/monthly-al-faqeeh

سہ ماہی، قافلہ حق، سرگودھا www.ahnafmedia.com/component/k2/itemlist/category/168-qafla-e-haq-magazine	
ماہنامہ، محدث، لاہور	http://magazine.mohaddis.com/
ماہنامہ، البلاغ، کراچی	http://albalagh.deeneislam.com/
ماہنامہ، البینات، کراچی	www.banuri.edu.pk/ur/bayyinat
میثاق، حکمت قرآن، لاہور http://data.tanzeem.info/BOOKS/Magzine/2010/index.html	
ماہنامہ، الدعوۃ الی اللہ۔	www.addawa.com/allmag.htm
ماہنامہ اشراق، لاہور	www.al-mawrid.org

اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے رسائل ایسے ہیں جن کی اپنی ویب سائٹ ابھی تک شاید نہیں بنی۔ مثلاً **السعید** ملتان، **فقہ اسلامی** کراچی، **معارف رضا** کراچی، **متاع کاروان** بہاولپور، **فیض عالم** بہاول پور، **انوار الفرید** ساہیوال، **نور الحبیب** بصیر پور، **ضیائے حرم** لاہور، **سوئے حجاز** لاہور، **عرفات** لاہور، **النظامیہ** لاہور، **جہان رضا** لاہور، **البرھان** واہ کینٹ، **دعوت تنظیم الاسلام** گوجرانوالہ، **الجامعہ** جھنگ، **کاروانِ قمر** کراچی، **نوید سحر** مانسہرہ، وغیرہ۔

مزید برآں: **الحق** اکوڑہ خٹک، **الخیر** ملتان، **حق چار یار** لاہور، **الحامد** لاہور، **تعلیم القرآن** راولپنڈی، **العصر** پشاور، **الفاروق** کراچی، **تعمیر افکار** کراچی، **مکالمہ بین المذاہب** لاہور، سہ ماہی **ایقاظ** لاہور، **طلوع اسلام** لاہور، **دعوۃ** اسلام آباد، سہ ماہی **حکمت قرآن** لاہور، سہ ماہی **تعلیمی زاویے** اسلام آباد، سہ ماہی **الاقرباء** اسلام آباد، وغیرہ۔

اسی طرح **ترجمان الحدیث** فیصل آباد، **الحرمین** لاہور، **رشد** لاہور، **اسوہ حسنہ** کراچی، **نداء الجامعہ** کراچی، **صحیفہ اہل حدیث** کراچی، **الاعتصام** لاہور، **الحدیث** لاہور، **حدیبیہ** کراچی، وغیرہ۔ ان کو دیکھنے سے بھی مناسب عصری موضوع منتخب کرنے سے بہت مدد مل سکتی ہے۔

اِنسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (IPS) اسلام آباد کی طرف سے اِن مجلات کے مطالعے، جائزے اور اِن کے افکار میں نئے رُجحانات کی نشاندہی کرنے والا ایک جریدہ "دینی صحافت" کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔ وہ بوجوہ بند ہوا تو کچھ عرصہ بعد اسی نوعیت کا ایک جریدہ "مباحث" شروع کیا گیا۔ اِنسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا ایک جریدہ "نقطۂ نظر" بھی ہے جس میں نئی کتابوں پر تبصرے شائع ہوتے ہیں۔ ان کا کچھ تعارف آئی پی ایس کی ویب سائٹ پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ نئے اور مصروفِ عمل مقالہ نگاروں کے لیے اِن کا مطالعہ بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔

پاکستان میں اردو، عربی، انگریزی اور علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والے مجلات، جرائد اور رسائل کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے والی لائبریری نیشنل لائبریری آف پاکستان، نزد وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد ہے۔ اس کا آن لائن کیٹالاگ بھی ہے۔ یہاں استفادہ کا بہترین موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

عالم عرب کے مجلات و جرائد

اردو زبان میں ان چند مجلات و رسائل کے ذکر کے بعد اب عالم عرب کے چند مجلات کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ اگر کوئی مقالہ نگار پاک و ہند سے باہر عالم عرب کے اِسلامی اداروں میں جاری علمی و تحقیقی رُجحانات سے واقفیت حاصل کرنا چاہے تو اُس کے لئے آسانی ہو جائے۔

مجلہ ،الاحیاء، المملکة المغربیة	www.alihyaa.ma/Default.aspx
مجلة الواضحة، الرباط	http://edhh.org/alwadiha/index.php
مجلة جامعة أم القرى	https://uqu.edu.sa/page/ar/182549
مجلة البحوث والدراسات القرآنية	http://jqrs.qurancomplex.gov.sa/
مجلة جامعة أم القرى لعلوم اللغاتو آدابها	http://uqu.edu.sa/page/ar/1061
مجلة المعهد المصرى للدراسات الاسلامية	http://wadod.net/bookshelf/category/12
مجلة الجامعة الإسلامية بغزة	www2.iugaza.edu.ps/ar/periodical
مجلة آفاق التراث والثقافة	http://wadod.net/bookshelf/category/35
مجلة مجمع اللغة العربية – مصر	http://wadod.net/bookshelf/category/8
مجلة الفقه والقانون	https://sites.google.com/site/marocsitta/home
مجلة الشريعة والقانون، جامعة الإمارات	http://sljournal.uaeu.ac.ae/prev_issues.asp
مجلة العدل، السعودية	http://adl.moj.gov.sa/archive.aspx
المجلة القضائية، السعودية	http://adl.moj.gov.sa/Alqadaeya/archivep.aspx
مجلة الدارة، السعودية	www.darah.org.sa/Resources/Magazine/Pages/1435161.aspx
مجلة العلوم الشرعية، السعودية	www.csi.qu.edu.sa/Magazine/Pages/default.aspx
مجلة الجامعة العراقية	http://aliraqia.edu.iq/publications/mabda

مجلة جامعة كربلاء www.iasj.net/iasj?func=issues&jId=177&uiLanguage=ar
مجلة الحجاز العالمية http://alhijaz-international-journal.com/ar/index.php?pa=issues
مجلة الدراسات الإسلامية والعربية بدبي www.wadod.org/vb/showthread.php?t=5540
المجلة الزيتونية http://waqfeya.com/category.php?cid=140
مجلة إسلامية المعرفة http://eiiit.org/resources/eiiit.asp
مجلة تبيان للدراسات القرآنية www.alquran.org.sa/main/
مجلة العلوم الاقتصادية والقانونية، دمشق www.damascusuniversity.edu.sy/mag/law/
مجلة الجنان، لبنان www.jinan.edu.lb/main/index.php?id=aljinanar
مجلة جامعة المدينة العالمية ، ماليزيا http://magazine.mediu.edu.my/
مجلة كلية العلوم الاسلامية، بغداد http://repository.uobaghdad.edu.iq/ArticleShow.aspx?ID=25
مجلة الدراسات الدولية www.iasj.net/iasj?func=issues&jId=40&uiLanguage=ar
مجلة جامعة القدس المفتوحة www.qou.edu/arabic/index.jsp?pageId=208
مجلة جامعة فلسطين http://research.up.edu.ps/Versions_M
مجلة جامعة ابن رشد www.averroesuniversity.org/au/index.php
مجلة العلوم التربوية والنفسية، بحرين www.uob.edu.bh/pages.aspx?module=pages&id=1564&SID=434
مجلة الدراسات العقدية، مدينة منورة http://aqeeda.org/container.php?fun=bookmaincat&cat=mag
مجلة العلوم الانسانية، فلسطين www.hebron.edu/index.php/ar/jour-hum
مجلة الوعي الإسلامي، كويت www.alwaei.com/site/index.php/archive
مجلة الأندلس للعلوم التطبيقية، صنعاء www.andalusuniv.net/issues-magazine.php

مجلة العلوم الحديثة والتراثية	www.jmsh.eu/news.php?action=list&cat_id=15
مجلة الجامعة الأسمريّة، ليبيا	www.asmarya.edu.ly/magazine/magazine.htm
مركز دراسات الوحدة العربية، ليبيا	www.caus.org.lb/Home/magazine_categories.php
المجلة الأردنية في الدراسات الإسلامية	http://web2.aabu.edu.jo/Islamic/
مجلة جامعة الوادی	www.univ-eloued.dz/index.php/home/29-univ/univ-5/236-2014-02-23-10-06-07
مجلة المجمع الفقهي، مكة المكرمة	www.themwl.org/Publications/default.aspx?ct=1&cid=14&l=&pg=1
مجلة البلقاء، جامعة عمان الأهلية	www.ammanu.edu.jo/ar/graduatestudy/pages/balqapublictions.aspx?row=1
مجلة الشريعة والدراسات الإسلامية ـ جامعة الكويت	www.pubcouncil.kuniv.edu.kw/jsis/homear.aspx?id=8&Root=yes

علوم اسلامیہ و عربیہ کے متداول نصابِ تعلیم سے طلبہ کو عربی ادب بالخصوص عربی شاعری سے آگاہی ہوتی ہے۔ اگر کوئی مقالہ نویس اس علم یا فن میں تحقیقی موضوع منتخب کرنا چاہے اور جدید عرب شعراء کے کلام کو جاننا چاہے تو اس سلسلے میں دلچسپی اور ذوق رکھنے والوں نے "موسوعة الشعر العربي و الادب" تیار کیا ہے جس کے اِصدار خامس میں ڈھائی لاکھ سے زائد اشعار ہیں۔ بہت سے اشعار کی آڈیو آواز بھی اس موسوعۃ میں شامل ہے۔ ان سائٹوں http://majles.alukah.net/t103055 اور www.damasgate.com/vb/t315350 کی مدد سے بھی ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اپنے کمپیوٹر میں انسٹال کر کے آپ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

عربی زبان کی آن لائن لائبریریاں

اگر کوئی مقالہ نویس اپنے موضوع سے متعلق عربی زبان میں کتب کا ضرورت مند ہے تو وہ ذیل کی جدول میں مذکور ویب سائٹیں اُس کی بہت زیادہ مدد کر سکتی ہیں۔ جتنی کتب چاہیں مفت میں ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔

شبكة ابن مريم الإسلامية	www.ebnmaryam.com/web/
شبكة مشكاة الاسلامية	www.almeshkat.net/books/index.php

www.al-mostafa.com/	مكتبة المصطفى
http://www.bib-alex.com/	مكتبة الإسكندرية
www.muslim-library.com/	المكتبة الاسلامية الالكترونية الشاملة
www.alukah.net/library/	مكتبة الألوكة
http://shamela.ws/	المكتبة الشاملة
www.ebooks4islam.com/	المكتبة الإسلامية الشاملة
http://islamport.com/index2.html	الموسوعة الشاملة
http://al-maktabeh.com/	مكتبة المهتدين الاسلامية لمقارنة الاديان
http://waqfeya.com/	المكتبة الوقفية
http://allbooks1.com/	مكتبة جميع الكتب
http://kt-b.com/	جامعُ الكتبُ المصوّرة
www.khaldia-library.com/	مكتبةُ خالدة
http://saaid.net/book/index.php	مكتبةُ صيد الفوائد
www.book.alashraf.ws/index.php	مكتبةُ السادة الأشراف
http://library.tafsir.net/	مركزُ تفسير للدراسات القرآنية
www.alfiqh.ma	مركزُ البحوث والدراسات في الفقه المالكي
http://ao-academy.org/ar/library/	الاكاديمية العربية في الدنمارك
www.booksjadid.net/	موقع جديد الكتب
www.sahaba.rasoolona.com/	صحابة رسول الله

۶۔ موضوع پر تحقیق کے بنیادی سوالات

کسی بھی موضوع کے علمی خاکہ میں یہ عنصر سب سے اہم، انتہائی ضروری اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس جگہ مقالہ نویس کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ ایسے علمی سوالات اُٹھاتا ہے جن کا اُس کے منتخب عنوان سے انتہائی

گہرا ربط ہوتا ہے۔ وہ سوالات اَیسے ہوتے ہیں جو موضوع پر سابقہ کام کے جائزہ کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں۔ اُن میں سے پہلے سوال کا جواب تحقیقی مقالے کا پہلا باب بنتا ہے، دوسرے سوال کا جواب دوسرا باب اور اسی طرح آخری سوال کا جواب آخری باب۔ گویا موضوع کے بارے میں یہ بنیادی سوالات ہوتے ہیں جو ایک طرف عنوان سے مربوط ہوتے ہیں اور دوسری طرف ابواب وفصول سے۔ دراصل یہ سوالات تحقیقی مقالہ کی جان ہوتے ہیں۔ انہی کی معقولیت، مناسبت اور قطعیت ہی تحقیقی مقالہ کی وقعت اور قدر وقیمت کا تعین کرتی ہے۔ یہ سوالات جب تک انتہائی واضح، قطعی اور حتمی انداز میں مقالہ نگار پر عیاں نہ ہوں وہ دل کی تسلی اور اطمینانِ قلب سے اپنا کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا سوالات کی تیاری انتہائی حزم واحتیاط سے کرنی چاہیئے۔

۷۔ موضوع پر تحقیق کی حدود

بہت سے مقالہ نگار جب اپنے موضوع کا خاکہ لکھتے ہیں تو اپنی تحقیق کی حدود کا تعین نہیں کرتے۔ یہ بات سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ دُنیا میں تحقیقی کام نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت تسلسل سے ہو رہا ہے بلکہ یہ ہزاروں، سینکڑوں سالوں سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا عنوان کی عبارت میں اور خاکہ کے اِس عنصر میں موضوع کی زمانی حدود کا ذکر کرنا چاہیئے۔

بے شمار موضوعات پر مسلسل ہونے والا کام دُنیا کے کئی خطوں، ملکوں، اداروں اور اشخاص کے ہاں ہو رہا ہے۔ اِس لئے آج کسی محقق کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس کا اِحاطہ اور مطالعہ کر سکے۔ اِس لیے مقالہ نگار کو اپنے موضوع کی مکانی حدود کا بھی ذکر کرنا چاہیئے کہ اس کا کام کسی ایک ضلع، صوبے یا ملک تک محدود ہو گا یا کسی ایک براعظم تک۔

اِس کے علاوہ محقق کو یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہزاروں سالوں سے اور دُنیا بھر میں ہونے والا کام صرف اُس کی زبان میں نہیں ہو رہا۔ گوگل ویب سائٹ کے ایک اندازے کے مطابق اس وقت دُنیا میں چھ ہزار پانچ سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اگرچہ اُن سب میں قابل ذکر علمی کام نہیں پایا جاتا پھر بھی اُن زبانوں کی تعداد ہزاروں کو پہنچتی ہے جن میں علمی کام شائع ہو رہا ہے۔ اِس لئے مقالہ نگار صرف اُن زبانوں کا ذکر کرے جن میں شائع شدہ ادب کا مطالعہ وہ کر سکتا ہے۔ بعض اوقات موضوع سے متعلق مصادر و مراجع مقالہ نویس کی زبان میں ہوتے ہیں لیکن وہ اُس کی پہنچ یا رسائی میں نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسا موضوع منتخب نہیں کرنا چاہیئے جس پر کام کرتے وقت متعلقہ مواد حاصل نہ ہو سکے۔

مذہبی دُنیا میں ہزاروں فرقے اور جماعتیں پائی جاتی ہیں؛ سیاسی جماعتوں میں توڑ پھوڑ ہوتی رہتی ہے؛ نئی نئی تحریکیں وجود میں آتی اور مٹتی رہتی ہیں؛ معاشرے کے سماجی و معاشی حالات بھی تغیر پذیر ہیں جبکہ موضوع پر کام

مکمل کرنے کے لیے بھی مقالہ نویس کا وقت محدود ہوتا ہے۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے اُمور ہیں جن کی وجہ سے اپنے مقالے کی حدود اِس طرح واضح نکات میں بیان کرنی ضروری ہوتی ہیں تاکہ ایک طرف وہ وقت پر مکمل ہوتا نظر آئے تو دوسری طرف کسی کا اعتراض وارد نہ ہو سکے۔

۸۔ موضوع پر تحقیق کا منہج

کسی بھی موضوع پر تحقیقی کام کرنے کے لیے کئی طریقے یا مناہج ہوتے ہیں۔ اپنے موضوع کے خاکہ میں مقالہ نویس اُس منہج کا واضح طور پر ذکر کرتا ہے کہ اُس کا منہج تقابلی ہو گا؛ تحلیلی و تنقیدی ہو گا؛ وصفی مطالعہ ہو گا یا جدلی اور کلامی ہو گا؛ استقرائی اور استنباطی ہو گا یا فلسفیانہ ہو گا۔ جو منہج موضوع کے مزاج، بنیادی سوالات اور اہداف سے مناسبت رکھتا ہو اُس کا بیان خاکہ کے اِس عنصر میں بہت ضروری ہوتا ہے۔ اِن مناہج کی تفصیل اصول البحث، مناہج بحث، اصول تحقیق وغیرہ نامی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جو عربی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی ہیں۔

۹۔ موضوع کے ابواب و فصول

خاکہ کے اِس عنصر میں مقالہ نگار اپنے سوالات کے پیش نظر اَبواب اور اُن کے عنوانات کا ذکر کرتا ہے۔ اگر ابواب وسیع مزاج اور عریض نوعیت کے ہوں تو ہر باب کے نیچے فصول میں اُس کی تقسیم کرنی چاہیئے اور ہر فصل کا نام یعنی عنوان بھی جامع انداز میں لکھنا چاہیئے۔ اگر فصول بھی مزید تقسیم ہو سکیں تو اُن کے نیچے مباحث اور اُن کے عنوانات بھی ذکر کرنا چاہیئے۔ اسی طرح حسبِ ضرورت مباحث کو مطالب میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سے مقالہ نگار اور اُس کے مشرف پر تحقیقی کام کی متنوع تہیں اور متعدد پہلو بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ بس یہ بات کبھی بھی فراموش نہ ہو کہ ابواب و فصول و مباحث دراصل تحقیق کے لیے اُٹھائے گئے سوالات کے جوابات ہیں جو صفحۂ عنوان پر لکھی عبارت سے مربوط ہوتے ہیں۔ جو باب، فصل یا مبحث اُٹھائے گئے سوالات اور صفحۂ عنوان پر لکھے موضوع سے مربوط نہ ہو اُسے مقالہ میں کسی طرح بھی شامل نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر وہ باب، فصل یا مبحث موضوع سے گہرا تعلق رکھتا ہے جس کے بغیر موضوع پر بحث ادھوری اور نامکمل معلوم ہو یعنی اگر اُسے ہٹا دیا جائے تو تحقیق کے پورے ڈھانچے میں ایک خلا پیدا ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ باب، فصل یا مبحث غیر متعلق ہے، اُسے شامل نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ ابواب و فصول سے متعلق ایک اہم بات

خاکہ میں مصادر و مراجع کی فہرست سے پہلے ایک نوٹ لکھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے الفاظ کچھ یوں

ہوتے ہیں: الخطة قابلة للتعدیل والتغییر خلال البحث۔ یعنی بحث و تحقیق کے دوران موضوع کی معروضی صورت حال کے پیش نظر خاکہ میں کچھ تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صفحہ عنوان پر لکھی موضوع کی عبارت بدلی جاسکتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ابواب وفصول میں کچھ ترمیم کی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ مصادر و مراجع کی فہارس

کسی بھی موضوع پر کام یا تحقیق کے لیے استعمال ہونے والا مواد یا تو مصادر میں ہوتا ہے یا پھر مراجع میں۔ عربی اور اسلامی موضوعات پر تحقیق کرنے والے پاکستانی محققین کے مصادر و مراجع عموماً اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ عام طور اِن زبانوں کو جانتے ہیں۔ اِس لئے خاکہ کی تیاری میں مصادر و مراجع کو اُن کی زبانوں کے لحاظ سے الگ الگ مرتب کرنا چاہیئے۔ ایم ایس ورڈ کے اندر حوالہ جات اور مصادر و مراجع کی فہرست مرتب کرنے کے لیے مختلف سٹائل گائیڈز میسر ہوتی ہیں۔ انہیں نہ صرف آسانی سے استعمال کیا جاسکتا ہے بلکہ غلطیوں سے بچاؤ اور مکمل درستی کا بھی لحاظ رکھا جاسکتا ہے۔

مصادر و مراجع کی فہارس مرتب کرتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ اُن کی فہرست الف بائی ترتیب میں ہو۔ پہلے مصنف کا نام، پھر تصنیف / تالیف کا پورا نام، پھر مترجم کا نام، پھر مقام طبع (شہر، ملک کا نام)، پھر ناشر کا نام، پھر طبع نمبر، پھر سَن اشاعت۔ کتاب کے نام کے نیچے خط لگانا، یا اُسے بولڈ کرنا یا ترچھا لکھنا چاہیئے۔ اِن میں سے ہر ایک جزو کے بعد کامہ لگانا نہیں بھولنا چاہیئے۔ مثلاً غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، ط۷، ۲۰۰۷ء.

اس سلسلے میں نئے مقالہ نگار اُن مقالات سے بھی استفادہ کرسکتے ہیں جو محنت کروانے والے کسی نگرانِ مقالہ کی نگرانی میں مدرسہ میں یا یونیورسٹی میں مکمل ہو چکے ہوں۔ یہ واضح رہے کہ خاکہ میں شامل مصادر و مراجع کی فہرست ابتدائی فہرست ہوتی ہے جو مصادر و مراجع کے مختلف زُبانوں میں ہونے کی وجہ سے دو، تین یا چار فہرستوں کی شکل میں لکھی جاتی ہے لیکن مقالہ کی تکمیل پر نہ صِرف اُس میں نمایاں اِضافہ ہوتا اور تبدیلی آجاتی ہے بلکہ کئی عنوانات کے تحت متعدد فہارس تیار کرنی ہوتی ہیں۔ اس لئے اس میں مذکورہ فنی اصلاحات اور تبدیلیاں ضرور کرنی چاہئیں۔ اس سے نہ صرف مقالہ کے نمبر زیادہ ملتے ہیں بلکہ دوسروں کو یا خود مقالہ نویس کو بھی بعد میں کسی کتاب یا مصنف کے بارے میں معلومات جاننے کے لئے آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً مقالہ میں ذکر کی جانے والی آیات قرآنی کی فہرست، احادیث نبویہ کی فہرست، فہرستِ اَعلام، فہرست اصطلاحات وغیرہ۔ اسی طرح کچھ چیزیں تکمیل شدہ مقالہ کے آخر میں ضمیمہ جات یا ملحقات کے تحت بھی شامل کی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ دیکھیے: محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، (لاہور: دارالاشاعت الاسلامیہ، ط۱، ۱۹۶۹ء)، ص ۳۔۴۔

۲۔ ملاحظہ فرمائیں: محمد سعد صدیقی (مؤلف)، مسلمان مؤرخین کا اُسلوبِ تحقیق: عصر خلفاء راشدین، قائد اعظم لائبریری (شعبہ ریسرچ سیل)، باغ جناح، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ ملاحظہ ہو: احمد خان، ڈاکٹر، لائبریری سائنس کا ارتقاء اور مسلمانوں کی خدمات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء۔

۴۔ ڈاکٹر عمر فاروق غازی کرنل ریٹائرڈ اور سید مودودی بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ، وحدت روڈ، لاہور کے ڈائریکٹر ہیں۔

۵۔ دیکھیے: عمر فاروق غازی، تحقیق کے اصول وضوابط احادیث کی روشنی میں، میٹرو پرنٹر، لاہور، ط۱، ۱۹۹۸ء، ط۲، ۲۰۰۷ء۔

۶۔ یہ دونوں کتابیں اس ویب سائٹ سے مفت میں ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہیں: http://kitabosunnat.com-

۷۔ دیکھیے: عمر فاروق غازی، تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان قرآن کی نظر میں، میٹرو پرنٹر، لاہور، ط۱، ۱۹۹۹ء۔

۸۔ دیکھیے: خورشید احمد، سفیر اختر اور محمد عمر چھاپرا (مصنفین)، تحقیق۔۔ تصورات اور تجربات، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء۔

۹۔ ڈاکٹر افتخار احمد خان گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد میں شعبہ علوم اسلامیہ وعربی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

۱۰۔ دیکھیے: افتخار احمد خان، ڈاکٹر، اصولِ تحقیق، (فیصل آباد: شمع بکس، سن ندارد)، ص ۳۲۔۴۱. اس کتاب میں ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی کی تقریظ کے آخر میں محرم ۱۴۳۶ھ کی تاریخ لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کے ڈین رہے ہیں اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔

۱۲۔ دیکھیے: محمد باقر خان خاکوانی، پروفیسر ڈاکٹر، اسلامی اصول تحقیق، (لاہور: ادبیات، ط۱، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۱۱۔۲۴۶۔

۱۳۔ ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں شعبۂ تفسیر وعلوم القرآن کے چیئرمین ہیں۔ اُن کی کتاب 'اصول تحقیق' کا طبع اول ۲۰۰۳ء، طبع دوم ۲۰۱۲ء اور طبع سوم ۲۰۱۳ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

۱۴۔ دیکھیے: عبدالحمید خان عباسی، ڈاکٹر، اصول تحقیق، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ط ۲۰۱۳ء)، ص ۱۲۱۔ ۱۳۲۔

۱۵۔ ڈاکٹر طفیل ہاشمی نے یہ کورس ۱۹۸۷ء میں لکھا تھا۔ دیکھیے: کورس کا تعارف، ص ۲۔

۱۶۔ طفیل ہاشمی، مطالعاتی رہنما: تحقیق نگاری، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ط۱، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۵۔۲۷ اور ۴۱۔۴۵.

۱۷۔ چار سو چالیس صفحات کی اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن اورینٹل بکس نے ۲۰۱۲ء بمطابق ۱۴۳۳ھ میں لاہور سے شائع کیا تھا۔

۱۸۔ دیکھیے: خالق داد ملک، پروفیسر ڈاکٹر، تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، (لاہور: اورینٹل بکس، ط۱، ۲۰۱۲ء)، ص ۶۷۔ ۱۱۳۔

۱۹۔ ڈاکٹر خالق داد ملک کی کتاب "منہج البحث والتحقیق" کا طبع اول ۱۹۹۹ء، طبع دوم ۲۰۰۶ء اور طبع سوم ۲۰۰۹ء میں گنج بخش پرنٹرز لاہور سے شائع ہوا تھا۔

۲۰۔ ''برصغیر پاک وہند میں تصوف کی مطبوعات'' محمد نذیر رانجھا کی ایسی کتاب ہے جس میں عربی وفارسی کتب اور اُن کے اُردو تراجم کی بنیادی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ تہذیبِ اخلاق، طرق سلاسل اور تزکیہ نفس سے متعلق موضوع پر کام کے لیے یہ کتاب ایسا اشاریہ ہے جس میں ہزاروں مصادر و مراجع کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسے میاں اخلاق احمد اکیڈمی، لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا تھا۔ مزید برآں، مرکز معارف اولیاء، محکمہ اوقاف و مذہبی امور حکومتِ پنجاب کے مجلہ 'معارف اولیاء' میں تصوف اور صوفیاء سے متعلق بہت علمی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ ستمبر ۲۰۱۳ء تک اپنی عمر کے گیارہ سالوں میں اس کی چھتیس اشاعتیں آئی تھیں۔

۲۱۔ اس سلسلے میں نجیب العقیقی کی تین جلدوں میں کتاب ''المستشرقون'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

۲۲۔ دیکھیے: www.hec.gov.pk/OurInstitutes/Pages/Default.aspx-

۲۳۔ دیکھیے: http://vb.tafsir.net-

۲۴۔ دیکھیے: www.ahlalhdeeth.com-

۲۵۔ دیکھیے: www.feqhweb.com/vb-

۲۶۔ دیکھیے: http://vb.tafsir.net-

۲۷۔ اس سلسلے میں ایچ ای سی کی ویب سائٹ دیکھیے۔ اس پر پیش کی جانے والی معلومات وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت تبدیل ہوتی رہتی ہیں:
www.hec.gov.pk/INSIDEHEC/DIVISIONS/HRD/APPROVEDPHDSUPERVISORS/Pages/ListofSupervisor.aspx

۲۸۔ دیکھیے: برصغیر میں مطالعہ قرآن، فکر و نظر، جلد ۳۶، شمارہ نمبر ۳۔۴، جنوری۔ جون ۱۹۹۹ء؛ برصغیر میں مطالعۂ حدیث، فکر و نظر، جلد ۴۲۔۴۳، شمارہ نمبر ۴، ۱، اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۵ء؛ سیرت نگاری میں جدید رُجحانات، فکر و نظر، جلد ۴۹، شمارہ نمبر ۲۔۳، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۱۔ جنوری۔ مارچ ۲۰۱۲ء؛ ڈاکٹر حمید اللہ، فکر و نظر، جلد ۴۰۔۴۱، شمارہ ۴، ۱، اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء۔

۲۹۔ مثلاً ملاحظہ ہو: شخصیات نمبر، شمارہ ۱۸۔۱۹، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء؛ تفردات نمبر، شمارہ نمبر ۲۱، جنوری تا جون ۲۰۱۳ء؛ برصغیر کے مفسرین اور اُن کی تفاسیر، شمارہ نمبر ۲۳، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء۔

۳۰۔ ششماہی معارفِ اسلامیکے کچھ خصوصی نمبر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر، جلد ۲، شمارہ ۲، جلد ۳ شمارہ ۱، جولائی ۲۰۰۳ء تا جون ۲۰۰۴ء؛ ڈاکٹر محمود احمد غازی نمبر، جلد ۱۰، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۱۱ء تا جون ۲۰۱۱ء؛ اور سیرت نمبر، جلد ۸، شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۹ء۔

۳۱۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ضیاء الامت نمبر، ادارہ ضیائے حرم بھیرہ، ۱۹۹۹ء۔ بعد میں اس نمبر کی اشاعت جدید بھی ہوئی جس پر سَن اشاعت نہیں لکھا۔ ماہنامہ ضیائے حرم کی جلد ۴۱، شمارہ ۶۔۷، ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء بھی ایک خصوصی نمبر ''تحفظِ ناموس رسالت'' ہے۔

۳۲۔ علم قراءات نمبر کی تینوں جلدیں اس ویب سائٹ سے مفت ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہیں:
http://kitabosunnat.com/kutub-library/quran-aor-ulum-ul-quran

۳۳۔ اِن خصوصی اشاعتوں کے موضوعات جاننے اور انہیں مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے یہ ویب سائٹ مفید ہے:
http://magazine.mohaddis.com/shumarajaat/sp-shumara

۳۴۔ ملاحظہ ہو: علامہ فضل حق خیر آبادی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، ماہنامہ العاقب، لاہور، جلد ۲، شمارہ ۷۔۹، جولائی۔ ستمبر ۲۰۰۹ء۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو: ہفت روزہ الاعتصام، لاہور کی اشاعت خاص: بیاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (۱۹۰۸۔۱۹۸۷ء)، ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء۔ یہ اشاعت ۱۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۶۔ ملاحظہ فرمائیں: www.hec.gov.pk/InsideHEC/Divisions/AECA/Pages/HECRecognized SocialScienceJournals.aspx

۳۷۔ شیر نوروز خان نے ادارہ تحقیقات اسلامی نزد فیصل مسجد اسلام آباد کے سہ ماہی علمی مجلے 'فکر و نظر' کا اشاریہ تیار کیا ہے۔ اس اشاریہ کی پہلی جلد میں فکر و نظر کی پندرہ جلدوں کا اشاریہ ۱۹۷۹ء میں شائع کیا گیا؛ اس کی دوسری جلد میں فکر و نظر کی اگلی پندرہ جلدوں (۱۹۷۸۔۱۹۹۳ء) کا اشاریہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ تیسری جلد کا اشاریہ طباعت کے مراحل میں ہے۔

۳۸۔ دیکھیے: عابد حسین شاہ (مرتب)، اشاریہ ضیائے حرم (اکتوبر ۱۹۷۰۔ ستمبر ۱۹۹۰ء)، ناشر: بہاؤ الدین زکریا لائبریری بمقام چھونبی، چکوال ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء۔

۳۹۔ دیکھیے: انوار احمد، ڈاکٹر، اشاریہ ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ ۱۹۲۰ء تا ۲۰۱۰ء، مجلس مرکزیہ حزب الانصار پاکستان، ط ۱، ۲۰۱۱ء۔

۴۰۔ ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کے اِس اشاریے کی آخری اشاعت میں ۱۹۵۲ تا ۲۰۱۰ء کے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست شامل کی گئی تھی۔

۴۱۔ ملاحظہ فرمائیں: احمد خان، ڈاکٹر (مرتب)، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء؛ جمیل نقوی (مرتب)، اردو تفاسیر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء؛ محمد نذیر رانجھا (مرتب)، احادیث کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء؛ عارف نوشاہی، پاکستان میں مخطوطات کی فہرستیں (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء؛ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی (مرتب)، جامع فہرست مطبوعات پاکستان: اسلامیات (حصہ دوم ۱۹۷۳۔۱۹۸۳ء)، نیشنل بک کونسل آف پاکستان، اسلام آباد، ط ۱، ۱۹۸۸ء؛ فہرست قومی نمائش کتبِ سیرت ۱۹۸۴ء، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، س ن۔

۴۲۔ اس مقالہ کی تیاری کے وقت راقم الحروف کے سامنے حکومت پاکستان محکمہ کتب خانہ جات نیشنل لائبریری آف پاکستان کے شائع کردہ تین شمارے تھے۔ تین سَو سے زائد صفحات پر مشتمل 'قومی کتابیات پاکستان ۲۰۰۴ء' کا شمارہ؛ تین سَو پچھتر صفحات پر مشتمل 'قومی کتابیات پاکستان ۲۰۰۹ء' کا شمارہ اور چار سَو سے زائد صفحات پر مشتمل 'قومی کتابیات پاکستان ۲۰۱۱ء' کا شمارہ۔ ان میں ہزاروں کتب کا تعارف شامل ہیں۔ یہ کتب فلسفہ، نفسیات، تقابل ادیان، سماجی علوم، لسانیات، طبعی علوم، ریاضی، عملی علوم یعنی صنعت و حرفت، فنون و کھیل تماشے، ادبیات، جغرافیہ، سوانح اور تاریخ سے متعلق ہیں۔ پی ڈی ایف شماروں کے لیے ملاحظہ فرمائیں: www.nlp.gov.pk/booking.html

۴۳۔ دیکھیے: سورۃ طٰہٰ، ۲۰: ۱۱۴۔

۴۴۔ اس سلسلے میں جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے علمی مجلہ 'جریدہ' کا شمارہ نمبر ستائیس کا مطالعہ بہت مفید ہو گا۔ پانچ سَو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ شمارہ ۲۰۰۴ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس میں مشرق و مغرب میں سرقہ بازی کی تاریخ مدوّن کی گئی ہے۔ اس کے مضامین نے بڑی بڑی شخصیات کی سرقہ بازی کا انکشاف کیا ہے۔ محققین کے لیے یہ شمارہ بہت سبق آموز ہے۔

التفسير العلمي بين المؤيدين والمعارضين

The Trend of Scientific Exegesis of the Holy Quran between Its Supporters and Opponents

الدكتور الضيف نطور*

Abstract

According to the trend of scientific exegesis, exegetes try to establish a connection between verses of the Holy Quran and the scientific discoveries about nature and cosmos in a striving to demonstrate the miraculous nature of the Holy Quran and that its teachings are relevant universally for all the times. There is a subtle distinction between the scientific exegesis and the scientific miracles of the Holy Quran. Not every scientific exegesis counts to be a miracle. On the contrary, every scientific miracle of the Holy Quran becomes recognizable only through the scientific exegesis. To detail this point, in the process of scientific exegesis an interpretation of the Quranic text is arrived at with the help of most recent scientific discoveries, whereas the scientific miracle means that some particular text of the Quran or the statement of the Holy Prophet Muhammad, peace be upon him, conveys such scientific facts that were unknown before the modern times and it was impossible for any human being to know them during the times of the Holy Prophet.

Among the eminent supporters of the scientific exegesis in the classical times were scholars like Imām al-Ghazālī, Imām Fakhruddīn al-Rāzī, al-Zarkashī, and al-Sayyūtī. In the modern times, supporters of this trend include Jawharī Tantāwī, Abd al-Hamīd ibn Badīs, Ahmad Mustafā al-Marāghī, Hanfī Ahmad, Zaghlūl al-Najjār, and Abd al-Majīd al-Zandānī. Jawharī Tantāwī has emerged as the lead exegete who supports and propagates the trend of scientific exegesis.

Famous opponent of scientific exegesis in the ancient times had been al-Imām al-Shātibī. In the modern time Shaykh Mahmūd Shaltūt, Muhammad Hasn al-Zahbī, Muhammad Lutfī al-Sabbāgh, Abd a-Majīd al-Muhtasib are against this trend of exegesis.

In our opinion, the scientific exegesis is acceptable, albeit with the following conditions:

---

* ألأستاذ المساعد بقسم التفسير وعلوم القرآن بالجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد، باكستان.

1. The Holy Quran should be interpreted by relying on those scientific facts which have been firmly established and are not subject to change.
2. That we may not stick to some interpretive opinion regarding the details of the cosmic and natural phenomena mentioned in the Holy Quran, unless we have a sound proof which is beyond any doubt or suspicion.
3. That the discussion of scientific exegesis may not overshadow the two basic features of the Holy Quran: guidance and its being a miracle.
4. Such discussions should lead Muslims to intellectual revival, remind them of the greatness of the Holy Quran, and help them benefit from the nature.
5. That these discussions should be employed to prove the oneness of Allah the Almighty, His Omniscience, His Omnipotence, and in fetching fresh examples of the miraculous nature of the Holy Quran.

مقدمة

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد؛

فإن القرآن الكريم كتاب هداية وإعجاز, أنزله الله تعالى هدى للمتقين وبشرى للمؤمنين فقال جل وعلا: ﴿الم ○ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾[1] وقال تعالى: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾[2]

وقد تمثلت هذه الهدايات الربانية في جوانب مهمة من حياة الإنسان كالعقيدة والشريعة والأخلاق، وتمثل الإعجاز القرآني في بلاغته وفصاحته وأسلوبه ونظمه وفخامته وعذوبته وتشريعاته ومعرفته بالغيوب، وبما جاء فيه من إشارات علمية حثّت الإنسان على معرفة نفسه وأرضه وسمائه وعلوم الكون المحيط بأفلاكه وكواكبه وجباله ونباته وبحاره وأنهاره.

وقد اتفق علماء الأمة الإسلامية على كون القرآن الكريم كتاب هداية وإعجاز ولكنهم اختلفوا – قديماً وحديثاً – في الإشارات العلمية التي زخرت بها آيات كثيرة من الذكر الحكيم، هل يعدونها وجهاً من وجوه الإعجاز القرآني أم لا يعتبرونها كذلك؟

ومن هنا تظهر أهمية هذا الموضوع الذي أنا بصدده حيث تكمن أهميته في كونه يعالج مسألة مهمة اختلف فيها علماء الأمة، فمنهم من اعتبر أن تفسير القرآن بما توصل إليه العلم الحديث أمر مهم للغاية لا يمكن تجنبه والسكوت عنه كالغزالي والرازي والسيوطي قديماً، وطنطاوي جوهري حديثاً، ومنهم من رفض التفسير العلمي ورآه غير لائق بتفسير كتاب الله تعالى كالشاطبي قديماً ومحمد حسين الذهبي والشيخ شلتوت حديثاً.

وقد وقفت على عدة دراسات سابقة كتبت في التفسير العلمي منها:

١- مدخل إلى دراسة الإعجاز العلمي في القرآن الكريم والسنة النبوية المطهرة للأستاذ الدكتور زغلول راغب محمد النجار.

٢- أبين آيات الإعجاز العلمي: "السماء في القرآن" للدكتور زغلول النجار.

٣- الجانب العلمي في القرآن الكريم للدكتور صلاح الدين خطاب.

٤- خلق الإنسان بين الطب والقرآن للدكتور محمد علي البار.

٥- آيات الله في الآفاق للشيخ عبد المجيد الزنداني.

ولكن ما يزال البحث العلمي قائماً حول هذا الموضوع الهام الذي يعد موضوع الساعة في ظل الاكتشافات العلمية الحديثة.

وقد قسمت بحثي هذا بعد المقدمة إلى تمهيد ومبحثين وخاتمة. بينت في التمهيد المراد بالتفسير العلمي والفرق بينه وبين الإعجاز العلمي.

أما المبحث الأول فتحدثت فيه عن المؤيدين للتفسير العلمي قديماً وحديثاً.

في حين خصصت المبحث الثاني لبيان الفريق المعارض للتفسير العلمي في القديم والحديث. وبينت رأيي في هذا الموضوع وختمت البحث بخاتمة بينت فيها بعض النتائج التي توصلت إليها.

تمهيد

قبل أن أبدأ في بيان المؤيدين للتفسير العلمي والمعارضين له يحسن بي ابتداءً أن أعرف بالتفسير العلمي تمهيداً لهذا البحث.

تعريف التفسير العلمي

اهتم بعض العلماء والباحثين في العصر الحديث بتعريف التفسير العلمي، في حين لم أجد هذا الاهتمام عند علماء القرون السابقة بالرغم من انشغال بعضهم به، فقد عرفه الدكتور محمد حسين الذهبي[٣] بقوله: "نريد بالتفسير العلمي: التفسير الذي يُحَكِّم الاصطلاحات العلمية في عبارات القرآن، ويجتهد في استخراج مختلف العلوم والآراء الفلسفية منها"[٤].

وعرفه الدكتور محمد لطفي الصباغ[٥] بقوله: "إنه تحكيم مصطلحات العلوم في فهم الآية، والربط بين الآيات الكريمة ومكتشفات العلوم التجريبية والفلكية والفلسفية"[٦].

كما عرفه الدكتور عبد المجيد المحتسب[٧] بقوله: "والتفسير العلمي: هو التفسير الذي يتوخَّى أصحابه إخضاع عبارات القرآن للنظريات والاصطلاحات العلمية وبدل أقصى الجهد في استخراج مختلف مسائل العلوم والآراء الفلسفية منها"[٨].

وعرفه الدكتور فهد الرومي[٩] بقوله: "المراد بالتفسير العلمي: هو اجتهاد المفسر في كشف الصلة بين آيات القرآن الكريم الكونية ومكتشفات العلم التجريبي على وجه يظهر به إعجاز القرآن يدل على مصدره، وصلاحيته لكل زمان ومكان"[١٠].

والذي يتجلى لي من خلال هذه التعاريف الأربعة للتفسير العلمي:

١- أن هذه التعاريف الثلاثة الأولى متفقة في مضمونها وإن اختلفت في بعض الألفاظ.

٢- أن أصحاب هذه التعاريف الثلاثة الأولى كلهم من الفريق المعارض للتفسير العلمي في العصر الحديث، وبالتالي فإن تعاريفهم للتفسير العلمي جاءت متفقة تحمل في طياتها ما يدعم رفضهم أو إنكارهم لهذا الجانب من التفسير.

فكلمة "تحكيم"، وعبارة "اصلاحات علمية" أو "مصطلحات علمية، وكلمة العلوم" أو "الآراء الفلسفية" كلها جاءت في هذه التعاريف، مما يضفي عليها طابع القسوة والنظرة النقدية. فهل التفسير العلمي تدخل فيه الآراء الفلسفية؟

إن الذي أراه أن الفلسفة لا تدخل في التفسير العلمي، لأن لأصحابها اتجاه خاص باسم: التفسير الفلسفي.

أما ما نهجه المتشددون من الفريق المؤيد للاتجاه العلمي – كطنطاوي جوهري – مثلاً – عندما يلجأ إلى الاستشهاد بآراء الفلاسفة كابن سينا[١١] وإخوان الصفا[١٢]، في بعض ما يذهب إليه، فلا يقوم حجة ينبغي الوقوف عندها، بل يعتبر هذا تطرفاً وغلواً ينبغي اجتنابه.

يقول الدكتور فهد الرومي: "والذي أعتقده أن التفسير العلمي بمعناه المعروف لا يشمل الآراء الفلسفية كما لا يعم مختلف العلوم، بل في أنواع معينة منها كالطب والرياضيات والفلك وعلم الحيوان والنبات والكيمياء وعلم طبقات الأرض ونحو ذلك من العلوم التجريبية فلا يشمل مختلف العلوم على إطلاقها"[١٣].

٣- إن التعريف الرابع للتفسير العلمي، والذي ذكره فهد الرومي، هو التعريف الذي أراه تعريفاً وسطاً يمكنني أن أرجحه من بين التعاريف الأربعة السابقة، لأن نظرة صاحبه موضوعية، فهو ليس من المعارضين للتفسير العلمي، وليس من المؤيدين له مطلقاً.

وقد شرح كلمات وعبارات تعريفه ليصير واضحاً أمام أعين القراء، فقال:

"ولا شك أن وصفه بـ "اجتهاد المفسر" يدخل فيه التفسير العلمي المقبول والمرفوض، لأن المجتهد قد يخطئ وقد يصيب. وقولنا "الربط" ليشمل ما هو تفسير وما هو من قبيله كالاستئناس بالآية في قضية من قضاياه ونحو ذلك، وقولنا "العلم التجريبي" يخرج بقية العلوم الكلامية والفلسفية ونحوها. وقولنا "على وجه" لبيان ثمرته، وقولنا "يدل على مصدره" نقصد به أنه إذا ما ثبت هذا التوافق بين نصوص القرآن الكريم وحقائق العلوم ولم يقع أي تعارض بين نص قرآني وحقيقة علمية مهما كانت جدتها وحداثتها فإنه لا يمكن أن يقول مثل هذه النصوص بشر قبل اكتشافها بقرون ولابد من أن يكون المتكلم بها هو موجد هذه الحقائق ومكونها وهو الله سبحانه وتعالى، وقولنا "وصلاحيته لكل زمان ومكان" نقصد به أنه صالح لكل عصر حتى لا تأتي عليه الأيام ولا الحدثان بما يبطل شيئاً منه فهو صالح لكل عصر وأوان.."[١٤].

الفرق بين التفسير العلمي والإعجاز العلمي

قبل بياني للفرق بين الإعجاز العلمي والتفسير العلمي يحسن بي أن أعرِّف الإعجاز العلمي.

فالإعجاز العلمي هو ((إخبار القرآن أو السنة النبوية بحقيقة أثبتها العلم التجريبي وثبت عدم إمكانية إدراكها بالوسائل البشرية في زمن الرسول محمد -صلى الله عليه وسلم- مما يظهر صدقه فيما أخبر به عن ربه))[١٥] أو هو ((سبق القرآن الكريم بالعديد من الحقائق العلمية قبل وصول المعارف المكتسبة إليها بعدة قرون))[١٦].

أما الفرق بين التفسير العلمي والإعجاز العلمي فبينهما عموم وخصوص فكل إعجاز علمي هو تفسير علمي وليس كل تفسير علمي إعجازاً علمياً.

كذلك فإن التفسير العلمي هو الكشف عن معاني الآية أو الحديث في ضوء الاكتشافات العلمية الحديثة سواء كانت نظريات أو حقائق علمية.

أما الإعجاز العلمي فهو إخبار القرآن الكريم أو السنة النبوية بحقيقة أثبتها العلم التجريبي أخيراً وثبت عدم إمكانية إدراكها بالوسائل البشرية في زمن الرسول صلى الله عليه وسلم[١٧].

وأيضاً فإن التفسير العلمي فيه ما هو صحيح وما هو خاطئ أما الإعجاز العلمي فكله صحيح لأنه ثابت عن حقائق علمية لا تتغير بمرور الأزمان.

المبحث الأول: الفريق المؤيد للتفسير العلمي قديماً وحديثاً

المطلب الأول: أبرز المؤيدين للتفسير العلمي قديماً

إن أبرز علماء الفريق المتحمس والمؤيد للتفسير العلمي في العصور المتقدمة، هم: الإمام الغزالي[١٨]، والإمام فخر الدين الرازي[١٩]، والإمام الزركشي[٢٠]، والإمام السيوطي[٢١]، فقد تكلموا في بعض كتبهم عن التفسير العلمي، ونصُّوا على ضرورة الاهتمام به والرجوع إليه، معتبرين أن القرآن الكريم حوى كل شيء، وتناول كل العلوم، فنصَّ أبو حامد الغزالي على أن العلوم كلها راجعة إلى القرآن الكريم وكل ما أشكل فيه على العلماء والنظار واختلف فيه الناس في النظريات والمقولات، فعلمها وحلها موجود في كتاب الله[٢٢].

وأنكر الرازي على من يعارض إدخال علم الهيئة والنجوم في تفسير كتاب الله تعالى، ووصفه بالجهل والحماقة واعتبر ما ذكره فاسداً ورد عليه بخمس حجج، وقد ذكر ذلك أثناء تفسيره لقوله تعالى: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[٢٣]. فقال: "... وربما جاء بعض الجهال والحمقى وقال إنك أكثرت في تفسير كتاب الله من علم الهيئة والنجوم، وذلك على خلاف المعتاد! فيقال لهذا المسكين إنك لو تأملت في كتاب الله حق التأمل لعرفت فساد ما ذكرته، وتقريره من وجوه: **الأول**: أن الله تعالى ملأ كتابه من الاستدلال على العلم والقدرة والحكمة بأحوال السماوات والأرض، وتعاقب الليل والنهار، وكيفية أحوال الضياء والظلام، وأحوال الشمس والقمر والنجوم، وذكر هذه الأمور في أكثر السور وكررها وأعادها مرة بعد أخرى، فلو لم يكن البحث والتأمل في أحوالها جائزاً لما ملأ الله كتابه منها. **والثاني**: أنه تعالى قال: ﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ﴾[٢٤] فهو تعالى حث على التأمل في أنه كيف بناها ولا معنى لعلم الهيئة إلا التأمل في أنه كيف بناها وكيف خلق كل واحد منها. **والثالث** أنه تعالى قال: ﴿لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[٢٥] فبين أن عجائب الخلقة وبدائع الفطرة في أجرام السماوات أكثر وأعظم وأكمل مما في أبدان الناس، ثم إنه تعالى رغّب في التأمل في أبدان الناس بقوله: ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[٢٦] فما كان أعلى شأناً وأعظم برهاناً منها أولى بأن يجب التأمل في أحوالها ومعرفة ما أودع الله فيها من العجائب والغرائب. **والرابع**:

أنه تعالى مدح المتفكرين في خلق السماوات والأرض فقال: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[٢٧] ولو كان ذلك ممنوعاً منه لما فعل. **والخامس:** أن من صنّف كتاباً شريفاً مشتملاً على دقائق العلوم العقلية والنقلية بحيث لا يساويه كتاب في تلك الدقائق، فالمعتقدون في شرفه وفضيلته فريقان: منهم من يعتقد كونه كذلك على سبيل الجملة من غير أن يقف على ما فيه من الدقائق واللطائف على سبيل التفصيل والتعيين، ومنهم من وقف على تلك الدقائق على سبيل التفصيل والتعيين، واعتقاد الطائفة الأولى وإن بلغ إلى أقصى الدرجات في القوة والكمال إلا أن اعتقاد الطائفة الثانية يكون أكمل و أقوى وأوفى. وأيضاً فكل من كان وقوفه على دقائق ذلك الكتاب ولطائفه أكثر كان اعتقاده في عظمة ذلك المصنف وجلالته أكمل..))[٢٨].

ويرى الزركشي أن القرآن الكريم يحتوي علم الأولين والآخرين ويمكن لمن فهَّمه الله تعالى وتدبر في كتابه أن يستخرج منه كل شيء يريده، فقال تحت فصل "في القرآن علم الأولين والآخرين" ما يلي: ((... وفي القرآن علم الأولين والآخرين، وما من شيء إلا ويمكن استخراجه منه لمن فهَّمه الله تعالى، حتى إن بعضهم استنبط عمر النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثاً وستين من قوله تعالى في سورة المنافقين: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾[٢٩] فإنها رأس ثلاث وستين سورة، وعقبها بالتغابن ليظهر التغابن بفقده.

وقوله تعالى مخبراً عن عيسى: ﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾[٣٠] ثلاث وثلاثون كلمة، وعمره ثلاث وثلاثون سنة..))[٣١].

وجعل الإمام السيوطي في إتقانه النوع الخامس والستين خاصاً بالعلوم المستنبطة من القرآن الكريم. ويرى أن الله عز وجل قد ذكر كل شيء في كتابه، بدليل قوله تعالى: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾[٣٢]وقوله تعالى: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾[٣٣] كما استدل بأحاديث نبوية وبأقوال الصحابة الكرام، منها: قوله صلى الله عليه وسلم "ستكون فتن" قيل وما المخرج منها؟ قال: "كتاب الله فيه نبأ ما كان قبلكم، وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم"[٣٤].

ومنها قول ابن مسعود –رضي الله عنه-: " من أراد العلم فعليه بالقرآن فإن فيه خبر الأولين والآخرين"[٣٥].

ثم نقل السيوطي ما جاء عن بعض العلماء في هذا المقام، بأن القرآن قد جمع علم الأولين والآخرين[٣٦].

المطلب الثاني: أبرز العلماء المؤيدين للتفسير العلمي حديثاً

من أبرز العلماء المفسرين المؤيدين للتفسير العلمي في العصر الحديث هم: طنطاوي جوهري[٣٧]، وعبد الحميد بن باديس[٣٨]، وأحمد مصطفى المراغي[٣٩]... ويعتبر طنطاوي جوهري رأس المؤيدين للتفسير العلمي للقرآن الكريم حديثاً ومن أبرز المنادين به، حيث بنى تفسيره كله على هذا الجانب، واعتبر أن معظم العلماء والمفسرين القدامى قد اهتموا بالمسائل الفقهية، ولم يهتموا بالمسائل العلمية، بالرغم من أن الآيات التي تتحدث عن الفقه قليلة مقارنة بالآيات التي تتحدث صراحة عن العلم. فيقول:

"لماذا ألف علماء الإسلام عشرات الألوف من الكتب الإسلامية في علم الفقه. وعلم الفقه ليس له في القرآن إلا آيات قلائل لا تصل إلى مائة وخمسين آيه. فلماذا كثر التأليف في علم الفقه وقل جداً في علوم الكائنات التي لا تخلو منها سورة. بل هي تبلغ ٧٥٠ آية صريحة. وهناك آيات أخرى دلالتها تقرب من الصراحة، فهل يجوز في عقل أو شرع أن يبرع المسلمون في علم آياته قليلة ويجهلون علماً آياته كثيرة جداً. إن آباءنا برعوا في الفقه فلنبرع نحن الآن في علم الكائنات. لنقم به لترقى الأمة، فهذا الذي ينظر نظراً سطحياً لآيات النظر في العالم نراه لم يكتف في البيع والهبة والميراث والحج والصلاة بالنظر السطحي، بل نراه في الوضوء الذي هو شرط من شروط الصلاة، لم يكتف بالنظر الظاهري. بل ازداد البحث فيه جداً في مئات المجلدات المؤلفة في المذاهب الأربعة وغيرها. أفلا ينظر المسلمون اليوم إلى علوم الدين الحقة وهي علوم الكائنات، علوم معرفة الله، إن علم الفقه لحفظ الأمم وعلم الكائنات لمعرفة الله وحياة الأمم، وما به الحياة مقدم على ما به حفظ الحياة، إذ لا حفظ للحياة ولا عبادة إلا بعد ثبوت الحياة"[٤٠].

وأجده يوجه نداءً إلى الأمة الإسلامية ويحثها على ضرورة التعمق في العلم، ويعتبر دراسة العلوم في التفسير فرض عين، ودراسة علم الفرائض فرض كفاية، وينبه إلى ضرورة الاهتمام والبحث في العلوم الكونية مثل ما اهتم الآباء بآيات الميراث.

كما يعتبر أن الزمان الذي يعيش فيه هو زمان العلوم وزمان ظهور نور الإسلام!! وزمان الانقلاب وظهور الحقائق، ويصف فقهاء المسلمين الذين لم ينشغلوا بدارسة مختلف العلوم في الآيات القرآنية بالجهلاء المغرورين وصغار الفقهاء!!

وكأن الفقيه الكبير عند طنطاوي جوهري هو الذي يجمع في علمه وفقهه بين المسائل الفقهية والعلمية.

والحقيقة أن هذه حدّة كبيرة من طرف طنطاوي جوهري تجاه فقهاء المسلمين دفعه إليها تحمسه وتعصبه لهذا الاتجاه العلمي[٤١].

ويعتبر الشيخ الإمام عبد الحميد بن باديس من المؤيدين للتفسير العلمي أيضاً ويرى أن الحقائق العلمية التي اتضحت للعيان وبرزت للوجود هي من أوجه إعجاز القرآن الكريم، فقال: ((القرآن أعجز العرب ببلاغته حتى عرفوا وعرف العلماء بلسانهم المرتاضين ببيانهم أنه ليس مثله من طوق البشر. هذه هي الناحية الظاهرة في إعجاز القرآن والاستدلال به ولمن أتى به صلى الله عليه وسلم.

وهناك ناحية أخرى هي أعظم وأعم: وهي ناحيته العلمية التي يذعن لها كل ذي فهم من جميع الأمم في كل قطر وفي كل زمن: فقد استدل على أن القرآن لا يمكن أن يكون أتى به محمد من عنده، ولا يمكن أن يستعين عليه بغيره، ولا أن يكون من أوضاع الأوائل –بأنه ينطوي على أشياء من أسرار هذا الكون لا يعلمها إلا خالقه: فمن ذلك ما أنبأ به من أسرار الأمم الخالية وبين من أسرار الكتب الماضية، وما أنبأ من أحداث مستقبلية وما ذكر من حقائق كونية كانت لذلك العهد عند جميع البشر مجهولة كالزوجية في كل شيء، وسبح الكواكب في الفضاء، وسير الشمس إلى مستقر مجهول معين عند الله لها، وغير ذلك من أسرار العمران والاجتماع، وما تصلح عليه حياة الإنسان مما تتوالى على تصديقه تجارب العلماء إلى اليوم وإلى ما بعد اليوم. فكتاب اشتمل على كل هذه الأسرار لا يمكن أن يأتي به مخلوق))[٤٢].

ونبه الشيخ ابن باديس في موطن آخر إلى أن القرآن الكريم يشوق الناس إلى البحث عن العلوم الكونية لاستجلاء حقائقها ومنافعها.

فيقول عند تفسيره لقوله تعالى: ﴿أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ﴾[٤٣] ((**تشويق القرآن إلى علوم الأكوان**: من أساليب الهداية القرآنية إلى العلوم الكونية أن يعرض علينا القرآن صوراً من العالم العلوي والسفلي في بيان بديع جذاب، يشوقنا إلى التأمل فيها، والتعمق في أسرارها. وهنا يذكر لنا ما خبأه في السماوات والأرض لنشتاق إليه، وننبعث في البحث عنه واستجلاء حقائقه ومنافعه بدافع غريزة حب الاستطلاع، ومعرفة المجهول. وبمثل هذا انبعث أسلافنا في خدمة العلم واستثمار ما في الكون إلى أقصى ما استطاعوا ومهدوا بذلك السبيل لمن جاء بعدهم، ولن نعز عزهم إلا إذا فهمنا الدين فهمهم وخدمنا العلم خدمتهم))[٤٤]

كذلك فإن الشيخ مصطفى المراغي يُعَد من المؤيدين للتفسير العلمي للقرآن الكريم حيث فسر آيات كثيرة تفسيراً علمياً مبنياً على ما توصل إليه العلم الحديث من حقائق ثابتة أو مما اكتشفه العلماء من نظريات علمية.

وبالتالي فإنك –عندما تقرأ تفسيره– تجده في بعض المواطن يستنبط من الآيات القرآنية إرشادات لأبناء الأمة الإسلامية وعلمائها، يحثهم فيها على ضرورة الاهتمام بالبحث العلمي في طباع

الأحياء، وأجزاء الكون ، وخفايا الكائنات، لزيادة الإيمان بالله وبيان إعجاز القرآن الكريم من الوجه العلمي للوصول إلى أن القرآن هو كلام العليم الخبير.

فمثلاً عند تفسيره لقوله تعالى: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾[٤٥] يقول: ((وهذه الآية ونحوها ترشدنا إلى البحث في طباع الأحياء لنزداد علماً بسنن الله وأسراره في خلقه ونزداد بآياته فيها إيماناً وحكمة وكمالاً وعلماً ونعتبر بحال المكذبين بها الذين لم يستفيدوا مما فضلهم الله به على الحيوان فكانوا أضل من جميع أنواعه التي لا تجني على نفسها ما يجنيه الكافر على نفسه))[٤٦]

وفي تفسيره لقوله تعالى: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾[٤٧] فيقول: ((... وفي ذلك إشارة إلى أن في الوجود أشياء لا تدركها الأبصار. وقد أثبت العلم الحديث بواسطة الآلات التي تكبر الأشياء أضعافاً مضاعفة (المكروسكوبات) أن هنالك أشياء لا يمكن رؤيتها إلا إذا كبّرت عن حقيقتها آلاف المرات كالجراثيم (المكروبات) ولم تكن تخطر على بال في عصر التنزيل، وقد ظهرت للناس الآن فهي من روائع الإعجاز العظيمة الدالة على أنه من كلام العليم الخبير))[٤٨].

ويعتبر حنفي أحمد –أيضاً– من المؤيدين للتفسير العلمي للقرآن الكريم في العصر الحديث، وقد ألف في ذلك كتاباً بعنوان: التفسير العلمي للآيات الكونية في القرآن. دعا فيه إلى استخدام العقل والنظر في الآيات الكونية للقرآن الكريم.

ويرى أن هذه الآيات الكونية وما تنطوي عليه من معاني دقيقة، تدل دلالة واضحة على أنها موجهة إلى أصحاب العقول والعلماء والعارفين بالعلم الحديث، للقيام بكشفها، وبيان مكنونها. ومما ذكره في مقدمته لهذا الكتاب قوله: ((لقد كانت دعوة القرآن دعوة علمية قائمة على تحرير العقول من الأوهام، وإطلاق عقال الفكر وحثّه على النظر في صحف الكون، لذلك نرى الكثير من آيات القرآن تنتهي بمثل قوله تعالى: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾[٤٩] وبقوله: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ﴾[٥٠] وبقوله: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[٥١]. وإن ما تنطوي عليه الآيات الكونية من معانٍ دقيقة ليدل على أنها موجهة إلى أهل النظر والبحث بصفة خاصة وأنهم هم المقصودون بأمر كشفها ومعرفتها لأنهم يملكون بعلمهم وسيلة معرفتها دون سواهم كما لا يمكن معرفة بلاغة الكلام إلا البلغاء ولا يميز الجوهر الثمين من غيره إلا الخبراء))[٥٢].

المبحث الثاني: أبرز المعارضين للتفسير العلمي قديماً وحديثاً

المطلب الأول: أبرز المعارضين للتفسير العلمي قديماً

إن أبرز العلماء المعارضين للتفسير العلمي قديماً هو الإمام الشاطبي[٥٣] –رحمه الله–، فقد تعرض في موافقاته لنقد أصحاب الاتجاه العلمي في تفسير كتاب الله تعالى لأنهم –حسب ماذكر– قد أضافوا إلى القرآن الكريم كل علم يذكر للمتقدمين والمتأخرين من علوم الطبيعات، والرياضيات، والمنطق، وعلم الحروف، وغيرها. ثم أورد أدلتهم ورد عليها، فقال باختصار:

((المسألة الرابعة:

ما تقرر من أمية الشريعة وأنها جارية على مذاهب أهلها –وهم العرب– ينبني عليه قواعد منها: أن كثيراً من الناس تجاوزوا في الدعوى على القرآن الحدّ، فأضافوا إليه كل علم يذكر للمتقدمين أو المتأخرين، من علوم الطبيعات، والتعاليم: المنطق، وعلم الحروف، وجميع ما نظر فيه الناظرون من هذه الفنون وأشباهها...

وربما استدلوا على دعواهم بقوله تعالى: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾[٥٤] وقوله: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾[٥٥] ونحو ذلك، وبفواتح السور –وهي مما لم يعهد عند العرب– وربما نقل عن الناس فيها، وربما حكي من ذلك عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه وغيره أشياء.

فأما الآيات فالمراد بها عند المفسرين ما يتعلق بحال التكليف والتعبد، أو المراد بالكتاب في قوله تعالى: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [٥٦] اللوح المحفوظ, ولم يذكروا فيها ما يقتضي تضمنه لجميع العلوم النقلية والعقلية.

وأما فواتح السور فقد تكلم الناس فيها بما يقتضي أن العرب بها عهداً، كعدد الجمل الذي تعرفوه من أهل الكتاب، حسبما ذكره أصحاب السير، أو هي من المتشابهات التي لا يعلم تأويلها إلا لله تعالى، وغير ذلك. وأما تفسيرها بما لا عهد به فلا يكون، ولم يدّعه أحد ممن تقدم، فلا دليل على ما ادعوا وما ينقل عن علي أو غيره في هذا لا يثبت، فليس جائزاً أن يضاف إلى القرآن ما لا يقتضيه، كما أنه لا يصح أن ينكر منه ما يقتضيه. ويجب الاقتصار –في الاستعانة على فهمه– على كل ما يضاف علمه إلى العرب خاصة، فيه يوصل إلى علم ما أودع من الأحكام الشرعية. فمن طلبه بغير ما هو أداة له ضلّ عن فهمه، وتقوّل على الله ورسوله فيه. والله أعلم وبه التوفيق.))[٥٧].

والحق أن ما ذكره الشاطبي في التفسير العلمي لا يُسلم له بذلك وقد رد عليه الشيخ الطاهر بن عاشور واعتبر الأساس الذي بنا عليه حجته أساساً واهياً من ستة وجوه: **الأول**: أن ما بناه عليه يقتضي أن

القرآن لم يقصد منه انتقال العرب من حال إلى حال وهذا باطل لما قدمناه، قال تعالى﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾[٥٨] **الثاني**: أن مقاصد القرآن راجعة إلى عموم الدعوة وهو معجزة باقية فلا بد أن يكون فيه ما يصلح لأن تتناوله أفهام من يأتي من الناس في عصور انتشار العلوم في الأمة. **الثالث**: أن السلف قالوا: إن القرآن لا تنقضي عجائبه يعنون معانيه ولو كان كما قال الشاطبي لانقضت عجائبه بانحصار أنواع معانيه. **الرابع**: أن من تمام إعجازه أن يتضمن من المعاني مع إيجاز لفظه ما لم تف به الأسفار المتكاثرة. **الخامس**: أن مقدار أفهام المخاطبين به ابتداء لا يقضي إلا أن يكون المعنى الأصلي مفهوما لديهم فأما مازاد على المعاني الأساسية فقد يتهيأ لفهمه أقوام، وتحجب عنه أقوام، و"رب حامل فقه إلى من هو أفقه منه"[٥٩]. **السادس**: أن عدم تكلم السلف عليها إن كان فيما ليس راجعا إلى مقاصده فنحن نساعد عليه، وإن كان فيما يرجع إليها فلا نسلم وقوفهم فيها عند ظواهر الآيات بل قد بينوا وفصلوا وفرعوا في علوم عنوا بها، ولا يمنعنا ذلك أن نقتفي على آثارهم في علوم أخرى راجعة لخدمة المقاصد القرآنية أو لبيان سعة العلوم الإسلامية، أما ما وراء ذلك فإن كان ذكره لإيضاح المعنى فذلك تابع للتفسير أيضاً. لأن العلوم العقلية إنما تبحث عن أحوال الأشياء على ما هي عليه، وإن كان فيما زاد على ذلك فذلك ليس من التفسير لكنه تكملة للمباحث العلمية واستطراد في العلم لمناسبة التفسير ليكون متعاطي التفسير أوسع قريحة في العلوم))[٦٠].

والمطلب الثاني: أبرز المعارضين للتفسير العلمي حديثاً

إذا كانت هناك جماعة من العلماء تؤيد التفسير العلمي وتدافع عنه، فإن هناك جماعة أخرى من أهل العلم تعارض هذا الاتجاه وتعتبره مخالفاً للغرض الذي من أجله أنزل الله تعالى القرآن الكريم.

ومن أبرز هؤلاء المعارضين: الشيخ محمود شلتوت[٦١] والدكتور محمد حسين الذهبي، والدكتور محمد لطفي الصباغ[٦٢]، والدكتور عبد المجيد المحتسب[٦٣]... وحتى يتضح اتجاههم جيداً، أسوق ملخصاً لبعض أقوالهم وآرائهم.

فالشيخ محمد شلتوت يُعَد من أبرز المعارضين للتفسير العلمي في العصر الحديث، وقد صرح برأيه في مقدمة تفسيره حيث اعتبر نظرة هؤلاء الذين ينهجون نهج التفسير العلمي للقرآن الكريم نظرة خاطئة من ثلاث جهات.

أ- من جهة أن القرآن كتاب هداية، ولم ينزله تعالى ليكون كتاباً يتحدث فيه إلى الناس عن نظريات العلوم وأنواع المعارف.

ب- من جهة أن أصحاب هذا الاتجاه يلجؤون إلى تأويل القرآن الكريم تأويلاً متكلفاً يتنافى مع الإعجاز القرآني.

جـ- ومن جهة أن العلوم لا تعرف الثبات ولا القرار فتجعل القرآن متعرضاً للدوران مع نتائج هذه العلوم إن طبقناه عليها[٦٤].

ثم ذكر أن تفسير القرآن على مقتضى النظريات العلمية يعتبر اتجاه خاطئ، وبيَّن جوانب الخطأ فيه فقال:

((جوانب الخطأ في هذا الاتجاه:

هذه النظرة للقرآن خاطئة من غير شك، لأن الله لم ينزل القرآن ليكون كتاباً يتحدث فيه إلى الناس عن نظريات العلوم ودقائق الفنون وأنواع المعارف.

وهي خاطئة من غير شك؛ لأنها تحمل أصحابها والمغرمين بها على تأويل القرآن تأويلاً متكلفاً يتنافى مع الإعجاز، ولا يسيغه الذوق السليم.

وهي خاطئة، لأنها تعرض القرآن للدوران مع مسائل العلوم في كل زمان ومكان، والعلوم لا تعرف الثبات ولا القرار ولا الرأي الأخير، فقد يصح اليوم في نظر العلم ما يصبح غداً من الخرافات.

فلو طبقنا القرآن على هذه المسائل العلمية المتقلبة. لعرضناه للتقلب معها وتحمل تبعات الخطأ فيها، ولأوقفنا أنفسنا بذلك موقفاً حرجاً في الدفاع عنه))[٦٥] .

ويعتبر الدكتور محمد حسين الذهبي —هو الآخر- من المعارضين للتفسير العلمي والمنكرين له. وقد صرح برأيه عندما تكلم عن التفسير العلمي في كتابه "التفسير والمفسرون" حيث تعرض لذكر بعض آراء المؤيدين لهذا الاتجاه من التفسير قديماً، ثم ردَّ عليهم برأي الإمام الشاطبي، وبسط أدلته في إنكاره للتفسير العلمي، وقام بترجيح مذهبه، وانتصر له وأيده واعتبر الحق بجانبه، ثم دعمه بأدلة أخرى من ثلاث نواحي: من الناحية اللغوية، ومن الناحية البلاغية، ومن الناحية الاعتقادية[٦٦].

ومما ذكره في إنكاره للتفسير العلمي قوله:

((ويبدو لنا أن أنصار هذه الفكرة - فكرة التفسير العلمى - لم يقولوا بها، ولم يعملوا على تأييدها إلا بعد أن نظروا إليها كوجه من وجوه إعجاز القرآن الكريم. وبيان صلاحيته للحياة، وتمشيه معها على اختلاف أحوالها وتطور أزمانها. ولكن... إعجاز القرآن غني عن أن يُسلك فى بيانه هذا المسلك المتكلف، الذى قد يُذهب بالإعجاز، وهناك من ألوان الإعجاز غير هذا ما يشهد للقرآن بأنه كتاب الله المنزَّل على محمد صلى الله عليه وسلم.

وإذا كان أرباب هذا المسلك فى التفسير يستندون إلى ما تناولته بعض آيات القرآن من حقائق الكون ومشاهده، ودعوة الله لهم بالنظر في كتاب الكون وآياته التي بثَّها في الآفاق وفي أنفسهم، إذا كانوا يستندون إلى مثل هذا فى دعواهم أن القرآن قد جمع علوم الأوَّلين والآخرين، فهم مخطئون ولا شك، وذلك لأن تناول القرآن لحقائق الكون ومشاهده، ودعوته إلى النظر فى ملكوت السموات والأرض وفى أنفسهم، لا يُراد منه إلا رياضة وجدانات الناس، وتوجيه عامتهم وخاصتهم إلى مكان العظة والعبرة، ولفتهم إلى آيات قدرة الله ودلائل وحدانيته، من جهة ما لهذه الآيات والمشاهد من روعة في النفس وجلال في القلب، لا من جهة ما لها من دقائق النظريات وضوابط القوانين، فليس القرآن كتاب فلسفة أو طب أو هندسة..))[٦٧].

وبعد أن عرَّف الدكتور محمد لطفي الصباغ التفسير العلمي، تطرق إلى بيان رأيه فيه، فذكر بأن هذا التفسير يعتمد على التوسع في مدلول الكلمات، والآيات القرآنية، وأن أصحابه يعتقدون أن الإعجاز القرآني إنما يتحقق بالإعجاز العلمي! كما اعتبر أن سبب بروز هذا الجانب التفسيري في العصر الحديث هو نتيجة انبهار أصحابه بالحضارة الأوربية، ثم صرح برأيه، معتبراً هذا الاتجاه من التفسير غير سديد ولا يمكن الاعتماد عليه، لأن العلم في قلق وتغير دائم. ومما ذكره في هذا المقام قوله: ((ويعتمد هذا التفسير على التوسع في مدلول الكلمات، والآيات القرآنية، والاستيحاء من الكلمة منقطعة عن سياقها في الآية أحياناً، والاعتماد على الإشارات من هنا ومن هناك أحياناً أخرى، ويذهب القائلون به إلى أن الإعجاز إنما يتحقق في الإعجاز العلمي، ويقررون بأسلوب خطابي أن كثيراً من النظريات العلمية الحديثة التي تفتق عنها الذهن البشري المعاصر بعد أجيال من الخبرة والمعرفة، وركام من التجارب، قد سبق إليها القرآن قبل بضعة عشر قرناً وأشار إليها، ويحاولون الاستدلال بتحميل الألفاظ فوق ما تحمل ويتكلفون لذلك ويتمحلون.

كان الاهتمام بهذا اللون من التفسير نتيجة لانبهار نفر منا بضياء الحضارة الأوروبية، التي فتحنا أعيننا على مخترعاتها وثمرات علومها، فذهب هذا النفر يلتمس إشارات ذلك في القرآن ويدعو إلى فهم القرآن على ضوء النظريات الحديثة، كأن ما وصلت إليه هذه الحضارة حقائق ثابتة.

ومن أبرز هؤلاء الشيخ طنطاوي جوهري في تفسيره... والحق أنَّ هذا الاتجاه من التفسير غير سديد، وذلك لأن العلم في قلق وتغير دائم، وتطور مستمر، ينقض اليوم ما أقره بالأمس، والحقائق العلمية تبقى ثابتة في نظر العلماء حتى تدحضها حقائق أخرى، أما الفرضيات والنظريات فهي منذ أول وهلة في نظرهم لا تعد من الحقائق في شيء))[٦٨].

كما يعتبر الدكتور عبد المجيد المحتسب –هو كذلك– من المنكرين للتفسير العلمي حديثاً. فهو يرى أن القرآن الكريم ليس كتاب علم مثل الذرة والكيمياء والفيزياء والهندسة والفلك، بل هو كتاب هداية ورحمة، فلا ينبغي إخضاع الآيات القرآنية للعلوم الكونية والطبيعة وغيرها... ومما ذكره في ذلك قوله:

((إنني أنكر نزعة التفسير العلمي للقرآن الكريم ولا أسوِّغ إخضاع الآيات القرآنية للعلوم الكونية والطبيعية البتة، ولا أوافق الذين يستخرجون النظريات العلمية من الآيات القرآنية، لأن القرآن الكريم ليس كتاب علم مثل الكيمياء والذَّرة والهندسة والفلك والفيزياء وغير ذلك، وإنما هو كتاب أنزله الله تعالى على رسوله محمد عليه الصلاة والسلام ليكون هدًى ورحمة للناس. هو كتاب الإسلام الذي يشتمل على العقيدة الإسلامية التي ينبثق عنها نظام ينظّم علاقة الإنسان بخالقه "العبادات" وينظم علاقة الإنسان بنفسه "المطعومات والملبوسات" وعلاقته بغيره من بني الإنسان "المعاملات"))[٦٩].

وبعدما صرح بإنكاره للتفسير العلمي للقرآن الكريم راح يدلل على ما ذهب إليه بأربعة أدلة أسهب في ذكرها وبيانها[٧٠].

رأيي في التفسير العلمي

بعد أن عرفنا آراء المؤيدين والمعارضين للتفسير العلمي قديماً وحديثاً وبعد أن وقفنا على أدلة كل فريق من هذين الفريقين المتعارضين، يجدر بي الآن أن أبين رأيي في التفسير العلمي، فأقول:

إن رأيي وسط بين المؤيدين والمعارضين، فلا أأيده مطلقاً ولا أعارضه تماماً، بل أقبله بشروط وهي:

١- أن يفسر القرآن الكريم بحقائق علمية لا تقبل التبديل والتغيير.

٢- ألا نقطع برأي في تفاصيل ما يعرض له القرآن من الكونيات إلا إن كان لنا عليه دليل وبرهان لا شك فيه ولا نكران.[٧١]

٣- ألّا تطغى مباحث التفسير العلمي على أهم خاصيتين للقرآن الكريم وهما هدايته وإعجازه.

٤- أن تذكر تلك الأبحاث على وجه يدفع المسلمين إلى النهضة العلمية ويلفتهم إلى جلال القرآن ويحركهم إلى الانتفاع بالكون[٧٢].

٥- أن تستغل هذه الأبحاث العلمية في إثبات وحدانية الله تعالى وعلمه وقدرته وإضافة أمثلة جديدة للإعجاز العلمي في القرآن الكريم.

الخاتمة

ختاماً لهذا البحث، أورد النتائج التالية:

أولاً: المراد بالتفسير العلمي: هو اجتهاد المفسر في كشف الصلة بين آيات القرآن الكريم الكونية ومكتشفات العلم التجريبي على وجه يظهر به إعجاز القرآن يدل على مصدره، وصلاحيته لكل زمان ومكان.

ثانياً: التفسير العلمي والإعجاز العلمي بينهما عموم وخصوص فكل إعجاز علمي هو تفسير علمي وليس كل تفسير علمي إعجازاً علمياً، كذلك فإن التفسير العلمي هو الكشف عن معاني الآية أو الحديث في ضوء الاكتشافات العلمية الحديثة سواء كانت نظريات أو حقائق علمية، أما الإعجاز العلمي فهو إخبار القرآن الكريم أو السنة النبوية بحقيقة أثبتها العلم التجريبي أخيراً وثبت عدم إمكانية إدراكها بالوسائل البشرية في زمن الرسول صلى الله عليه وسلم.

ثالثاً: إن أبرز علماء الفريق المتحمس والمؤيد للتفسير العلمي في العصور المتقدمة، هم: الإمام الغزالي، والإمام فخر الدين الرازي، والإمام الزركشي، والإمام السيوطي.

رابعاً: من أبرز العلماء المؤيدين للتفسير العلمي في العصر الحديث هم: طنطاوي جوهري، وعبد الحميد بن باديس، وأحمد مصطفى المراغي، وحنفي أحمد، وزغلول النجار، وعبد المجيد الزنداني. ويعتبر طنطاوي جوهري رأس المفسرين المؤيدين للتفسير العلمي للقرآن الكريم حديثاً ومن أبرز المنادين به.

خامساً: إن أبرز العلماء المعارضين للتفسير العلمي قديماً هو الإمام الشاطبي.

سادساً: من أبرز المعارضين للتفسير العلمي حديثاً: الشيخ محمود شلتوت والدكتور محمد حسين الذهبي، والدكتور محمد لطفي الصباغ، والدكتور عبد المجيد المحتسب

سابعاً: يقبل التفسير العلمي بشروط، وهي:

١- أن يفسر القرآن الكريم بحقائق علمية لا تقبل التبديل والتغيير.

٢- ألا نقطع برأي في تفاصيل ما يعرض له القرآن من الكونيات إلا إن كان لنا عليه دليل وبرهان لا شك فيه ولا نكران.

٣- ألّا تطغى مباحث التفسير العلمي على أهم خاصيتين للقرآن الكريم وهما هدايته وإعجازه.

٤- أن تذكر تلك الأبحاث على وجه يدفع المسلمين إلى النهضة العلمية ويلفتهم إلى جلال القرآن ويحركهم إلى الانتفاع بالكون

٥- أن تستغل هذه الأبحاث العلمية في إثبات وحدانية الله تعالى وعلمه وقدرته وإضافة أمثلة جديدة للإعجاز العلمي في القرآن الكريم.

الهوامش

١- سورة البقرة، ٢: ١ — ٢.

٢- سورة الإسراء، ١٧: ٩.

٣- هو الأستاذ الدكتور محمد حسين الذهبي. مصري ولد سنة ١٩١٥م واغتيل سنة ١٩٧٧م. من آثاره كتاب: التفسير والمفسرون.انظر الموسوعة الحرة على شبكة الإنترنت. www.wikipidia.org

٤ - التفسير والمفسرون لمحمد حسين الذهبي. ج٢ ص٣٤٩. ط٧ س١٤٢١هـ - ٢٠٠٠م نشر مكتبة وهبة القاهرة مصر.

٥ - هو الأستاذ الدكتور محمد بن لطفي بن عبد اللطيف ياسين الصباغ، من سوريا ويقيم بالرياض في المملكة العربية السعودية. (معاصر) له أكثر من ثلاثين كتاباً بين تأليف وتحقيق.

٦ -لمحات في علوم القرآن. تأليف الدكتور محمد بن لطفي الصباغ. ص ٢٩٣ ط٣ س١٤١٠هـ -١٩٩٠م. المكتب الإسلامي. بيروت- لبنان.

٧ - هو الأستاذ الدكتور عبد المجيد عبد السلام سالم المحتسب. عمل أستاذاً بالجامعة الأردنية. توفي رحمه الله في شهر سبتمبر ٢٠١١م. من آثاره: اتجاهات التفسير في العصر الراهن. انظر منتدى الناقد الإعلامي على شبكة الإنترنت.

٨ -اتجاهات التفسير في العصر الراهن للدكتور عبد المجيد عبد السلام المحتسب. ص٢٤٧ ط٢ س ١٤٠٠هـ - ١٩٨٠م. منشورات مكتبة النهضة الإسلامية عمان — الأردن.

٩ - هو الأستاذ الدكتور فهد بن عبد الرحمن بن سليمان الرومي. أستاذ الدراسات القرآنية في كلية إعداد المعلمين بالرياض. معاصر.

١٠ - اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر للدكتور فهد بن سليمان الرومي. ج٢ ص٥٤٩. ط١ س١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م بإذن رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد في المملكة العربية السعودية.

١١ - هو أبو علي الحسين بن عبد الله بن سينا. فيلسوف وطبيب مسلم، يلقب بالشيخ الرئيس. ولد في أفشنة قرب بخارى سنة٣٧٠هـ - ١٠٣٧م ودفن في همذان وقدجاوزت مصنفاته المائتين. انظر الموسوعة العربية الميسرة والموسعة. تأليف ياسين صلاواتي مج١،ص٨٤. ط١س١٤٢٢هـ-٢٠٠١م. مؤسسة التاريخ العربي بيروت-لبنان.

١٢ - إخوان الصفا هم جماعة سرية، دينية وسياسية وفلسفية، شيعية أو إسماعيلية باطنية. عاشوا بالبصرة في النصف الثاني من القرن الرابع الهجري جمعوا معارف عصرهم العلمية والفلسفية والدينية في رسائل تزيد على الخمسين. انظر المرجع السابق ج١، ص٢٥٨.

١٣ - إتجاهات التفسير لفهد الرومي، ج٢ ص٥٤٩.

١٤ - إتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر لفهد الرومي، ج٢، ص٥٤٩-٥٥٠.

١٥ -الإعجاز العلمي في القرآن الكريم. الموسوعة الحرة ar.wikipidia.org/wiki .

١٦ –مدخل إلى دراسة الإعجاز العلمي في القرآن الكريم والسنة النبوية المطهرة للأستاذ الدكتور زغلول النجار ص١٣١ ط١ س١٤٣٠هـ – ٢٠٠٩م. دار المعرفة. بيروت — لبنان.

١٧ – الإعجاز العلمي في القرآن والسنة لنايف منير فارس ص١٥ ط١ س٢٠٠٦م. دار ابن حزم.

١٨– هو محمد بن محمد الغزالي الطوسي. أبو حامد حجة الإسلام. فيلسوف متصوف له نحو مئتي مصنف. مولده ووفاته في الطابران. ولد سنة ٤٥٠هـ – ١٠٥٨م. وتوفي سنة ٥٠٥هـ – ١١٠٠م. انظر الأعلام لخير الدين الزركلي. ج٧ ص٢٤٧–٢٤٨ . ط ١٦ سنة ٢٠٠٥م. درا العلم للملايين. بيروت–لبنان.

١٩ – هو محمد بن عمر فخر الدين الرازي أبو عبد الله، الإمام المفسر المتكلم. ولد بالري سنة ٥٤٤هـ وتوفي في هراة سنة ٦٠٦هـ. من آثاره: مفاتيح الغيب في تفسير القرآن. انظر معجم المفسرين لعادل نويهض ج٢ ص٥٩٦ مؤسسة نويهض للتأليف والترجمة والنشر بدون تاريخ.

٢٠ –هو محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي — الشافعي (بدر الدين أو الحسن) فقيه، أصولي، محدث. ولد سنة ٧٤٥هـ – ١٢٤٤م. وتوفي سنة ٧٩٤هـ – ١٣٩٢م. من تصانيفه: البرهان في علوم القرآن. انظر معجم المؤلفين لعمر رضا كحالة، ج١٠، ص٢٠٥. دار إحياء التراث العربي.

٢١ – هو عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين أبو الفضل السيوطي. ولد في رجب سنة ٨٤٩هـ وتوفي سنة ٩١١هـ. أنظر معجم المؤلفين لعمر رضا كحالة. ج٥ ص١٢٨. دار إحياء التراث العربي. بيروت–لبنان. بدون تاريخ.

٢٢ – انظر إحياء علوم الدين للإمام أبي حامد الغزالي، مج١ ص٣٤١ ط١ س١٤٠٦ — ١٩٨٦م. مط دار الكتب العلمية بيروت — لبنان.

٢٣ – سورة الأعراف، ٧: ٥٤.

٢٤ – سورة ق، ٥٠: ٦.

٢٥ – سورة غافر، ٤٠: ٥٧.

٢٦ – سورة الذاريات، ٥١: ٢١.

٢٧ – سورة آل عمران، ٢: ١٩١.

٢٨ – مفاتيح الغيب لفخر الدين الرازي ج١٤ ص٩٩ ط١ ش١٤٢١هـ – ٢٠٠٠م. دار الكتب العلمية.بيروت لبنان.

٢٩ – سورة المنافقون، ٦٣: ١١.

٣٠ – سورة مريم، ١٩:٣٣.

٣١ – البرهان في علوم القرآن للإمام الزركشي، تحقيق أبو الفضل إبراهيم، ج٢ ص١٨١–١٨٢ ط٢ مط: عيسى البابي الحلبي وشركاؤه. بدون تاريخ.

٣٢ – سورة الأنعام، ٦: ٣٨.

٣٣ – سورة النحل، ١٦: ٨٩.

٣٤ – أخرجه الترمذي في سننه. كتاب: فضائل القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. باب ما جاء في فضل القرآن. قال أبو عيسى: هذا الحديث لا نعرفه إلا من هذا الوجه وإسناده مجهول وفي الحارث مقال. ج٥ ص١٧٢. دار إحياء التراث العربي. بيروت — لبنان.

٣٥ – أخرجه البيهقي في شعب الإيمان. باب فصل في تعاليم القرآن. ج٢ ص٣٣١. ط١ س١٤١٠هـ . دار الكتب العلمية بيروت–لبنان.

٣٦ – انظر الإتقان في علوم القرآن للسيوطي. تح: محمد أبو الفضل إبراهيم. مج٥، ص٢٤–٣٧. ط س ١٤١٨هـ – ١٩٩٧م. المكتبة العصرية للطباعة والنشر. بيروت– لبنان.

٣٧ – هو طنطاوي بن جوهري المصري. ولد سنة ١٨٧٠م، وتوفي بالقاهرة سنة ١٩٤٠م، كان له اشتغال بالتفسير والعلوم الحديثة. انظر الأعلام للزركلي. ج٣ ص٢٣٠–٢٣١.

٣٨ – هو عبد الحميد بن محمد المصطفى بن مكي بن باديس، ولد سنة ١٣٠٨هـ بمدينة قسنطينة الواقعة بالشرق الجزائري. عالم بالتفسير والحديث.. ورائد الإصلاح والتربية في الجزائر. توفي سنة ١٣٥٩هـ. انظر معجم أعلام الجزائر لعادل نويهض. ص٢٨–٢٩. ط٢ س١٤٠٠هـ – ١٩٨٠م. مؤسسة نويهض الثقافية للتأليف والترجمة والنشر. بيروت — لبنان.

٣٩ – هو أحمد بن مصطفى المراغي. مفسر مصري من العلماء. تخرج بدار العلوم سنة ١٩٠٩م وتوفي بالقاهرة سنة ١٩٥٢م. انظر الأعلام للزركلي. ج١. ص٢٥٨.

٤٠ – الجواهر في تفسير القرآن الكريم لطنطاوي جوهري. مج١٣، ج٢٥. ص٦٣. ط ١ س١٤٢٥هـ – ٢٠٠٤م. دار الكتب العلمية. بيروت–لبنان.

٤١ – انظر المرجع السابق. مج٢. ج٣. ص٢٣–٢٤.

٤٢ – تفسير ابن باديس. ص٢١٢. منشورات مؤسسة المعارف. وهران–الجزائر.

٤٣ – سورة النمل، ٢٧: ٢٥.

٤٤ – تفسير ابن باديس. ص٣٥٠.

٤٥ – سورة الأنعام، ٦: ٣٨.

٤٦ – تفسير المراغي. مج٣، ج٧، ص١١٨. مط دار الفكر. بيروت–لبنان.

٤٧ – سورة يونس، ١٠: ٦١.

٤٨ – تفسير المراغي. مج٤. ج١١. ص١٢٨.

٤٩ – الأنعام، ٦: ٩٧.

٥٠ – الأنعام، ٦: ٩٨.

٥١ – سورة الرعد، ١٣: ٣.

٥٢ – التفسير العلمي للآيات الكونية في القرآن لحنفي أحمد. ص٠٦ ط٣. دار المعارف. مصر.

٥٣ – هو إبراهيم بن موسى بن محمد اللحفي الغرناطي الشهير بالشاطبي. أصولي حافظ. كان من أئمة المالكية. من كتبه: الموافقات في أصول الشريعة. توفي سنة ٧٩٠هـ – ١٣٨٨م. انظر الأعلام للزركلي. ج١ ص٧١.

٥٤ – سورة النحل، ١٦:٨٩.

٥٥ – الأنعام، ٦: ٣٨.

٥٦ – الأنعام، ٦: ٣٨.

٥٧ – الموافقات في أصول الشريعة للشاطبي. مج١، ج٢. ص٦٠-٦٢. ط٣ س١٤٢٤- ٢٠٠٣م. مط: دار الكتب العلمية. بيروت-لبنان.

٥٨ – سورة هود، ١١: ٤٩.

٥٩ – أخرجه ابن ماجة في سننه. باب من بلغ علماً. ج١ ص٨٤. قال الشيخ الألباني في الحاشية: صحيح. دار الفكر. بيروت- لبنان.

٦٠ – التحرير والتنوير لابن عاشور ج١ ص٤٢، ٤٣. ط١ س١٤٢٠هـ - ٢٠٠٠م. مؤسسة التاريخ. بيروت — لبنان.

٦١ – هو الشيخ محمد شلتوت من أعلام الأساتذة الذين نالوا حظاً كبيراً من العلوم الإسلامية. مصري، ولد سنة ١٣١٠هـ - ١٨٩٣م، وعين شيخاً للأزهر في سنة ١٩٥٨م إلى وفاته —رحمه الله- سنة ١٣٨٣هـ - ١٩٦٣م. له عدة مؤلفات مطبوعة منها: الإسلام عقيدة وشريعة، والتفسير، كتب أجزاءً منه ولم يتمه. انظر معجم تفاسير القرآن الكريم. تأليف عبد القادر زمامة، د/فاضل عبدالنبي، د/ عبد الوهاب التازي، د/ محمد الكتاني. ص٣٨٣. ط س١٤١٧هـ - ١٩٩٧م. مط:إيديال. الدار البيضاء-المغرب.

٦٢ – هو الأستاذ الدكتور محمد بن لطفي بن عبد اللطيف ياسين الصباغ، من سوريا ويقيم بالرياض في المملكة العربية السعودية. (معاصر) له أكثر من ثلاثين كتاباً بين تأليف وتحقيق.

٦٣ – هو الأستاذ الدكتور عبد المجيد عبد السلام سالم المحتسب. عمل أستاذاً بالجامعة الأردنية. توفي رحمه الله في شهر سبتمبر ٢٠١١م. من آثاره: اتجاهات التفسير في العصر الراهن. انظر منتدى الناقد الإعلامي على شبكة الإنترنت.

٦٤ – أنظر تفسير القرآن الكريم لمحمود شلتوت. ص١١ ط٧ س١٩٧٩م. دار الشروق. بيروت-لبنان.

٦٥ – تفسير القرآن الكريم لمحمود شلتوت. ص١٣-١٤.

٦٦ – انظر التفسير والمفسرون لمحمد حسين الذهبي. ج٢ ص٣٦١-٣٦٢.

٦٧ – التفسير والمفسرون لمحمد حسين الذهبي. ج٢ ص٣٦١-٣٦٢.

٦٨ – لمحات في علوم القرآن للدكتور محمد لطفي الصباغ. ص٢٩٣-٢٩٤.

٦٩ – اتجاهات التفسير في العصر الراهن للدكتور عبد المجيد المحتسب. ص٣١٤. ط٢ ١٤٠٠هـ-١٩٨٠م. منشورات مكتبة النهضة الإسلامية. عمان-الأردن.

٧٠ – أنظر اتجاهات التفسير في العصر الراهن لعبد المجيد المحتسب. ص٣١٤-٣٢٣.

٧١ – أنظر مناهل العرفان في علوم القرآن للشيخ الزرقاني. مج٢ ص٣٥٧ — ٣٥٨. ط١٤٠٨هـ - ١٩٨٨م. دار الفكر. بيروت-لبنان.

٧٢- أنظر اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر للدكتور فهد الرومي. ج٢ ص٦٠٤.

الشيخ الطنطاوي وأخذه بالمأثور في تفسيره

(الجواهر في تفسير القرآن الكريم)

Sheikh Tantawi and his dealing with Intertextual Exegesis in his Tafsir "Al-Jawahir fi Tafsir Al-Quran"

الدكتور طاهر محمود*

Abstract

The general perception about Sheikh Tantawi's "Al-Jawahir fi Tafsir Al-Quran" is that it has everyting axcept Tafsir as like the saying about Tafsir Mafatikh ul Ghaib by Imam Razi. This article does not negate this perception as whole but it explores another aspect of Tantawi's Tafsir through many examples of intertextual exegesis in "Al-Jawahir".

Tantawi was an Egyptian Scholar studied at Al-Azhar University and completed his study from Darul uloom. Meanwhile he has been busy in the field of agriculture and kept thinking about the various phenomenon of nature that provided him a base to set a scientific trend towards the exegesis of the Holy Qur'an.

As there are four kinds of Tafsir bil Mathur(intertextual exegesis): 1. Tafsir ul Qura'n with Qura'n, 2. Tafsir ul Qura'n with Sunnah(Saying of Prophet(ﷺ), 3. Tafsir ul Qura'n with saying of Sahaba 4. Tafsir ul Qura'n with saying of Tabi'een, Sheikh Tantawi Jouhari dealt with all kinds of intertextual exegesis in his tafsir to explain the verses of the Holy Qura'n.

أ – التعريف بالشيخ الطنطاوي

ولادته

ولد الطنطاوي في قرية "عوض الله حجازي" من قرى "الشرقية" بمصر في سنة ١٢٨٧هـ ١٨٧٠م[١].

---

* الأستاذ المساعد بقسم الدراسات الإسلامية بجامعة أردو الفيدرالية للفنون والعلوم والتكنالوجيا، بإسلام آباد، باكستان.

قال المرعشلي :وعوض الله حجازي جد المترجم له لأمه من قرى الشرقية بمصر[٢].

تعليمه

تعلم في الأزهر مدة ثم في المدرسة الحكومية[٣] اشتغل في مبدأ أمره بالأعمال الزراعية تعلم مبادئ العلم في كتاب بلدة " الفار" بلدة جدته لأمه ثم التحق بالجامع الأزهر وتلقى العلم على علماء عصره ثم دخل دار العلوم وتخرج منها سنة ١٨٩٣م[٤].

عمله

عني بدراسة الإنكليزية ومارس التعليم في بعض المدارس الابتدائية.ثم في مدرسة دار العلوم. وألقى محاضرات في الجامعة المصرية، وناصر الحركة الوطنية، فوضع كتابا في ((نهضة الأمة وحياتها)) نشره تباعا في جريدة اللواء وانقطع للتأليف[٥].

عين مدرساً بمدرسة دمنهور، ثم بالمدارس الابتدائية، ثم بدار العلوم، ثم بالمعلمين الناصرية، ثم بالخديوية، ثم بالجامعة المصرية، وتعلم اللغة الإنجليزية وهو مدرس بالخديوية وتولى رئاسة جمعية المواساة الإسلامية ورئاسة جريدة ((الإخوان المسلمين)) الأسبوعية، سنة ١٣٥٥هـ[٦].

وفاته

توفي الطنطاوي رحمه الله في ١٣٥٨هـ.

ثناء العلماء عليه

قال الزركلي: "فاضل، له اشتغال بالتفسير والعلوم الحديثة"[٧].

قال كحالة: "عالم، حكيم، أديب، مشارك في أنواع من العلوم"[٨].

وقال سركيس: " من الكتاب والشعراء المجيدين في هذا العصر ومن أساتذة مدرسة دار العلوم بالقاهرة"[٩].

وقال المرعشلي: " وكان من المشتغلين بالعلم والأدب والفلسفة والتفسير والتأليف"[١٠].

وقال رجاء النقاش:" رجل غزير العلم،وصاحب منهج جديد في النظر إلى الإسلام"[١١].

وقال أيضا: "والحقيقة أن الشيخ طنطاوي جوهري لم يكن أزهريا بالمعني التقليدي بل كان عالما عظيما مجددا "[١٢].

ب– التعريف بالتفسير

إسمه

الجواهر في تفسير القرآن الكريم المشتمل على عجائب بدائع المكوّنات وغرائب الآيات الباهرات.

حجمه

قال الزركلي:" في ٢٦ جزءا "[١٣].

وقال المرعشلي:" تفسير القرآن في (٢٤) جزءا "[١٤].

الطبعة المعتمدة

الطبعة الّتي اعتمدت عليها هي طبعة مطبعة مصطفى البابى الحلبى واولاده بمصر واستخرجت الأمثلة من ثلاثة أجزاء:الثاني عشر، (جمادي الثانية ١٣٤٧) السادس عشر، (شوال ١٣٤٨) الثامن عشر(ربيع الأول ١٣٤٩).

أقوال العلماء فيه

قال الزركلي عن تفسيره ما نصه: "نحا فيه منحى خاصا ابتعد في أكثره عن معنى التفسير وأغرق في سرد أقاصيص وفنون عصرية وأساطير"[١٥].

وقال فيه د. محمد حسين الذهبي . رحمه الله: " لقد وضع المؤلف في تفسيره هذا ما يحتاجه المسلم من الأحكام، والأخلاق، وعجائب الكون، وأثبت فيه غرائب العلوم وعجائب الخلق، مما يَشوِّق المسلمين والمسلمات – كما يقول – إلى الوقوف على حقائق معانى الآيات البيِّنات في الحيوان والنبات، والأرض والسموات .

هذا وإن المؤلف – رحمه الله – ليقرر في تفسيره أن في القرآن من آيات العلوم ما يربو على سبعمائة وخمسين آية، في حين أن علم الفقه لا تزيد آياته الصريحة على مائة وخمسين آية، كما يقرر: "أن الإسلام جاء لأُمم كثيرة، وأن سور القرآن متممات لأُمور أظهرها العلم الحديث".

وكثيراً ما نجد المؤلف – رحمه الله – في تفسيره يهيب بالمسلمين أن يتأملوا في آيات القرآن التي ترشد إلى علوم الكون، ويحثهم على العمل بما فيها، ويندد بمن يُغفل هذه الآيات على كثرتها، وينعى على مَن أغفلها من السابقين الأوَّلين، ووقف عند آيات الأحكام وغيرها مما يتعلق بأُمور العقيدة"[١٦].

ثم ذكر الدكتور محمد حسين الذهبي في آخر بحثه عن تفسير الجواهر حيث يقول: "والكتاب – كما ترى – موسوعة علمية، ضربت في كل فن من فنون العلم بسهم وافر، مما جعل هذا التفسير يُوصف بما وُصِف به تفسير الفخر الرازي، فقيل عنه: ((فيه كل شيء إلا التفسير)) بل هو أحق من تفسير الفخر بهذا الوصف وأولى به، وإذا دلَّ الكتاب على شيء، فهو أن المؤلف رحمه الله كان كثيراً ما يسبح في ملكوت السموات والأرض بفكره، ويطوف في نواح شتَّى من العلم بعقله وقلبه، ليُجلى للناس آيات الله في الآفاق وفى أنفسهم، لم ليُظهر لهم بعد هذا كله أن القرآن قد جاء متضمناً لكل ما جاء ويجيء به الإنسان من علوم ونظريات، ولكل ما اشتمل عليه الكون من دلائل وأحداث، تحقيقاً لقول الله تعالى في كتابه: ﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ﴾[١٧] ولكن هذا خروج بالقرآن عن قصده، وانحراف به عن هدفه، وقد عرفت رأينا في المسألة فلا نعيده "[١٨].

ذكر الذهبي بعض العلماء المعاصرين الذين لم يوافقوا هذا اللون من التفسير وهم الشيخ محمود شلتوت، أمين الخولي والسيد رشيد رضا ويذكر أخيراً.. "فهذا هو شيخنا العلامة الأستاذ الأكبر الشيخ محمد مصطفى المراغى – رحمه الله رحمة واسعة – نجده في تقريظه لكتاب ((الإسلام والطب الحديث)) لا يرضى عن هذا المسلك في التفسير، رغم أنه مدح الكتاب وأشاد بمجهود مؤلفه، وذلك حيث يقول: "لست أريد من هذا – يعنى ثناءه على الكتاب ومؤلفه – أن أقول: إن الكتاب الكريم اشتمل على جميع العلوم جملة وتفصيلاً بالأسلوب التعليمي المعروف، وإنما أريد أن أقول إنه أتى بأُصول عامة لكل ما يهم الإنسان معرفته به، ليبلغ درجة الكمال جسداً وروحاً، وترك الباب مفتوحاً لأهل الذِكر من المشتغلين بالعلوم المختلفة، ليبينوا للناس جزئياتها بقدر ما أُوتوا منها في الزمان الذي هم عائشون فيه".

وفى موضع آخر يقول: "يجب أن لا نجر الآية إلى العلوم كي نُفسِّرها، ولا العلوم إلى الآية، ولكن إن اتفق ظاهر الآية مع حقيقة علمية ثابتة فسرناها بها."

ومن هذا كله يتبين أن التفسير العلمي في العصر الحديث إن كان قد لقى قبولاً ورواجاً عند بعض العلماء، فإنه لم يلق مثل هذا القبول والرواج عند كثير منهم، وقدعلمتَ فيما سبق أي الرأيين أقرب إلى الحق وأحرى بالقبول "[١٩].

وقال الباحث أنور يوسف في رسالته " طنطاوي جوهري، ومنهجه في التفسير:

"بعد أن وقفنا طويلاً على تفسير الجواهر ومضامينه، وعشنا بين جنباته وصفحاته، وأفكاره وآرائه، صار لزاماً علي أن أقول رأيي فيه، وكم ترددت في ألاّ أصدر حكماً أراه الأخير في هذا البحث، لكن خطورة وأهمية الموضوع والأمانة الشرعية فرضت عليّ أن أذكر قناعاتي المتواضعة اتجاه هذا التفسير، والله من وراء القصد.

أولاً: لقد كان تفسير الجواهر نتاج مرحلة قلقة عاشت الأمة الإسلامية، وظروف قاسية هيمنت على جل العالم الإسلامي ومنه مصر، لذلك حاول الشيخ طنطاوي أن يمد يد العون، حتى يرفع شأن الأمة ما استطاع، وقد أوصله اجتهاده إلى العلم طريق الخلاص، لكنه أخطأ الطريق حينما سخر القرآن الكريم من أجل نشر العلم وتعليم المسلمين.

وفي رأيي أنه لم يوفق في الوصول إلى هدف القرآن، كما أنه لم يوفق في تحديد الوسيلة المناسبة لعرض آرائه وأفكاره، وكنا نود لو أنه صنف كتاباً أو كتباً خاصة تتضمن هذه الآراء والأفكار.

ثانياً :إن تفسير الجواهر يمثل اتجاهاً موازياً لمدرسة فكرية قديمة ، كان روادها من الفلاسفة الذين حالوا التوفيق بين الدين والفلسفة ، على أثر انبهار أولئك من الفلسفة اليونانية حينما ترجمت كتبها إلى العربية وغزت العالم الإسلامي.

وهكذا يعيد التاريخ نفسه، فحينما ذهل المسلمون من التفوق العلمي الذي نهض في أوربا راحوا يسعون إلى التوفيق بين الدين والعلم، وبهذا يكون العلم الحديث قد حلّ مكان الفلسفة في الاتجاه المعاصر.

ثالثاً : يلاحظ أن تفسير الجواهر جاء يخاطب عصره لا أكثر، لأنه محمّل بطبيعة ذلك العصر وأحواله ومشكلاته، ولقد أضعف ذلك صلاحية التفسير لزمن تجاوز زمن المؤلف أو تجاوز المشكلات التي ذكرها بعد أن تمّ حلها.ولئن كان للجواهر شهرة في عصره أو كان ذا تأثير قوي .

بخاصة . خارج مصر؛ فإننا نلمح فعاليته تكاد تتلاشى في هذا الزمن الذي تجاوز دعوة الشيخ، ولعل من دلائل ما أقول انصراف العلماء والناس عنه إلى حد بعيد.

رابعاً :لقد قضى الشيخ الطنطاوي . رحمه الله . سنوات من عمره في تحضير وتحبير تفسيره، ربما ضاع معظمها سدى . والأجر من الله . لأنه لم يأت بجديد على تفسير الأولين، بل خرج عن مناهج السلف في تفسير كتاب الله تعالى.

ولأن الجديد الذي فيه من العلوم هي علوم موجودة في كتب العلم لم يخترعها الشيخ ولا أبدع فيها، و إنما ساقها إلى غير أماكنها المعهودة في كتاب الله الذي لم يأت موسوعة للعلم ونظرياته وتجاربه، ولم يكن ولن يكون حقلاً للعلوم البشرية المضطربة.

خامساً :إن طنطاوي لم يقدم لنا تفسيراً كاملاً للقرآن بجهده وفكره، ولو أنه جعل من تفسير آيات العلوم التي رآها كتاباً سماه مثلاً تفسير آيات العلوم أو أي اسم يشابه ذلك لكان أولى.

سادساً :أرى أنه لا يمكن اعتماد تفسير الجواهر على أنه تفسير يعتد بما فيه لأنه ترك التفسير بالمأثور، وغالى في الاعتماد على العقل فأكثر من التفسير برأيه وخالف قواعد التفسير. لكنّه يصلح أن تؤخذ منه بعض اللطائف الجيدة . بعد التأكد من صحتها . وبعض الموضوعات التي أجاد فيها.

سابعاً :يظهر لي من خلال دراسة شخصية طنطاوي وآثاره أنه كان حسن النية فيما ذهب إليه، وأن تفسيره كان اجتهاداً اجتهده، ورأيا رآه وأجره عند ربه.لكن طيب النية التي مجالها الآخرة . لايغير شيئاً مما أخذه العلماء على تفسيره، أو مما نقدته به"[٢٠].

تعريف التفسير بالمأثوروأهميته

القرآن الكريم كتاب الله المعجز مشتملة على الأمور الكلية والقواعد العامة تشير إلى متطلباته بإيجاز واختصار وهذا الإيجاز والاختصار يقتضي الشرح والبيان والتفسير وهذا البيان يأتي تارة من الله الذي أنزل الكتاب لأن خير من يفسر القول هو قائله وأخرى مِن الذي أُنزل عليه وهو النبي ــ صلى الله عليه وسلّم ــ حامل الكتاب وناطقه فبيان صاحب الكتاب أليق أن يقبل ثم من شاهد التنزيل مشاهدة جلية لايخفى عليه صور النزول وأحواله و أسباب النزول وعلله ومقاصد المنزِّل من الوحي وهم الصحابة ــ رضوان الله عليهم أجمعين ــ ثم من جالس

الصحابة وصحبهم واجتنى من أثمار هذه الشجرة المباركة المرضية عند رب خير البرية وهم التابعون ــ رحمهم الله أجمعين ــ هذا هو منهج التفسير بالمأثور.

والتفسير بالمأثور من أشرف أنواع التفسير وأتقنها وأفضلها على الإطلاق؛ لأنه تفسير رب العالمين الذي هو منزل القرآن الكريم، أو من رسوله الكريم الذي نزل عليه القرآن المبين صلوات الله وسلامه عليه، أو تفسير صحابي عاصر التنزيل وعرف التأويل ومارس التطبيق به في حياته، أو تفسير تابعي نهل من منهل النبوة وارتوى من نبعها الصافي بواسطة الصفوة المختارة والثلة المجتباة من الصحابة المفسرين النابغين.

تعريف التفسير بالمأثور

"هو ما جاء في القرآن أو السنة أو كلام الصحابة بيانًا لكلام الله تعالى من كتابه"[٢١].

فالتفسير بالمأثور هو الذي يعتمد على صحيح المنقول، وهو الذي يجب اتباعه والأخذ به، لأنه طريق المعرفة الصحيحة، وهو سبيل آمن للحفظ من الزلل والزيغ من كتاب الله تعالى[٢٢].

والتفسير بالمأثور على أربعة أقسام

١- تفسير القرآن بالقرآن.

٢- تفسير القرآن بالسنة.

٣- تفسير القرآن بأقوال الصحابة.

٤- تفسير القرآن بأقوال التابعين.

القسم الأول: تفسير القرآن بالقرآن

وعد سبحانه ووعده حق لا شك فيه وقوله صدق لا مرية فيه، فبين وفصّل بأدق أساليب الفصاحة والبلاغة، قال تعالى:﴿الر كِتابٌ أُحْكِمَتْ آياتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾[٢٣] وقال تعالى:﴿ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾[٢٤] وقال عزوجل: ﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الآياتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾[٢٥] ففي هذه الآيات الكريمات ونظائرها أخبر الله تعالى عن تفصيل آيات كتابه وتبيينها وإيضاح معانيها.

قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله – مبينا أهمية التفسير بالقرآن –: فإن قال قائل: فما أحسن طرق التفسير؟ فالجواب: إن أصح الطرق في ذلك أن يفسّر القرآن بالقرآن، فما أجمل في مكان فإنه قد فسّر في موضع آخر، وما اختصر في مكان فقد بسط في موضع آخر[٢٦].

وذكر العلامة الشنقيطي رحمه الله: "أن العلماء أجمعوا على أنّ أشرف أنواع التفسير وأجلّها قدرًا تفسير القرآن بالقرآن" [٢٧].

فإذا كان هذا النوع من التفسير بهذه المكانة العالية فلا ريب في كونه منهجا تأصيليا وطريقا صحيحا لتفسير القرآن الكريم.

تفسير القرآن بالسنة

لقد بعث الله نبينا محمدا صلى الله عليه وسلم بالهدى ودين الحق، ونزل عليه القرآن معجزة خالدة، وكتاب هداية، وأمره أن يبلّغه للناس جميعًا، مفسرًا وشارحًا له، قال تعالى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾[٢٨] وقال تعالى:﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾[٢٩]، وقال تعالى: ﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[٣٠] وقال تعالى: ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[٣١] فبلّغه على أتمّ وجه، وأدّى حق تبليغه على أكمل صورة، وبيّن أحكامه أجمل بيان، وفسّر معانيه أوضح تفسير بقوله وفعله وتقريره. وباعتبار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم هو المبيّن للقرآن المبلّغ عن ربه، فهو ــ بحق ــ أول مفسر له. فجعل الله تعالى سنة رسوله المصطفى القائل: "ألا إني أوتيت الكتاب ومثله ومعه"[٣٢] بياناً للقرآن وتفسيرًا له ليكون الرسول الأسوة الحسنة والقدوة الأعلى لأمّته في أقواله وأفعاله كما قال تعالى:﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّه كَثِيراً﴾[٣٣].

نقل شيخ الإسلام عن الإمام الشافعي ــ رحمهما الله ــ قوله: "كلّ ما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القرآن، قال تعالى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾[٣٤].

وقال شيخ الإسلام رحمه الله: "فإن أعياك ذلك ــ (تفسير القرآن بالقرآن)ــ فعليك بالسنة، فإنها شارحة للقرآن وموضحة له"[٣٥].

القسم الثالث والرابع: تفسير القرآن بما صح عن الصحابة والتابعين

لقد امتاز العرب بصفاء القريحة،ووحدة الذهن، وقوة الذاكرة، وكان لصحابة النبي صلى الله عليه وسلم النصيب الأوفر والحظ الأكبر من هذه الصفات السامية. وفي عصرهم وبلغتهم نزل القرآن، وفيهم تكلّم الرسول صلى الله عليه وسلم، فكانوا أعرف الناس بمنزلة القرآن وأعلمهم بتفسيره ومقاصده مع تفاوت بينهم في فهم معاني القرآن الكريم وتراكيبه، فلذا تعدّ أقوالهم في شرح كلام الله تعالى مصدرًا ثالثًا بعد الكتاب والسنة.

"كل ما أخذ عن الصحابة فحسن مقدم لشهودهم التنزيل ونزوله بلغتهم" [٣٦].

يقول: قرر الحافظ ابن رجب الحنبلي أن أفضل العلوم في التفسير هو ما أثر من الصحابة والتابعين، حيث قال: "فأفضل العلوم في تفسير القرآن، ومعاني الحديث، والكلام في الحلال والحرام ما كان مأثورا عن الصحابة والتابعين وتابعيهم إلى أن ينتهي إلى زمن أئمة الإسلام المشهورين المقتدى بهم..."[٣٧].

وفي هذا المقام يقول شيخ الإسلام: "وحينئذ إذا لم تجد التفسير في القرآن ولا في السنة رجعنا في ذلك إلى أقوال الصحابة، فإنهم أدرى بذلك لما شاهدوه من القرآن والأحوال التي اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح، لا سيما علماؤهم وكبرائهم كالأئمة الأربعة الخلفاء الراشدين والأئمة المهديين"[٣٨].

وهذا المنهج الذي ننشده ليس وليد عصرنا الحاضر، بل هو مبسوق به من قبل فحول الصحابة رضي الله عنهم، روى الإمام الدارمي في سننه بسند صحيح عن سفيان بن عيينة عن عبد الله بن أبي يزيد، قال: "كان ابن عباس إذا سئل عن الأمر فكان في القرآن أخبر به، وإن لم يكن في القرآن وكان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبر به، فإن لم يكن فعن أبي بكر وعمر، فإن لم يكن قال فيه برأيه"[٣٩].

هذا الموضوع في غاية من الأهمية لأن المفسرين يفسرون القرآن بأساليب مختلفة وينهجون مناهج متعددة وهذه الوسعة في المناهج يدل على سعة القرآن في المعارف والكنوز العلمية لايروى غليله ولا تنقضى عجائبه فالمفسرون في كل زمان ومكان قاموا بتفسير القرآن الكريم حتى قيل لم يترك الأوائل شيئا للأواخر غير أن ندرس ما كتبوا ونستخرج منها الكنوز

العلمية والمعارف ذا حكمة التي تفيد المجتمع ويدرك الناس جلالة أسلافنا ودقة نظرهم وسعة علمهم في جميع المجالات.

مناهج المفسرين تتعدى وتختلف لأن المفسرين لهم ميول واتجاهات يميلون ويتجهون إليها ويغلب على التفسير الاتجاه الّذي يميل المفسر إليه والشيخ الطنطاوي الجوهري من العلماء الذين يكثرون في إيراد العلوم الحديثة وبسط شرحها وهو مُنتقَد في عدم الذكر بالمأثور وحتى قيل في تفسيره: فيه كل شيئ الا التفسير كما قيل في التفسير الكبير للإمام الرازي فمن خلال دراستى لهذا التفسير نعرف حقيقة هذا الاتهام.

تفسير القرآن بالقرآن

أمثلة تفسير القرآن بالقرآن:

١ - ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[٤٠]

يقول الشيخ الطنطاوي في تفسير هذه الآية ما نصه: " بما أفكوا أو بهتوا إذ تظهر آثار الأعمال على تلك الأعضاء وهو أبلغ من نطق اللسان فالمغتابون والقاذفون وأمثالهم تظهر صور أعمالهم مجسمة يراها المذنب وتشاهدها الناس حوله والملائكة بصورة قبيحة بشعة تشعر بالمهانة والذلة ولامانع من النطق اللفظي وهو معنى قوله تعالى:﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾[٤١] وقوله:﴿كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾[٤٢] وذلك حاصل بعد الموت بلاتوان"[٤٣].

٢ - ﴿لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا أَلِيْمًا﴾[٤٤]

يقول الشيخ بعد ذكر هذه الآية:"واعلم أن سؤال الأمم عن صدقها يدعو إلى السؤال عن أعمالها لأن الإيمان وحده لايكفي كما قال تعالى:﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَO وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾[٤٥]، [٤٦].

٣ - ﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْأَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾[٤٧].

يقول الشيخ بهذا الصدد بعد ذكر الفقرة الأولى من الآية المذكورة ما نصه:" إذ قال تعالى:﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ــ الخ﴾ [٤٨] وأيضا: ﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْا ــالخ﴾" [٤٩]،[٥٠].

٤- ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ [٥١].

يقول الشيخ حول قضية الذكر وفضله تحت الآية المذكورة: "وأمرهم به في الأحوال كلها فقال تعالى﴿فَاذْكُرُوْا اللهَ قِيَامًا وَقُعُوداً وَعَلى جُنُوبِكُمْ﴾[٥٢] وقال تعالى:﴿وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا﴾[٥٣]يعنى بالليل والنهار، في البر والبحر وفي الصحة والسقم ، وفى السرّ والعلانية وقيل الذكر الكثير ألّا ينساه أبدا"[٥٤].

٥- ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ [٥٥].

يقول الشيخ في هذه الآية: "ومن هذا القبيل قوله تعالى: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ...الخ﴾[٥٦] وقوله تعالى: ﴿حَتّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفُهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيْدًا... الخ﴾[٥٧] وقوله تعالى: ﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَه سُوْءُ عَمَلِه فَرَآه حَسَناً﴾[٥٨] وقوله: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ [٥٩] وقوله: ﴿وَلَاتَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[٦٠]،[٦١].

تفسير القرآن بالسنة

أمثلة تفسير القرآن بالسنة:

١- ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ [٦٢]

يقول الشيخ في هذه الآية: "روى البخارى ومسلم عن أبى هريرة قال إنّ رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ قال: "ما من مؤمن إلا وأنا أولى الناس به في الدنيا والآخرة اقرؤا إن شئتم- ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم﴾- فأيما مؤمن ترك مالا فلترثه عصبته من كانوا ومن ترك دَينا أو ضياعا (بفتح الضاد أى عيالا) فليأتني فأنا مولاه" [٦٣]،[٦٤].

٢- ﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَ كَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ [٦٥].

يقول الشيخ بعد ذكر الآية": روى البخارى عن سلمان بن صرد قال سمعت رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ يقول حين أجلى الأحزاب: "الآن نغزوهم ولايغزوننا، نحن نسير إليهم"[٦٦].

وروى البخارى ومسلم عن أبى هريرة أن رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ كان يقول:"لاإله إلا الله وحده لاشريك له، أعزّ جنده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب، فلاشئ بعده" [٦٧]، [٦٨].

٣- ﴿...مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [٦٩].

يقول الشيخ عند هذه الآية: "روى أن طلحة ثبت مع رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ يوم أحد حتى أصيبت يده فقال ــ صلى الله عليه وسلّم ــ أوجب طلحة [٧٠]، فملخص ما تقدم أن قوما صدقوا ما عاهدوا الله عليه وقوم بدّلوا بنقض العهد"[٧١].

٤- ﴿...فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴾ [٧٢].

يقول الشيخ في هذه الآية: "روى أن جبريل أتى رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ صبيحة الليلة التى إنهزم فيها الأحزاب فقال: يا محمد! إتنزع لأمّتك والملائكة لم يضعوا السلاح إن الله يأمرك بالسير إلى بنى قريظة وأنا عامد إليهم فأذن في الناس أن لّايصلّوا العصر إلا ببنى قريظة فحاصرهم إحدى وعشرين أو خمسا وعشرين ليلة حتى جهدهم الحصار فقال لهم تنزلون على حكمى فأبوا فقال على حكم سعد بن معاذ فرضوا به فحكم سعد بقتل مقاتليهم وسبى ذراريهم ونسائهم ، فكبّر النبى ــ صلى الله عليه وسلّم ــ فقال حكمتَ بحكم الله من فوق سبعة أرقعة فقُتل منهم ستمائة أو أكثر وأسر منهم سبعمائة. [٧٣] واعلم أن هذه الرواية ذكرها المفسرون ولم ترد في الصحاح كلها "[٧٤].

٥- ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ...﴾[٧٥].

يقول الشيخ في هذه الآية: "روى عن أبي رزين قال: "لما نزلت آية التخيير أشفقن أن يطلقن فقلن: "يا نبي الله! إجعل لنا من مالك ونفسك ما شئتَ ودعنا على حالنا فأرجأ منهن خمسا وآرى إليه أربعا" [٧٦]،[٧٧].

٦- ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾[٧٨].

يقول الشيخ في تفسير هذه الآية: "وهذا يدل على جواز النظر إلى من يريد الانسان نكاحها قال رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ "إذا خطب أحدكم المرأة فان استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل"[٧٩] أخرجه أبوداود. وعن المغيرة بن شعبة قال: "خطبتُ امرأة فقال

لى النبي ــ صلى الله عليه وسلّم ــ هل نظرت إليها ؟ قلت لا . قال أنظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما" [٨٠]، [٨١].

٧- ﴿يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾[٨٢].

يقول الشيخ في هذه الآية: "جاء في رواية البخارى ومسلم عن عبدالله بن مسعود قال: "لما كان يوم حنين آثر رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ ناسا في القسمة كالأقرع بن حابس مائة من الإبل ومثله عيينة بن حصن وأعطى ناسا من أشراف العرب وآثرهم في القسمة فقال رجل والله إن هذه قسمة ما عدل فيها وما أريد بها وجه الله فلما بلغ ذلك رسول الله ــ صلى الله عليه وسلّم ــ تغير وجهه كأنه الصرف بكسر الصاد وهو صبغ أحمر يصبغ به الأديم، ثم قال فمن يعدل اذا لم يعدل الله ورسوله؟ ثم قال يرحم الله أخى موسى قد أوذى بأكثر من هذا فصبر"[٨٣] انتهى ملخصا "[٨٤].

تفسير القرآن بأقوال الصحابة

أمثلة تفسير القرآن بأقوال الصحابة:

١- ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ...﴾[٨٥].

يقول الشيخ في هذه الآية: "تزويج الأيامى خاص بالأولياء وتزويج العبيد والاماء خاص بالسادات عند أكثر أهل العلم من الصحابة رضي الله عنهم[٨٦] فمن بعدهم كعمر وعلى وعبدالله بن مسعود وأبى هريرة رضي الله عنهم والنخعى وعمر بن عبدالعزيز والثورى والأوزاعى وعبدالله بن المبارك والشافعى وأحمد واسحق رحمهم الله تعالى" [٨٧].

٢- ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ...﴾[٨٨].

يقول الشيخ في هذه الآية:" وقال ابن عباس رضي الله عنهما [٨٩]: "إذا لم يكن في البيت أحد فليقل السلام علينا من ربنا السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين السلام على أهل البيت ورحمة الله وبركاته" وعن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى – ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ﴾[٩٠]– قال[٩١]: إذا دخلت المسجد فقل السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين "[٩٢].

٣- ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [٩٣].

يقول الشيخ في معنى﴿خَاتَمَ النَّبِيينَ﴾: "فهو آخرهم الذي ختمهم أو ختموا به قال ابن عباس رضي الله عنهما[٩٤]: يريد لو لم أختم به النبيين لجعلت له ابنا فيكون بعده نبيا لما حكم أن لانبي بعده لم يعطه ولدا ذكرا يصير رجلا "[٩٥].

٤- ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴾[٩٦].

يقول الشيخ في هذه الآية: " قال ابن عباس[٩٧]:"لم يفرض الله عزوجل على عباده فريضة إلا جعل لها حدا ثم عذر أهلها في حال العذر غير الذكر فانه لم يجعل له حدا ينتهي إليه"[٩٨].

٥- ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴾[٩٩].

يقول الشيخ في هذه الآية: "روى عن ابن مسعود قال[١٠٠] :"إذا جاء ملك الموت لقبض روح المؤمن قال ربّك يقرئك السلام"[١٠١].

٦- ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾[١٠٢].

يقول الشيخ في هذه الآية: " اذا طلّق الرجل امرأة قبل النكاح لايقع الطلاق لظاهر الآية لأنه سبحانه قال – ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾[١٠٣]- ولم يقل طلقتم ثم نكحتم،فلو علق الطلاق قبل النكاح سواء أكان لامرأة معينة أم لكل امرأة فان الطلاق لايقع، وهذا رأي الأكثرين كابن عباس وعلى وجابر ومعاذ وعائشة والشافعى، وقال ابن مسعود وأصحاب الرأي والنخعي يقع الطلاق،وقال مالك وربيعة والأوزاعي[١٠٤]:"إن عيّن امرأة وقع وإلا فلا"[١٠٥].

٧- ﴿...ولا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾[١٠٦].

يقول الشيخ في هذه الآية:" روى أن أشعث بن قيس [١٠٧] تزوج المستعيذة في أيام عمر رضي الله عنه فهم برجمها فأخبر بأنه صلى الله عليه وسلّم فارقها قبل أن يمسها فترك من غير نكير"[١٠٨].

٨- ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ...﴾[١٠٩].

يقول الشيخ في هذه الآية: "قال ابن عباس[١١٠] "أمر نساء المؤمنين أن يغطّين رؤسهن ووجوههن بالجلابيب إلا عينا واحدة ليعلم الناس أنهن حرائر"[١١١].

تفسير القرآن بأقوال التابعين

أمثلة تفسير القرآن بأقوال التابعين:

١- ﴿...اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ...﴾[١١٢].

يقول الشيخ في هذه الآية: "وقال سعيد بن المسيب هو كالأجنبي معها[١١٣] وتحمل الآية على الاماء دون العبيد "[١١٤].

٢- ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ...﴾[١١٥].

يقول الشيخ في هذه الآية: " تزويج الأيامى خاص بالأولياء وتزويج العبيد والاماء خاص بالسادات عند أكثر أهل العلم من الصحابة(١١٦) فمن بعدهم كعمر وعلى وعبدالله بن مسعود وأبى هريرة والنخعى وعمر بن عبدالعزيز والثورى والأوزاعى وعبدالله بن المبارك والشافعى وأحمد وإسحق "[١١٧].

٣- ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ...﴾[١١٨]

يقول الشيخ في هذه الآية: " قال قتادة[١١٩] "إذا دخلت بيتك فسلّم على أهلك فهم أحق من سلمت عليه وإذا دخلت بيتا ليس فيه أحد فقل السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين السلام على أهل البيت ورحمة الله وبركاته حدثنا أن الملائكة ترد عليه "[١٢٠].

٤- ﴿...وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ...﴾[١٢١].

يقول الشيخ في هذه الآية: "إذا وهبت امرأة نفسها للنبي _ صلى الله عليه وسلّم _ فالأمر ظاهر أنه ينعقد نكاحا بلاولى ولاشهود ولامهر لقوله تعالى – خالصة لك – وأيضا له الزيادة على الأربع ويجب عليه تخيير النساء وحده.وقال بعض العلماء بل لاينعقد له إلا بلفظ النكاح أو التزويج كما في حق سائر الأمة لأنه عبر بلفظ الاستنكاح فالاختصاص إنما هو في ترك المهر فأما من وهبت نفسها لغيره صلى الله عليه وسلّم فإنه لاينعقد نكاحها بل لابد من لفظ الانكاح أو التزويج وهو قول سعيد ابن المسيب والزهرى وربيعة ومالك والشافعى[١٢٢]. وقال النخعى وأهل الكوفة ينعقد بلفظ التمليك والهبة "[١٢٣].

الخاتمة

وهي تشتمل على أهم نتائج البحث وخلاصته:

١- كان الشيخ الطنطاوي الجوهري في الحقيقة رجلا فطنا يقظا وكان له باع طويل في العلوم الحديثة.

٢- ظهر من خلال البحث بأنه يتعرض للعلوم الحديثة من الطب والرياضية والفلك وغير ذلك من النظريات أكثر من التفسير بالمأثور.

٣- ليس من الحق والانصاف أن يقال لتفسير الشيخ ما قيل لتفسير الإمام الرازي بأن فيه كل الشيئ إلا التفسير بل يقال لتفسير الشيخ بأن فيه كل شيئ مع التفسير كتفسير الإمام الرازي غير أن الشيخ طنطاوي أقل ذكرا للمأثور من الإمام الرازي.

٤- يظهر للقارئ من خلال قراءة التفسير بأن الشيخ الطنطاوي كان مشتاقا جدًّا للنهضة الثانية للإسلام والمسلمين ويريد أن يتمثل كل العالم الإسلامي ما كتب في تفسيره.

٥- لايذكر الشيخ من المأثور أكثر من غيره بل يكون ذكر المأثور مخلا في بعض المواضع إلى حد يكون سبب الحيرة والاستعجاب للقارئ.

٦- أما بالنسبة إلى العلوم العصرية فيبسط الشيخ في ذكرها حتى ينسى القارئ هل هو في قراءة كتاب التفسير أم في قراءة كتاب مختص بالطب والهندسة.

الهوامش

١- الأعلام ج٣ ص ٢٣٠.

٢- نثر الدرر ج١ ص ٥٥٠.

٣- الأعلام ج٣ ص ٢٣٠.

٤- نثر الدرر ج١ ص ٥٥٠.

٥- الأعلام ج٣ ص ٢٣٠.

٦- نثر ص٥٥١-٥٥٢.

٧- الأعلام ج٣ ص ٢٣٠.

٨- معجم ج٢ ص ١٥.

٩- معجم المطبوعات العربية والمعربة ١٢٤٣/٢.

١٠- نثر الدرر والجواهر في علماء القرن الرابع عشر ٥٥٠/١-٥٥١.

١١- عباقرة ومجانين صـ:٢٦٥.

١٢- المصدر نفسه صـ:٢٧٠.

١٣- الأعلام ٢٣٠/٣.

١٤- نثر الدرر والجواهر في علماء القرن الرابع عشر٥٥١/١.

١٥- الأعلام ج٣ ص ٢٣٠.

١٦- التفسير والمفسّرون ٣٧١/٢.

١٧- سورة الأنعام، ٦: ٣٨.

١٨- التفسير والمفسّرون ٣٧٩/٢.

١٩- الإسلام والطب الحديث ص:د-٣ نقلا عن التفسير والمفسّرون ٣٨٠/٢-٣٨١.

٢٠- الموسوعة الميسرة في تراجم أئمة التفسير والإقراء والنحو واللغة صـ١٠٨٥ -108 .

٢١- مناهل العرفان: ١٤/٢.

٢٢- مباحث في علوم القرآن: ص ٣٥.

٢٣- سورة هود، ١١: ١.

٢٤- سورة فصلت، ٤١: ٠٣

٢٥- سورة البقرة، ٢: ٢١٩.

٢٦- مقدمة في أصول التفسير ص : ٩٣.

٢٧- أضواء البيان ٥/١.

٢٨- سورة النساء، ٤ :١٠٥.

٢٩- سورة المائدة، ٥: ٦٧.

٣٠- سورة النحل، ١٦:٤٤.

٣١- سورة النحل، ١٦: ٦٤.

٣٢- أخرجه ابن ماجه في المقدمة – باب تعظيم حديث رسول الله والتغليظ على من عارضه ٦/١ برقم:١٢.

٣٣- سورة الأحزاب، ٣٣:٢١.

٣٤- سورة النساء، ٤: ١٠٥.

٣٥- المقدمة، ص: ٩٣.

٣٦- مقدمة القرطبي ٢٧/١.

٣٧- فضل علم السلف على علم الخلف ص:١٠٠-١٠١.

٣٨- المقدمة ص:٩٦.

٣٩- سنن الدارمي باب الفتيا وما فيه من الشدة ٧١/١ برقم: ١٦٦.

٤٠- سورة النور، ٢٤: ٢٤.

٤١- الكهف، ١٨: ٤٩.

٤٢- سورة الإسراء، ١٧: ١٤.

٤٣- **الجواهر في تفسير القرآن الكريم** ج: ١٢ ص:٦-٧.

٤٤- سورة الأحزاب، ٣٣: ٠٨

٤٥- سورة العنكبوت، ٢٩: ٢-٣.

٤٦- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ١٨.

٤٧- سورة الأحزاب، ٣٣: ٢٢.

٤٨- سورة البقرة، ٢: ٢١٤.

٤٩- سورة العنكبوت، ٢٩: ٢.

٥٠- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢٠.

٥١- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤١.

٥٢- سورة النساء، ٤: ١٠٣.

٥٣- سورة الشعراء، ٢٦: ٢٢٧.

٥٤- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٠

٥٥- سورة الصافات، ٣٧: ٠٦

٥٦- سورة آل عمران، ٣: ١٤.

٥٧- سورة يونس، ١٠: ٢٤.

٥٨- سورة فاطر،٣٥: ٠٨

٥٩- سورة النحل، ١٦: ٠٨

٦٠- سورة الكهف، ١٨: ٢٨.

٦١- **الجواهر**، ج: ١٨ ص: ٣٣

٦٢- سورة الأحزاب، ٣٣: ٠٦

٦٣- أنظر: موسوعة الحديث الشريف : الكتب الستة : صحيح البخاري – التفسير – ص: ٤٠٥ – الأحزاب – بابٌ (النبي أولى بالمؤمنين..) رقم الحديث: ٤٧٨١ ط: دار السلام – الرياض – ذوالحجة ١٤١٩ .

٦٤- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ١٧.

٦٥- سورة الأحزاب، ٣٣: ٢٧.

٦٦- أنظر موسوعة الكتب الستة لدار السلام، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، ص: ٣٣٧ رقم الحديث: ٤١١٠.

٦٧- أنظر موسوعة الكتب الستة لدار السلام، صحيح البخاري، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، ص: ٣٣٧ رقم الحديث: ٤١١٤ وصحيح مسلم، باب ما يقول إذا رجع من سفر الحج وغيره ص: ٩٠٢ رقم الحديث: ١٣٤٤.

٦٨- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢١.

٦٩- سورة الأحزاب، ٣٣: ٢٣.

٧٠- أنظر: سنن الترمذي،أبواب المناقب باب مناقب أبي محمد طلحة بن عبيد الله ج٦ ص:٩٧ رقم الحديث: ٣٧٤٢ ومصنف ابن أبي شيبة ج٦ ص: ٣٧٦ رقم الحديث: ٣٢١٥٩

٧١- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢١

٧٢- سورة الأحزاب، ٣٣: ٢٦.

٧٣- مسند أحمد، مسند الصديقة عائشة – ج٤٢ ص:٢٦ رقم الحديث:٢٥٠٩٧ ط: الرسالة – وهذه الرواية لها أصل في الصحيحين

٧٤- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢١

٧٥- سورة الأحزاب، ٣٣: ٥١.

٧٦- أنظر: تفسير الثعلبي ج٨ ص:٥٤-٥٥ ومسند حنبل،مسند الصديقة عائشة ج٤٢ ص:٥٠٧ رقم الحديث:٢٥٧٧٠ ط: الرسالة

٧٧- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٣-٣٤

٧٨- سورة الأحزاب، ٣٣: ٥٢.

٧٩- أنظر: موسوعة الكتب الستة لدار السلام، سنن أبي داود- النكاح- باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها- ص:١٣٧٦ رقم الحديث: ٢٠٨٢.

٨٠- مصنف ابن أبي شيبة، النكاح- باب من أَراد أن يتزوج الْمرأَة من قال: لا بأْس أَن ينظر إليها ج٤ ص:٢١ رقم الحديث:١٧٣٨٨.

٨١- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٤.

٨٢- سورة الأحزاب، ٣٣: ٧١.

٨٣- أنظر: صحيح البخاري – فرض الخمس – باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس وغيره ج٤ ص: ٩٥ رقم الحديث: ٣١٥٠ وصحيح مسلم – الزكاة – باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام وتصبر من قوي إيمانه ج٢ ص:٧٣٩ رقم الحديث: ١٠٦٢ واللفظ لمسلم.

٨٤- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٧

٨٥- سورة النور، ٢٤: ٣٢.

٨٦- أنظر: تفسير الخازن ج٣ ص:٢٩٤.

٨٧- **الجواهر**، ج: ١٢ ص: ١٢.

٨٨- سورة النور، ٢٤: ٦١.

٨٩- أنظر: تفسير الخازن ج ٣ ص: ٣٠٦ والسراج المنير ج٢ ص:٦٤٣.

٩٠- سورة النور، ٢٤: ٦١.

٩١- أنظر: تفسير الخازن ج ٣ ص: ٣٠٦

٩٢- **الجواهر**، ج: ١٢ ص: ١٢١

٩٣- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤٠.

٩٤- تفسير البغوي ج٣ ص:٦٤٦

٩٥- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢٩

٩٦- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤١.

٩٧- تفسير الثعلبي ج ٨ ص: ٥١

٩٨- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٢٩-٣٠

٩٩- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤٤.

١٠٠- تفسير الثعلبي ج٨ ص:٥٢

١٠١- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٠

١٠٢- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤٩.

١٠٣- سورة الأحزاب، ٣٣: ٤٩.

١٠٤- أنظر: تفسير الخازن ج٣ ص: ٤٣١ وفتح البيان للقنوجي ج١١ ص:١٠٨.

١٠٥- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٢-٣٣.

١٠٦- سورة الأحزاب، ٣٣: ٥٣.

١٠٧- تفسير البيضاوي ج٤ ص: ٢٣٧.

١٠٨- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٤.

١٠٩- سورة الأحزاب، ٣٣: ٥٩.

١١٠- تفسير البغوي ج٣ ص: ٦٦٥.

١١١- **الجواهر**، ج: ١٦ ص: ٣٦

١١٢- سورة النور، ٢٤: ٣١.

١١٣- تفسير البغوي ج٣ ص: ٤٠٤ وأنظر تفسير الخازن ج٣ ص:٢٩٣.

١١٤- **الجواهر**، ج: ١٢ ص: ١١.

١١٥- سورة النور، ٢٤: ٣٢.

١١٦- أنظر: تفسير الخازن ج٣ ص:٢٩٤.

١١٧- **الجواهر**، ج: ١٢ ص: ١٢.

١١٨- سورة النور، ٢٤: ٦١.

١١٩- تفسير الخازن ج ٣ ص ٣٠٦ وانظر التفسير الوسيط ج٣ ص ٣٣٠ والسراج المنير ج٢ ص:٦٤٣.

١٢٠- **الجواهر**، ج: ١٢ ص: ١٢.

١٢١- سورة الأحزاب، ٣٣: ٥٠.

١٢٢- أنظر: تفسير الخازن ج٣ ص: ٤٣١ وفتح البيان للقنوجي ج١١ ص:١١٦.

١٢٣- ج: ١٦ ص: ٣٣.

فهرس المراجع والمصادر

١- القرآن الكريم

٢- أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن للشنقيطي: الشيخ محمد الأمين الجنكي (ت ١٣٩٣) ، ط:١٤٠٨ ، الناشر مكتبة ابن تيمية بالقاهرة (٩ مجلدات)

٣- الأعلام قاموس تراجم لأشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين للإمام الزركلي: خير الدين (ت١٣٩٦)، ط: الخامسة عشرة ٢٠٠٦ ، الناشر: دار العلم للملايين ببيروت لبنان (٨ مجدات)

٤- الأعلام الشرقية في المائة الرابعة عشر الهجرية لزكي: الشيخ محمد مجاهد(ت)،ط: الثانية ١٩٩٤ ، الناشر: دار الغرب الإسلامي بيروت لبنان (٣ مجلدات)

٥- أنوار التنزيل وأسرار التأويل للبيضاوي: ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (ت:٦٨٥هـ) ت: محمد عبد الرحمن المرعشلي ط: الأولى - ١٤١٨ هـ الناشر: دار إحياء التراث العربي — بيروت

٦- التفسير والمفسّرون للدكتور الذهبي: محمد حسين (ت١٩٧٧)، ط: السابعة ٢٠٠٠ ، الناشر: مكتبة وهبة بالقاهرة (٣ مجلدات)

٧- الجواهر في تفسير القرآن الكريم : للشيخ طنطاوي جوهري(ت ١٣٥٨هـ)، ط: الأولى : ج ١٢ (جمادي الثانية ١٣٤٧) ج ١٦ (شوال ١٣٤٨) ج ١٨ (ربيع الأول ١٣٤٩) الناشر: مطبعة مصطفى البابى الحلبى واولاده بمصر (١٩ أجزاء)

٨- السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير لشمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي (المتوفى: ٩٧٧هـ) ط:١٢٨٥هـ ،الناشر: مطبعة بولاق (الأميرية) — القاهرة ،(٤ مجلدات)

٩- سنن ابن ماجه: أبي عبد الله محمد بن يزيد القزويني (ت٢٧٥) ، ت: محمد فؤاد عبد الباقي ط: دار الريان بالقاهرة (مجلدان)

١٠- سنن أبي داود لأبي داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: ٢٧٥هـ) ت: محمد محيي الدين عبد الحميد الناشر: المكتبة العصرية، صيدا- بيروت (٤ مجلدات)

١١- سنن الترمذي لأبي عيسى،محمد بن عيسى بن سَوْرة ، الترمذي (المتوفى: ٢٧٩هـ) ت: بشار عواد معروف ط:١٩٩٨م الناشر: دار الغرب الإسلامي بيروت

١٢- سنن الدارمي : عبد الله بن عبد الرحمن (ت ٢٥٥)، ط: فواز أحمد زمزلي، وخالد السبع العكمي، ط: دار الريان بالقاهرة (مجلدان)

١٣- صحيح البخاري لأبي عبداللهمحمد بن إسماعيل البخاري الجعفي (ت ٢٥٦) ت:محمد زهير بن ناصر الناصر، ط: الأولى ١٤٢٢هـ الناشر: دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي) (٩ مجلدات)

١٤- صحيح سنن ابن ماجه: للألباني، ط: الثالثة ١٤٠٨

١٥- صحيح مسلم لأبي الحسن مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (ت: ٢٦١هـ) ت :محمد فؤاد عبد الباقي الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت (٥ مجلدات)

١٦- طنطاوي جوهري ومنهجه في التفسير للباحث أنور يوسف

١٧- عباقرة ومجانين لرجاء النقاش (ت) ط: الأولى ١٤١١هـ ١٩٩٠ء ، الناشر:مركز الأهرام للترجمة والنشر بالقاهرة (مجلد واحد)

١٨- فتحُ البيان في مقاصد القرآن لأبي الطيب محمد صديق خان بن حسن بن علي الحسيني البخاري القِنَّوجي (ت: ١٣٠٧هـ) عني بطبعهِ وقدّم له وراجعه: خادم العلم عَبد الله بن إبراهيم الأنصَاري ط: ١٤١٢ هـ - ١٩٩٢ م الناشر: المكتبة العصريَّة للطبَاعة والنّشْر، صَيدَا – بَيروت (١٥ مجلدات)

١٩- فضل علم السلف على علم الخلف : لابن رجب الحنبلي (ت٧٩٥)، ت: مروان العطية، ط: الأولى ١٤٠٩ ، دار الهجرة دمشق وبيروت (واحد)

٢٠- قراءة نقدية في منهج طنطاوي جوهري في تفسيره الجواهر للشيخ حازم محيي الدين

٢١- الكشف والبيان عن تفسير القرآن لأبي إسحاقأحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي،(ت: ٤٢٧هـ) ت:الإمام أبي محمد بن عاشور مراجعة وتدقيق: الأستاذ نظير الساعدي ط: الأولى ١٤٢٢، هـ - ٢٠٠٢ م الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان (١٠ مجلدات).

٢٢- لباب التأويل في معاني التنزيل لأبي الحسن علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم الشيحي، المعروف بالخازن (ت: ٧٤١هـ) ت: تصحيح محمد علي شاهين ط: الأولى ١٤١٥هـ الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت

٢٣- مباحث في علوم القرآن : للشيخ مناع القطان (ت ١٤٢٠)، ط: السادسة والعشرون ١٤١٥ ، مؤسسة الرسالة بيروت (مجلد واحد)

٢٤- مسند إسحاق بن راهويه لأبي يعقوب إسحاق بن إبراهيم بن مخلد الحنظلي المروزي المعروف بابن راهويه (ت: ٢٣٨هـ) ت: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي ط: الأولى، ١٤١٢ – ١٩٩١ الناشر: مكتبة الإيمان – المدينة المنورة (٥ مجلدات)

٢٥- مسند الإمام أحمد بن حنبل لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (ت: ٢٤١هـ) ت: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي ط: الأولى، ١٤٢١ هـ – ٢٠٠١ م الناشر: مؤسسة الرسالة (٤٥ مجلدات)

٢٦- مصنف ابن أبي شيبة لأبي بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم العبسي (ت: ٢٣٥هـ) ت: كمال يوسف الحوت ط: الأولى، ١٤٠٩ الناشر: مكتبة الرشد – الرياض (٧ مجلدات)

٢٧- معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي لمحيي السنة ، أبي محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (ت : ٥١٠هـ) ت : عبد الرزاق المهدي ط : الأولى ، ١٤٢٠ هـ الناشر : دار إحياء التراث العربي –بيروت (٥ مجلدات)

٢٨- معجم المطبوعات العربية والمعربة للشيخ يوسف بن إليان سركيس
مكتبة الثقافة الدينية بالقاهرة

٢٩- معجم المؤلفين تراجم مصنفي الكتب العربية : للشيخ عمر رضا كحالة (ت)، ط: شعبان ١٣٧٦هـ بدمشق، مؤسسة الرسالة ببيروت (٤ مجلدات)

٣٠- مقدمة تفسير الإمام القرطبي: دراسة وتحقيق: محمد طلحة بلال مينار ، ط: الأولى ١٤١٨ ، دار ابن حزم بيروت (مجلد واحد)

٣١- مقدمة في أصول التفسير: لابن تيمية، ت: محمود محمد نصار، ط: مكتبة التراث الإسلامي بمصر (جزء واحد)

٣٢- مناهل العرفان في علوم القرآن: للزرقاني: محمد عبد العظيم (ت) بتخريج أحمد شمس الدين، ط: الأولى ١٤٠٩ ، دار الكتب العلمية بيروت (مجلدان)

٣٣- الموسوعة الميسرة في تراجم أئمة التفسير والإقراء والنحو واللغة لمجموعة من العلماء ط:١٤٦٤هـ ٢٠٠٣ م ، الناشر: مجلة الحكمة بالمدينة المنورة (٣ مجلدات)

٣٤- نثر الدرر والجواهر في علماء القرن الرابع عشر: للشيخ يوسف المرعشلي: ط: الأولى ١٤٢٧هـ ٢٠٠٠ م ، دار المعرفة ببيروت لبنان (مجلدان)

٣٥- الوسيط في تفسير القرآن لأبي الحسن علي بن أحمد بن محمد الواحدي النيسابوري، الشافعي (ت: ٤٦٨هـ) ت وتع: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، الشيخ علي محمد معوض،الدكتور أحمد محمد صيرة،الدكتور أحمد عبد الغني الجمل، الدكتور عبد الرحمن عويس قدمه وقرظه: الأستاذ الدكتور عبد الحي الفرماوي ط: الأولى، ١٤١٥ هـ - ١٩٩٤م الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان (٤ مجلدات).

السيرة والمغازى فى شعركعب بن مالك (رضى الله عنه)

Al-Sirah wa Al-Maghazi in the Poetry of Ka'b bin Malik(R.A)

الدكتورة عمرانه شهزادى*

الدكتور إفتخار أحمد خان **

Abstract

It is usual and natural for human beings to express their love for their love ones. Many poets and orators who were blessed with finest skills of writing, wrote prose and poems of praise for the Holy prophet(PBUH), from which a rich tradition of literature sprang. Examples of this genre including Madha, Sirah, Na,at Qasida, Mawalid, Hulyah Mubarak, Mi'raj, Ghazawat are precious work of such literature.

The said article shed light on the verses of a close companion of Holy prophet, Ka, b bin Malik (May Allah pleased with him) was one of the greatest poets in Medina .He recited his verses in the presence of Muhammad (PBUH) and when he passed away in to the world of eternity, praising him with words of admiration and love.

المغازى جمع غزوة، وهوالسير الى قتال العَدُوِّ من غزا يغزو والسَيرُ جمع سيرة وهي الحالة من السير والسيرة: السنة(١).

فإنّ السيرة والمغازى من أشرف العلوم قدراً واجلها فضلاً لشرف موضوعهٖ مِنْ حيث إنّه يؤرّخ لحياة النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلم مثل:بعثته، وأحداث مولدهٖ وأحوال نشأتِهٖ وأخبار دعوتهٖ فى مكة وهجرته اِلى المدينة وغزواتهٗ وسيرتهٗ وسياستهٗ مع المسلمين والمحاربين والعاهدين إلٰى وفاتهٖ صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّمـ ومن هذه العلوم تعرف مغازى رسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم وبعوثه، وكتبه إلى ملوك المشركين وكيف قسّم رسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم الغنائم وكيف أقام الحدود فى الغلولِـ وقدكان إهتمام بهذا الفن مبكراً إذكان أصحاب النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم يهتمون المغازى والسيرة النبوية

---

* الأستاذة المساعدة، قسم اللغة العربية، بجامعة الكلية الحكومية للبنات، فيصل آباد، باكستان.

** الأستاذ المساعد، قسم اللغة العربية، بجامعة الكلية الحكومية ، فيصل آباد، باكستان.

كمايحفظون القرآن ويعلّمونها الصغارـ كماقال: على بن الحسين زين العابدين: "كُنّا نعلّم مغازى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم كما نعلّم السورة من القرآن"[٢].

اِنَّ المسلمين يعرفون أن الشعر تحت رأية الإسلام قد أدّى دوراً هامّاً فى الدعوة الاسلامية وَحبّ المصطفى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم من شعراء الاسلام قدزادت ملكاتهم وصقل مواهبهم وثبّت أقدامهم أمام اعداء الإسلام بالكلمة الطيّبة بكّل طاقاتِ الإيمان الّتى تزلزل المشركين وتهز رؤوسهم، لقدكان سيرة النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم والغزوات فى حياته ميداناً خَصْباً سار فيه كثير، من الشعراءِ وجاهدوا بلسانه وبسيفه لدين الله تعالٰى وسدّوا عزائم المشركين الَّذين يتعرضون للمسلمينـ حين واكب الغزوات والفتوحات دافع هؤلاء الشعراء عن الإسلام بِكُلّ مَا أتوا مِن فصاحةٍ وبيانٍ وبما فِى نفوسهم من أضواء اليقين والايمانِ.

متاعب قريش اضطر النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم إلى الهجرة مِن مكة إلى المدينة المنورةـ وسرعان مانُشيت بين البلدين معارك طاحنة وانشغل النّاس فيه بالغزوات والفتوحاتـ وَكَانَ ثلاثة شعراء الأنصار يهجونَ المشركين وهم: حسان بن ثابت،وكعب بن مالك وعبداللّه بن رواحة هؤلاء يستطيعونَ أنْ يصوروا تلك الأحداث ويبيّون تلك المشاهد و كان أشعارهم مليئة بالمفهومات الدينية ووصف البطولة والتفخر والمدح والهجاءـ جهَّزهم النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم مع الجيوش والفرسان لِنشرالدعوة الاسلامية. الشعراء الذين صوّروا غزوات الرسول مع سيرته العظيمة منهم: كعب بن مالك رضى اللّه عنه كان اسمه الكامل عمروبن مالك بن أبى كعب الأنصارى السلمى الخزاجى، وكنيته "ابوبشير" فكّناه رسول الله صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم "أباعبداللّه"[٣] كان رضى اللّه عنه شاعراً مرموقًا من شعراء أكابرالمدينة، اشتهر فى الجاهلية وَكَانَ فِى الإسلام من شعراء النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم ـ وشهد أكثر الوقائع[٤] تقول امرأته "خيره" كانت عندكعب بن مالك أنّ رسول اللّه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم خَرَج على كعب بن مالك وهو يُنْشَدُ فى مسجد النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فَلَمَّا رَاَهُ انقبضَ فقال رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم "أنشد" فأنْشَدَ[٥].

عن جابر بن عبداللّٰه، قال رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم "ومَنْ يحمى أعراض المسلمينـ" وقال كعب بن مالك!"أنَا" فقال رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم: "إنك تحسن الشعر"[٦] وقال رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم عن كعب بن مالك رضى اللّٰه عنه "أَهجهُمْ،

فوالَّذى نفسى بيدهٖ لهُوَ أشدّا من النبل" اِنّه كَانَ أشّب القوم وأجلاهم وكان يخرج ويشهد[٧] الصلاة مع المسلمين ويطوف فى الأسواق وروى عنه ثمانين(٨٠) حديثاً هو اوّل من شهد العقبة الأُولى والثانية وبايع الرسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم، وهو أحد الثلاثة الَّذي تخلّفُوا عن رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فى غزوة تبوك فنزل القرآن فى شأنهم ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا...﴾[٨-الف] وهو أوّل من عرف رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فى غزوة أُحد عندما اشتهر أنّه قدقتل (معاذاللّٰه) وَقَال عرفت عينيه تحت المغز تزهران "فناديت بأعلى صوت يا معشر المسلمين أبشروا! هذا رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم " [٨-ب] وتوفى كعب بن مالك فى زمن معاوية سنة خمسين وروى منه جماعة من التابعين[٩] قد ذكر سيرة رسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فى أقواله وأشعارهٖ وصوّر الغزوات بطريق رائع۔ تتألق سيرة رسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فى أشعاره كاللُؤلؤ والمرجانِ كما يقول كعب بن مالك رضى اللّٰه عنه: كَانَ رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم "إذَا سُرّ وَجهه كأنَّهُ قطعة قَمْرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلك مِنه"[١٠]۔ ويقول واصفاً للرسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم:

وَمَوَاعظٍ مِنْ رَبِّنَا نَهْدِى بهَا بِلِسَانِ أزْهر طَيّبُ الأَثواب[١١]۔

وقال كعب بن مالك مادحاً الرسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم:

فِيْنَا الرَّسُوْلُ شهابٌ ثُمَّ يَتْبَعهُ نُورٌ مُضِيئٌ له فَضْلٌ عَلَى الشُّهُبِ[١٢]۔

يعترف كعب بن مالك فى الأبيات الآتية الهداية الّتى ظهرت بقدوم رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم الى المدينة المنورة عامة وللناس كافَّةً إلى الدنيا:

وَكَانَ بَشِيْرًا لَنَا مُنْذِرًا وَ نُورًا لَنَا ضَوْءُ هٗ قَدْ أضَاءَ
فَألْقَذنَا اَللّٰه فِىَ نورهٖ وَ نجىَّ بِرَحْمَته مِنْ لَظَى[١٣].

وَقَالَ اَيْضًا:

اِذا كَانَ مِنه الْقَولُ كَانَ مُوَفَّقًا وَإنْ كَانَ حَيًّا كَانَ نُورًا مُجَدّداً[١٤].

ويعترف كعب بن مالك الهداية الّذى هدى أُمته وانقذها من الضلالِ:

قَوْمٌ لِأَصلهم السِّيَّادَة كُلها قِدْمًا وَفَرْعهُمُ النَّبِىُّ اَلْمُرْسَلُ
بِيْضُ الوُجُوه تَرَى بُطُونَ أكُفِّهِمْ تَنْدى اِذا اعتذَرَ اَلزَّمَانُ المهعِلُ
وَبهَدْيهِمْ رَضِىَ الاله لِخَلْقه وَبِجَدِّهم نُصِرَ النَّبِىُّ المرسَلُ[١٥]۔

وَقَدْ جَسَّدَ كعب بن مالك رضي الله عنه حِلْمُ النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم مع صفاته العَدِيْدَة الَّتى كانت المثل الأعلى لجميع النَّاس فيَقُوْلُ:

رَشِيْدُ الأمْرِ ذُوْحُكْمٍ وعِلْمٍ وحِلْمٍ لَمْ يَكُنْ نَزْقًا خَفِيْفًا[١٦].

الصبر صفة جليلة يتّصف بها رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم وَاعْتَصَم بها فى جَمِيْع مجال حياته طَوَال عُمْرِهٖ، فى قصيدته الأخرى يقول كعب بن مالك رضي الله عنه:

صَبَرْنَا لهمْ والصَّبْر مِنَّا سَجِيّة اِذَا طَارَتْ الأَبْرَمُ نَسْمُو وَنَرْتُقُ
عَلَى عَادة تَلِيْكُمْ جَرَيْنَا بِصَبْرِنا وَقَدِمًا لدى الغَايَاتِ نجرى فَنَسْبِقُ
لَنَا حَوْمة لَا تُسْتَطَاعُ يَقُودُها نَبِيٌّ أتى بِالحقِّ عَفٌّ مُصَدَّقُ[١٧].

شاعرالرسول يصفَ بأن الرسول عليه الصلاة والسَّلَامُ على رأس المؤمنين فِى ساحة الحربِ يصبر فِى أحرج اللحظات ويعطى الأوامر والدروس لِمَنْ حَوْله مِنَ الجنودِ:

رَسُولُ اللّٰه مُصْطَبِرٌ كَرِيْمٌ بِأمْرِ اللّه ينطق اِذ يقول[١٨].

رسّم كعب بن مالك صورة قيادته ووضح مَاحدث فى معركة أحد انهزم بها المسلمون وفى شعرهٖ حاول ان يَقدم شعراً يهوّن ماوقع هذه المصيبة الّتى أصابت المسلمين يذكر صفات عديدة لقائدهم ومنها الشجاعة۔

نجدالمقدم مَا فِى الهمّ مُعْتَزِمٌ حيّن القلوب عَلَى رَجْفٍ مِنَ الرُّعْبِ
يمضى وَيَذْمِرُنَا غيرَ مَعْصِية كأنّه البدرُ لَمْ يُطْبَعُ عَلَى الكَذِبِ[١٩].

وَأيضاً يوضح صَلَابة النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم فى ساحة الحربِ:

رَئيسهم النَّبِيُّ وَكَانَ صُلْبًا نَقِيُّ القَلْبِ مُصْطَبِرًا عَزُوْفًا[٢٠].

يشيد كعب بن مالك بفضيلة الصدقِ الَّتى تحلّى بها الرسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم عندما انهزم المشركون يوم خندق قَالَ كعب بن مالك فى تصديق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم:

وَكَانَ لَنَا النَّبِيُّ وَزِيْرَ صِدْقٍ به تَعْلُو اَلْبِرَيَة أَجْمَعِيْنَا
لِنَنْصُرَ أحْمَدَا واللّٰه حتّى نكُونَ عِبَادَ صِدْقٍ مُخْلَصِيْنَا[٢١].

ويقول أيضاً:

نذيرٌ صَادِقٌ أدّى كِتَابًا وَآيَاتٌ مُبَيّنة تَثِيْرُ[٢٢].

ويهجو كاذب الرَّسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُونَ مُحَمَّدًا كَفَرُوْا وَضَلّوا عَنْ سَبِيْل المتقِى[٢٣].

كانت عفة النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم وطهارته على ذروة بالغة لا يمكن لأيّ نفس أن يّصل إلى هذه الدرجة المنتهى يقول كعب بن مالك عن عِفَّته وطهارته هكذا:

لَنَا حَوْمة لاتستطاع يَقُودها نَبِيٌّ أتى بِالْحَقِّ عَفٌّ مُصَدَّقُ[٢٤].

وكذلك يصف ملبس الرسول صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم بالطيب الطاهر فيقول:

وَمَوَاعِظ مِنْ رَبِّنَا نُهدي بها بِلِسَانِ أزْهر طَيِّبُ الأَثْواب[٢٥].

خلال دراسة سيرة النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم نجد هناك المميزات النبوية أخصّ بها اللّه سبحانه وتعالىٰ حبيبه لم يكن يتصف بها قبل النبى عليه الصلوٰة والسلام من الأنبياء عليهم السلام، وهذا و إنه كان خاتم الانبياء وهذه المميزات لا يمكن حصرها، هنا أذكر التى نجدها فى أشعار كعب بن مالك رضى اللّه عنه: هي: معراج النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم، ارتباط إطاعة الرسول بطاعة اللّه وعالمية النبى عليه الصلوٰة والسلام والكمال، وتصديق النبوة۔ يؤكد كعب بن مالك صحة معراج النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم قائلا:

فَإنْ يَكُ مُوسى كلَّم اللّه جهرةً عَلى جَبْلِ الطُّورِ المنِيْفِ المعَظَّمِ

فَقَدْ كَلَّمَ اللّه النَّبِيَّ مُحَمَّدًا عَلَى المَوْضِعِ الْاَعلى الرَّفِيْعِ المسَوَّم[٢٦].

وهو يؤمن قول اللّه سبحانه بصدق قلبه: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّه فَاتَّبِعُوْنِى يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبِكُمْ﴾[٢٧].

وَقَال اللّه تعالٰى: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اَطِيْعُوا اللّهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾[٢٨] ويمثّل مفهوم تلك الآيات الكريمة فى أشعاره قائلًا:

نُطِيعُ نَبِيَّنَا ونُطِيعُ رَبًّا هُو الرَّحْمٰنُ كَانَ بِنَا رَؤُوْفًا[٢٩].

وَلَا يبالى بِمَا تَكَلَّفه فِى طَاعة الرَّسُوْلِ مشّاقًا وعَنَاءً ويقول:

وَنُطِيْعُ أمْرَ نَبِيَّنَا و نَجِيْبُه وَإذا دعا لِكَرِيهة لَمْ نُسْبَقُ

وَمتى يُنادِ الى الشدائد نأتها وَمَتى نَرَ الْخُوْمَاتِ فِيها نُعْنِقُ[٣٠].

وَفى حب الرسول علىه الصلوٰة والسَّلَام اِنَّهٗ يطِيْعُ كُلَّ مَنْ اطاع الرسول فيقول:

مَنْ يَتَّبِعُ قَوْلَ النَّبِيِّ فإنَّه فِيْنَا مُطَاعَ الأَمْرِ حَقٌّ مُصَدَّق[٣١].

ويقول أيضاً:

وَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّه نَتْبَعُ اَمْرَه اِذْ قَالَ فِيْنَا القول لا نَتَطَلَّعُ

تدلّى عليه الرُّوْحُ مِنْ عِنْدَ رَبِّه ينزل مِنْ جَوِّ السَّمَاءِ وَيَرْفَعُ

وَقَالَ رسولُ اللّٰه لما بَدَوْا لَنَا إذا ما اشتهى أنّا نُطِيعُ وَنَسْمَعُ
وَقَالَ رَسُوْل اللّٰه لما بدوالنا ذرُوا عَنْكُمْ هَول المنّياتِ وأطمعوا[٣٢].

نجدكعب بن مالك رضى اللّٰه عنه يشترط على كل من أراد الرُّشد أن يتبع المرسل إلى النّاس كآفة:

فَمَنْ يَتْبَعهُ يُهْدَ لِكُلِّ رُشْدٍ وَمَنْ يَكْفُرْبه يُجْزَ اَلكُفُورُ[٣٣].

وَفى مرثيته عليه الصلوٰة والسّلام أظهر أن الراحل عليه الصلوة والسّلام هو خيرالبرية كامِلٌ:

يَا عَيْنُ فَأبْكِيْ بِدَمْعٍ ذَرَى لِخَيْرِ البَرِية وَالمصْطَفٰى
وَبكيِّ الرَّسُوْلَ وَحُقَ البُكَاءُ عَليه لَدَى الحَرْبِ عِنْدَ اللقَاءِ
عَلَى خيرِ مَنْ حَمَلَتْ نَاقة وأتقى البَرِية عِنْدَ التَّقَى[٣٤]۔

بَعْددراسته السيرة عليه الصلوٰة والسلام فِى شعر كعب بن مالك رضي الله عنه نلاحظ ذكر الغزوات فى شعره ذكراً وافّيا۔ وخلال أبياته يصوّر صورة رائعة الوقائع الّتى حدثت فى يوم معركة۔ أوّلًا نذكر أبياته بمناسبة غزوة بدر: عند ذكر غزوة بدر فى أشعارهٖ يصوّر مجمع قريش وهزيمتها لتحارب الإسلام والدعوة المحمدية وتظهر قوة الإسلام ويبيّن أنّ المشركين نال نصِيْبهم مِنَ المعْركة والمسلمونَ حَطّموهم بأسيافهم وَأشارَ إليه قائلا:

أَلَا هَلْ أتَى غَسَّانَ فِى نَأى دارها وَأُخْبَرُ شيء بالأُمْورِ عَلِيْمها
بأَنْ قَدْ رَمَتْنَا عَنْ قيبى عَدَاوَة مَعَدُّ مَعًا جُهَّالُهَا وَحَلِيْمُهَا
فَسَارُوا وَسِرْنَا فَألْتقَيْنَا كَأَنَّنَا أسُودُ لِقَاء لَا يُرَجّى كَلِيْمُهَا
فَوَلَّوا وَدُسْنَاهم بِبيضِ صَوَارِمٍ سَوَاءٌ عَلَيْنَا حِلْفُهَا وَصَمِيْمُهَا[٣٥].

وَبَعْدَ غزوة بدر يعيّر كعب بن مالك مشركي قريش ويصوّر شدّة موقعه بدرٍ وَمَا حدث بسيادتهم ورؤوسهم.

نَسِيْتُمْ ضَرَبْنَا بِقَلِيْبٍ بَدْرٍ غَدَاةُ أَتَاكُمْ المَوْتُ العَجِيْلُ
غدَاةَ ثَوَى أَبُو جَهْلٍ صَدِيْقًا عَلَيه الطَّيْرُ حَائمة تَجُولُ
وَ عُتْبة وَابْنه خَرًّا جَمِيْعًا وَشَيْبةُ عَضَّه السَّيْفُ الصَّقِيْلُ
وَ مُتْرِكُنَا أُمَيّة مُجْلَعِبًّا وَ فِىْ حَيْزُوْمِه لَدْنٌ نَبِيْلٌ
وَ هام بنى ربيعة سَائَلِونَا فَفِىْ اَسْيَافِنَا مِنْهَا فُلُولُ[٣٦].

غزوة أُحد

قد لَعِبَ الشعراء دورًا هامًّا فِى غزوة أُحد حين وصفوا مَادَارَ فيها مِن أحداثٍ وموافق ودارت مساجلات بين الشعراء المسلمين وشعراء الكفار وَرثاء الشعراء المسلمون مَنْ استشهدوا فِى تلك الغزوة

ومقدمة الجيش فى هذه الغزوة كانت فى يدحمزة بن عبدالمطلب۔ فى قصيدته هذه يصف كعب بن مالك مكان المعركة كما يقول:

أَلاهل أَتَى غسان عَنَّا ودُوْنَهم مِنَ الْأَرْضِ خَرْقٌ سَيْرُهٗ مُتَنَعْنِعٌ
صَحَارٍ و أعْلامِ كَأنَّ قَتَامها مِنَ البُعْدِ نَقْعٌ هامِدٌ مُتَقَطِّعٌ
تَظُلُّ به العَزْلُ العَرَامِيْسُ رُزَّجًا وَيَخْلُو به غَيْثُ السَنِيْنَ فَيُمْرِعُ
به جِيَفُ الحَسْرَى يَلُوحُ صَلِيْبها كَمَا لَاحَ كِتَّانُ التجار المؤَضّعُ
به العِيْنُ والآرَامُ يَمْشِيْنَ خِلْفة وبيض نَعَامٍ قَيْضه يَتَقَلَّعُ[٣٧].

ثم يصف بطولة المؤمنين عند دفاع الإسلام فى تلك المعركة ويذكر المشركين مع هزيمتهم قبل ذلك فى غزوة بدر يقول:

مُجَالِدُنَا عَنْ دِيْنِنَا كُلُّ فَخْمَةٍ مُذَّرِيَةٍ فِيها القَوَانِسُ تَلْمَعُ
وَكُلُّ صُمُوتٍ فِى الصُّوانِ كأنّهَا اِذَا لُبِسَتْ نهي مِنَ المآء مُتْرَعُ
وَلَكِنْ بِيَدْرٍ سَاءِلُوا مَنْ لَقِيْتُم مِنَ النَّاسِ والأَنْبَاء بِالْغَيْبِ تَنْفَعُ[٣٨].

ثم يصوّر كعب بن مالك كيفَ الكفار ضَرَبوا خيامهم وَاَبْنِيَهُم يوم أُحدٍ ويذكر الخسران الَّذى يواجهها المسلمون عندما أعرضوا عن نُصح النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلّم وبعد ذٰلك أنَّ فى الجهاد عنداللّٰه أجرٌ عظيمٌ لعبادهٖ الصادقين فى ذلك يقول:

وَلَمَّا ابتَنَوْا بِالْعِرض قَالَ سَرَاتُنَا عَلَامَ اِذَا لَمْ نَمْتَع العِرْضَ نَزِرَعُ
وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰه نَتْبَعُ أَمْرَهٗ اِذْ قَالَ فِيْنَا القَوْلَ لَا نَتَطَلَّعُ
تَدَلَّى عَلَيه الرُّوْحُ مِنْ عِنْدَ رَبِّه يُنَزَّلُ مِنْ جَوّ السَّمَاءِ ويُرْفَعُ
نُشَاوِرُهٗ فِيْمَا نُرِيْدُ وَ قصْرُنَا اِذَا مَا اشتَهى أَنَّا نُطِيْعُ وَنَسْمَعُ
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰه لَمَّا بدوا لنا ذَرُوا عَنْكُمُ هَولَ المنِيَّاتِ وَأطمعُوا
وَكُوْنُوا كَمَنْ يَشترِى الحَيَاة تَقَرُّبًا اِلَى مَلِكٍ يُحْيَا لَديه وَيُرْجَعُ
وَلَكِنْ خُذُوا أسْيَافَكُمْ وَتَوَكَّلُوا على اللّٰه اِنَّ الأَمْرَ لِلّٰه أَجْمَعُ
فَسِرْنَا عَلَيهم جَهْرَةً فِى رِحَالهم ضُحَيًّا عَلَيْنَا البِيْضُ لَا نتخَشَّعُ

ثم يصف المعركة وأحداثها ويذكر عدد المقاتلين من الطرفين ونتائج هذه المعركة ويصوّر حالة الخيول كانّها الجراد المنشتر فِى ذلك يقول:

فجئنَا اِلٰى مَوْجِ البحر وَسْطه أَحَابِيْشُ مِنهم حَاسِدٌ وَمقُنَّعُ
ثَلَاثة الآفٍ وَنَحْنُ نُصِيَّةٌ ثلاث مِئين اِنْ كَثرنَا وَأَرْبَعُ

نُغَاورِهم تَجْرى اَلْمَنِية بيننا نُشَارِعُهم حَوْضَ الْمَنَايَا وَنْشْرَعُ
تهادى قَسِيُّ اَلنَّبْع فينا وفيهم وَ مَا هو اِلَّا اليثرَبِيُّ المقَطَّعُ
وَ مَنْجُوْفة حِرْمِيَّةٌ صَاعِدِيَّةٌ يُذَرُّ عَلَيها السُّمُّ سَاعَة تُصْنَعُ
تَصُوبُ بأيْدَانِ الرِّجَالِ وتَارَة تَمُرُّ بِأَعْرَاضِ البِصَارِ تَقَعْقِعُ
وَخَيْلٌ تَرَاها بِالفَضَاءِ كَأَنَّهَا جَرَادُ صَيًا فِى قَرَّةٍ يَتَرَبَّعُ
فَلَمَّا تَلَاقِيْنَا وَدَارَتْ بِنَا الرَّحَى وَلَيْسَ الأَمْر حَمَّهُ اللّٰهُ مَدْفَعُ
ضَرَبْنَاهم حَقَّ تَرَكْنَا سَرَاتهم كَأَنَّهم بالْقَاعِ خُشْبٌ مُصَرَّعٌ
قَتِلْنَا وَحَالَ القَوْمُ مِنَّا وَرُبَّمَا فَعَلْنَا، وَ لَكِنْ مَا لَدَى اللّٰه أُوْسَعُ
وَدَارَتْ رَحَانَا، وَاَسْتَدَارَت رَحَاهم وَقَدْ جُعِلُوا كُلَّ مِنَ الشَرِّ يَشْيَعُ[٣٩].

وَأخيرًا يذكر أنّ المسلمين لم يأتوا لمغنم دينوى بل يقدمون على الحرب دفاعًا عن عرضٍ أوعقيدة وَلَا يهابونَ أعداءَهم أنهم يعرفونَ آداب القتال فى معاملة المتحاربين والأسرى يقول كعب بن مالك واصفًا الجيش المسلم:

وَنْحْنُ أُنَاسٌ لَانَرَى القَتْلَ سُبَّةً عَلَى كُلِّ مَنْ يَحْمِى الذُّما رَ وَيَمْتَعُ
لكنَّنَا نَقْلِيْ الفِرَارَ وَنرى اَرْ فِرَارَ لِمَنْ يَرْجُوا العَوَاقِبَ يَنْفَعُ
جِلَادُ عَلَى ريب الحوادثِ لاترى على هالك عينًا لَنا الدَّهر تَدْمَعُ
بَنُوا الحربِ لَا نَعْيًا بِشَىءٍ نَقُوْله وَلَا نَحْنُ مِمَّا جرَتِ الحَرْبُ نَجْزَعُ
بَنُوا الحَرْب اِنْ نَظْفَرْ فَلَسْنَا بِضُحَّشٍ وَلَا نَحْنُ مِنْ أَظْفَارِنَا نَتوَجّعُ
وَكُنَّا شهابًا يَتَّقِيْ النَّاسَ حَرَّهُ ويَفْرُجُ عَنه من بليه ويُسْفَعُ[٤٠].

غزوة خندق

بعدالهجرة فى السنة الخامسة تجمت قوى الشرك لمحاربة النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم والمسلمين بالمدينة مِن أجل على المسلمين. ولما علم الرسول صلى اللّٰه عليه وآله وسلم جمع المسلمين واعلمهم عزائم الأعداء وبعد مشاورة مع أصحابه أمر بحفر الخندق۔ بهذه المناسبة سُمّى هذه المعركة بغزوة خندق۔ وكعب بن مالك فى شعرهٖ يصف يوم هذا ويذكر الشجاعة والنصرة والتضحية لقوم الّذى لقى الاعداء لدفاع الاسلام يقول:

مَنْ سَرَّهُ ضَرْبٌ يُمْعِمُ بَعْضه بَعْضًا كمَعْمَعةِ الأَبَاءِ المحْرَقِ
فَلْيَأتِ مَأسَدَةً تُسَنُّ سُيُوفها بَيْنَ المِذادِ وَبَيْنَ جِزْعِ الخَنْدقِ
دَرِبُوا بضَرْبِ المعْلَمِيْنَ وَأَسْلَمُوا مهجَاتِ أَنْفُسهم لِرَبِّ المشَّرق

فِى عُصْبةٍ نَصَرَ الله نَبِيَّه بهمْ وَكَانَ بِعَبْدِهٖ ذا مَرْفَقِ[٤١].

بعدذلك يصف السلاح والدروع الَّذى استعمل فى غزوة خندق ويصوّر السيوف الصارمة المختلفة حيث يقول:

فِى كُلِّ سَابِغةٍ تَخَطُّ فُضُوْلُهَا كَالنهي هبّت رِيْحه الْمُتَرقْرِقُ
بَيْضَاءَ مُحْكَمةٍ كَأَنَّ قَتِيْرَها حَدَقُ الْجَنَادِبِ ذَاتَ شَك مُوْثَقِ
جَدْلَاءَ يَخْفِزُها تِحَادُ مهنَّدٍ صَافِى الحَدِيْدَة صَارِمٍ رونق
تلِكُمْ مَعَ التَّقْوى تَكُونُ لِبَاسَنَا يَوْمَ الهيَاجِ وَكُلَّ سَاعةٍ مَصْدَقِ[٤٢].

ثم يذكر تعدد المسلمين للمعركة وخيولهم الأصيلة المضمرة الّتى تصعدبفرسانها وتحطّم أعدائهم يقول:

وَنُعِدُّ لِلْاعْدَاءِ كُلِّ مُغَلصٍ وَرْدٍ ومُحْحولِ القَوَائِمِ أَبْلَقِ
تَرَدَى بِفرْسَانِ كَأَنَّ كُمَاتهم عِنْدَ الهِيَاجِ أَسُودُ طَلٍّ مُلْثَقِ
صَدْقُ يَعَاطُونَ اَلكُمَاة حُتُوْفهم تَحْتَ العَمَاية بِالْوَشِيْجِ المزْهق
أَمَرَ الإله بِرَبْطها لِعُدّوِهٖ فِى الحَرْب اِنَّ اللّٰه خَيْرُ مُوَفِّقِ
لِتكُوْنَ غَيْظًا لِلْعَدُوِّهٖ حُيَّطًا للدّار اِنْ دَلَفَتْ خُيُول النُّزَّقِ
وَيُعِيْنُنَا اللّٰه العَزِيْزُ بِقُوَّة مِنه وَصِدْقٍ الصَّبْرِ سَاعة نَلْتَقِى
وَنُطِيْعُ اَمْرَ نَبِيِّنَا وَنُجِيْبه وَاِذَا دَعَا لِكَرِيهة لَمْ نُسْبَقِ
وَمَتَى يُنَادُ اِلى الشَّداءِد نَأتها وَمَتَى نَرَ الحَوْمَاتِ فِيها نُعْنِقُ[٤٣].

وعندما فخر الشاعر ضرار[٤٤]فى قصيدته كثرة القبائل الَّذين جاؤوا لمحاربة للمسلمين فرَدّ كعب بن مالك قائلًا أنَّ فيهم رسولاً وهم مع نبيهم يستطيعون ان يقتلوا ظالمين عاقين حيث يقول:

وَسَاءِلةٍ تُساءِلُ مَا لَقِيْنَا ولو شهدَتْ رَأَتُنَا صَابِرِيْنَا
صَبَرْنَا لَانَرَى لِلّٰه عِدْلًا عَلَى مَا نَابَنَا مُتَوَكِّلِيْنَا
وَكَانَ لَنَا النَّبِيُّ وَزِيْرَ صِدْقٍ به نَعْلُو البَرِية أَجْمَعِيْنَا
نُقَاتِلُ مَعْشَرًا ظَلَمُوا وَعَقُّوا وَكَانوا بِالعَدَاوَة مُرْصَدِيْنَا
نُعَاجِلهم اِذا نَهِضُوا إلِيْنَا بِضَرْبٍ يُعْجِلُ اَلْمُتَسَرَّ عِيْنَا
فِى أَيْمَانِنَا بِيْضٌ خِفسَافٌ بها نَشْقِى مِرَاحَ الشَّاغِبِيْنَا
بِبَابِ الخَنْدَقِيْنَ كَأَنَّ أُسْدًا شَوَابِكهنَّ يَخْمِيْنَ العَرِيْنَا
لِنَنْصُرَ اَحْمَدَا واللّٰه حتّى تكونَ عِبَادَ صِدْقٍ مُخْلِصِيْنَا
وَيَعْلَمُ اَهلُ مكة حِيْنَ سَارُوْا وَاَحْزَابُ أَتوا مُتَحَزِّ بِيْنَا

بِأنَ اللّٰه لَيْسَ لَه شَرِيْكٌ وَانَّ اللّٰه مَولَى المؤْمِنِيْنَا[٤٥].

الطائف

عندماتوجّه المسلمون بقيادة الرسول صلى اللّٰه عليه وآله وسلم إلى الطائف لدعوة الإسلام وبيان موقفه بهذه المناسبة نظم كعب بن مالك قصيدته أن يسجّل مراحل صراع المسلمين حيث يقول فى مطلع قصيدته:

قَضَيْنَا مِنْ تهامة كُلُّ رَيْبٍ وَخَيْبَرَ، ثُمَّ أَجْمَعِيْنَا السُّيُوفَا
نَخَيِّرُها، وَلَوْ نَطقَتْ لَقَالَتْ قَوَاطِعهن: دَوْسًا اَوْ ثقيفًا
فَلَسْتُ لِحَاضنٍ اِنْ كُمْ تَرَوْها بِسَاحة دَارِكُمْ مِنَّا اُلُوفًا
وَنَنْتَزِعُ العُرُوْسَ يَطْن (وجٍّ) وَتُصبِحُ دُوْرُكُمْ مِنَّا خُلُوْفَا
وَيَأتِيَكُمْ لَنَا سَرَعَانُ خَيْلٍ يُغَادِرُ خَلْفه جَمْعًا كَثِيْفًا
بِأيْدِيهم قَوَاقِبُ مُرْهفَات يُزِرْنَ المصَطَلِيْنَ بها الحُتُوفَا
كَأمْثَالِ العَقاءِقِ أخْلَصَتها قُيونِ الهنْدِ لُمْ تضْرَبٍ كَثِيْفًا
تَخَالُ جَدِيّة اَلأبطالِ فيها غَدَاة الزَّحْفِ جَادِيًّا مَدُوْفًا[٤٦].

عندما لم يقبل أهل الطائف دعوة النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم إلى الإسلام- كعب بن مالك رضي الله عنه أنذر المشركين من سوءِ العاقبة ووضّح من يقبل الإسلام يعيش فى عِيْشة راضِية ينطلق كعب رضي الله عنه فى هذا المعنى يقولُ:

أجِدَّهم أَلَيْسَ لهم نَصِيْحٌ مِنَ الأقوامِ كَانَ بِنَا عَرِيْفًا
يخبّرهم بأَنَّا قَدْ جَمِعْنَا عِتَاق الخيل والنُّجُبَ الطَّرُوفًا
فإنْ تلقوا إلينا السلم نقبل ونجعلكم لنا عضدا وريفا
وَإنْ تَابُوا نجاهدكم ونصبر وَلايك أمرنا رعشا ضعيفًا
نجاهد لانبالى من لقينا أأهلكنا التلاد أم الطريقا
وكَمْ مِنْ معشر ألبوا علينا صميم الجذم منهم والحليفا
بكل مهند لين صقيل يسوقهم بها المسامع والأنوفا[٤٧].

غزوة بنى لحيان

بعدغزوة الأحزاب فى السنة الخامس من الهجرة خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم إلى بنى لحيان مع مائتى أصحابه، أهل لحيان غدروا بعشرة من أصحابه، كَانَ النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم حريصاً على الاقتصاصِ لأصحابه الَّذين استشهدوا على يد هذه القبيلة عند مَا اقترب عليه

الصلوٰة والسلام بجيشه من منازلهم، هم هربوا فى رؤوس الجبال، أقام بها الرسول ليومين لإرهابهم وتحديهم وليظهر للأعداء قوة المسلمين[٤٨]. قال كعب بن مالك بهذه المناسبة.

لَوْ اَنّ بنى لحيان تناظروا لقوا عصبا فى دارهم ذات مصدق
لقوا سرعانا يملأ السرب روعه أمام طحون كالمحجرّة فيلق
ولكنهم كانوا وبارّا تتبعت شهاب حجازٍ ذى متنفق[٤٩].

يوم خيبر

قدوقعت غزوة خيبر فى السنة السابعة للهجرة بين المسلمين واليهود لم يهدأ يهود خيبر عن الكيد ضد الإسلام۔ فخرج الرسول صلى اللّٰه عليه وآله وسلم مع أصحابه لمحاربة ضد اليهود خرج مرحب قائلا الرجز من اليهود: أطعن أحيانا وحينا أضربُ

فأجابه كعب بن مالك رضى اللّٰه عنه:

قد علمت خيبراً إنى كعب وأنّى ممن يشب الحرب
معى حسام كالعقيق عضب

وقدذكر ابن هشام فى كتابه السيرة النبوية شعر كعب بن مالك عن أبى زيد الأنصارى:

وَنَحْنُ وردنا خيبر أو فروضه بكل فتى عارى الأشابع مذود
جواد لدى الغايات لا واهن القوى جريئ على الأعداء فى كل مشهد
عظيم رماد القدر إن أصاب شهادة مِن اللّٰه يرجوها و فوزًا بأحمد
يذود ويحمى عن ذمار محمد ويدفع عنه باللسان وباليد
وينصرهٗ من كل أمر يريبه يجود بنفس دون نفس محمد
يصدق بأتياء بالغيب مخلصا يريد بذات الفوز والعز فى غد[٥٠].

معركة موته

خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم إلى موتة سنة ثمانٍ للهجرة. بمناسبة هذه الغزوة قال كعب بن مالك شعرهٗ بيّن فيها شرف النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم فيقول:

يا هاشمًا اِن الإله حَبَاكُمْ مَا لَيْسَ يَبْلُغه اللّسان المُقْتَالُ
قومٌ لِأصْلهم السّيَادة كُلّهَا قِدْمًا وَفَرْعهم النَّبِىُ المُرْسِلُ
يهديهم رضى الإله لخلقه وَبجدهم نصر النبى المرسلُ[٥١].

وَلا شك فيه، فى الغزوات للشعر تاثيرهٗ المحرّض فى النفوس وقدرته على تثبيت الهمِم وتقوية العزائم واهتمام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآلهٖ وسلّم بالشعرلهزيمة أعداءِ الإسلام الدّيَن كانوا يهجونه

ويصدون عن سبيل اللّٰه عمل جَلِيْلٌ وهذا الفعل المقدس سندٌ رفيعٌ أنّ الأدب مهمة للدفاع عن العقيدة الإسلامية وقول رسول اللّٰه صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم يشجع المسلمين الى يوم القيامة۔ حين قال النبى صلى اللّه عليه وآلهٖ وسلّم: مَا يَمْنَعُ الَّذِيْنَ نَصَرُوا رسول اللّٰه بسلاحهم أَنْ ينصروا بألسنتهم[٥٢].

الهوامش

١ـ لسان العرب، إبن منظور، الإفريقى، ط ١،دار صادر بيروت.

٢ـ البداية و النهاية، ابن كثير، ط، بيروت، ٢٤٢/٣.

٣ـ إبن الاثير، عز الدين ابى الحسن على بن محمد الجوزى، أُسد الغابة فى معرفة الصحابة، تحقيق و تعليق: محمد معوض دارالكتب العلمية بيروت لبنان، ص٩٦٧.

٤ـ أسد الغابة، ج١، ص١٤٤٧.

٥ـ أسد الغابة، ج١،ص١٤٤٨.

٦ـ الدرالمنثور، آية ٢٠٩،جز٦.

٧ـ الاستيعاب فى معرفة الأصحاب،١/٤١٩.

٨ـ الف ـ سورة التوبة، ٩: ١١٨.

٨ـب ـ المصدرنفسه، ص ١/٤١١.

٩ـ البخارى، محمدبن اسماعيل، صحيح البخارى، تحقيق مصطفى ديب البغا دارابن كثير يمامة ، بيروت، ٤/٢٢٩.

١٠ـ كعب بن مالك الانصارى، الديوان، عبدالرحمن المصطاوى دارالمعرفة، بيروت، لبنان، الطبعة الاولى، ١٤٢٨ه، ٢٠٠٧ء، ص ٥.

١١ـ الديوان، كعب بن مالك، ص ٨٥.

١٢ـ المصدرنفسه، ص٧٩.

١٣ـ المصدرنفسه، ص٢٠.

١٤ـ المصدرنفسه، ص٦٣.

١٥ـ المصدرنفسه، ص٤٨.

١٦ـ المصدرنفسه، ص٥٣.

١٧ـ المصدرنفسه، ص٥٧.

١٨ـ المصدرالسابق، ص١٢.

١٩ـ المصدرالسابق، ص٤٨.

٢٠ـ المصدرالسابق، ص٧٤.

٢١ـ المصدرالسابق، ص٢٩.

٢٢ـ المصدرالسابق، ص٥٥.

٢٣ـ المصدرالسابق، ص٥٣.

٢٤ـ المصدرالسابق، ص٢٥.

٢٥ـ المصدرنفسه، ص٦٧.

٢٦ـ المصدرنفسه، ص٤٨.

٢٧ـ سورة آل عمران، ٣: ٣١.

٢٨ـ سورة النساء، ٤: ٥٩.

٢٩ـ المصدرنفسه، ص٥٥.

٣٠ـ المصدرنفسه، ص٥٥.

٣١ـ المصدرنفسه، ص٢٤.

٣٢ـ المصدرنفسه، ص٣٩.

٣٣ـ المصدرنفسه، ص٧٩.

٣٤ـ المصدرنفسه، ص٩٩.

٣٥ـ المصدرنفسه، ص٢٥٣.

٣٦ـ المصدرنفسه، ص٢٢٢.

٣٧ـ المصدرنفسه، ص٢٢٣.

٣٨ـ المصدرنفسه، ص٢٢٥.

٣٩ـ المصدرنفسه، ص٢٢٦-٢٢٥.

٤٠ـ المصدرنفسه، ص٢٢٨-٢٢٧.

٤١ـ المصدرنفسه، ص٢٤٤.

٤٢ـ المصدرنفسه، ص٢٤٥.

٤٣ـ المصدرنفسه، ص٢٤٧-٢٤٦.

٤٤ـ هو ضرار بن الخطاب بن مرداس القرشى، فارس، شاعر، قاتل المسلمين وأسلم فتح مكة، (الاستيعاب فى معرفة الاصحاب، ابن عبدالبر، مطبعة السعادة، القاهرة ١٣٨٢ه،١/٢٢٧.

٤٥ـ ديوان، كعب بن مالك، ص ٢٨٠-٢٧٩.

٤٦ـ المصدرنفسه، ص ٢٣٥-٢٣٧.

٤٧ـ المصدرنفسه، ص٢٣٦.

٤٨ـ أنظر دـمهدي رزق اللّه، السيرة النبوية فى ضوء المصادر الأصلية الرياض، ط ١، ص ٤٦٨.

٤٩ـ ديوان، كعب بن مالك، ص ٢٨٠-٢٧٩.

٥٠ـ المصدرنفسه، ص ٢٣٥-٢٣٧.

٥١ـ المصدرنفسه، ص٢٣٦.

٥٢ـ ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف(م: ٥٧١ه) تاريخ دمشق، تحقيق: عمرو بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع ١٤١٥ه - ١٩٩٥ م، ٩٦/٢٨.

تأثير الإسلام في شعر نابغة بني جعدة

The Influence of Islam in the Poetry of Nabigha Bani Ja'dah

عمر عبد الهادي ديان*

Abstract

In the pre-Islamic era there were a large number of famous poets whose poetry had a great impact on the Arab society and they were blue eyed of the society due to their poetry. When Prophet(peace and blessing of Allah be upon Him) conveyed the message of Islam to the people, immediately most of the Quraish and the Arab poets didn't accept Islam although there is a reasonable number of poets who embraced Islam.

Among those who accepted Islam was Nabigha Ja'di. Since he has two phases of his life i.e. non-Islamic and Islamic, if his poetry was manifestation of pre Islamic Arab society and free of religious influence before he embraced Islam, his poetry was reflection of truth of Islam and its teachings as he formed them in his poetry. While affirming his non Islamic way of life that it was based upon ignorance and negligence, he acknowledged that this is a greatest favor of Allah and His blessing upon him that he embraced Islam, followed its teaching and wore its dress before passing away his soul.

While studying the poetry of Nabigha impact of Islam can be observed as he used his poetry not only for worldly purpose but he used it for describing the virtue of Islam and calling people towards Islam and Jihad in the way of Allah. Being a Muslim second phase of his poetry is an ideological, thought provoking and persuading people to the Holy Qur'an and Sunnah

لقد كان للإسلام تأثير عظيم في الشعراء في صدر الإسلام، ظهر ذلك جليا في أشعارهم، وذلك بسبب روح الدعوة الجديدة، وسماحة تعاليم الديانة الحنيفية، فراح كثير من الشعراء الموالين لرسالة نبينا محمد ﷺ يصدرون عن منهج ديني، مستفيدين من معطيات القرآن الكريم، منهم النابغة الجعدي[1]، ويظهر هذا التأثير في شعره من خلال التالي:

---

* طالب الدكتوراة بكلية اللغة العربية و آدابها، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام أباد، باكستان.

البند الأول؛ شعر رحلة الحياة، والانتقال من الجاهلية إلى الإسلام

إن توثيق رحلة الحياة في الشعر أمر جديد على الشعر العربي في صدر الإسلام، والجعدي بعدما رأى طول عمره –وذلك في خضم الأحداث العظيمة؛ التي نقلت الحياة العربية من طور تقليدي، إلى طور فيه نتاج وبناء– راقَ له أن يدندن برحلته في الحياة، ونشأته فيها، ووصوله إلى عتبت الإسلام، ودخوله فيه؛ لينعم بسعادة الدنيا والآخرة، فها هو يقول عن رحلته [من بحر المتقارب] [٢]:

لَبِستُ أُناساً فَأَفنَيتُهُم وَأَفنَيتُ بَعدَ أُناسٍ أُناسا
ثَلاثَةَ أَهلينَ أَفنَيتُهُم وَكانَ الإِلهُ هُوَ المستآسا
وَعِشتُ بِعَيشَينِ إِنَّ المَنُونَ تَلَقّى المَعايِشَ فِيها خِسَاسا
فَحِيناً أُصادِفُ غِرّاتِها وَحِيناً أُصادِفُ مِنها شِمَاسا
نَشَأتُ غُلاَماً أُقاسِي الحُروبَ وَيَلقى المقاسُونَ مِنِّي مِرَاسا

يحدثنا الشاعر عن طول رحلته في الحياة، إذ عاصر ثلاثة قرون من الناس[٣]، وتملّى بهم دهرا طويلا، وكلهم قد انقضوا وهلكوا، وبقي الجعدي متأملا بالله تعالى، فالله هو المستعطَى[٤]، ويحكي لنا أنّ حياته كانت على طبقين، طبق يسلم فيه من المنون –وهو نوائب الدهر[٥]– فيكون في غرة منها، وطبق آخر لا يسلم منها؛ والتي تجعل المرء ذليلا لشدة بلائها؛ فيلاقي صعوبة وشدة، ومع ذلك فقد نشأ الشاعر نشأة قوية، تدرب فيها على الحروب، وأصبح فارسا قويا، يعرفه الناس.

ومازال الجعدي كذلك حتى جاء الله سبحانه بالإسلام، ولم يقف أمامه متفرجا، بل أسلم واتبع هداه، فيقول عن ذلك [من بحر الطويل] [٦]:

رَكِبتُ الأُمُورَ صَعبَها وَذَلُولَها وَقاسَيتُ أَيّاماً تُشِيبُ الحَزَوَّرا
تَبِعتُ رَسُولَ اللَهِ إِذ جاءَ بالهُدى وَيَتلُو كِتاباً كَالمجَرَّةِ نَيِّرا
وَجاهَدتُ حَتّى ما أُحِسُّ وَمَن مَعِي سُهَيلاً إِذا ما لاَحَ ثُمَّتَ غَوَّرا
أُقِيمُ عَلى التَقوى وَأَرضى بِفِعلِها وَكُنتُ مِنَ النارِ المخُوفَةِ أَوجرا

وَطوَّفــــتُ في الرُهبـــانِ أَعبُـــرُ دِيـــنَهُم وسَـــيَّرتُ في الأَحبـــارِ مَـــا لَم تُسَـــيِّرا

إنه يؤكد هنا ما أخبرنا عنه في الأبيات السابقة، من ركوبه للأمور الصعبة، والسهلة، وذلك كله في طريق ارتحاله في الحياة، التي قاسى فيها أياما صعابا، تشيب الغلام اليافع[٧]، وكان بحاجة ماسة إلى مخرج من هذا البلاء الذي يكتنف حياته، فجاء الإسلام، واتبع رسول الله ﷺ الذي جاء بكتاب كالجمرة نير، وشارك في الجهاد في سبيل الله تعالى، وذهب إلى أماكن لا يحس فيها بسهيل إذا ما بدا أو غاب، ولعله من شدة انهماكه في الجهاد؛ لا يجد وقتا لمراقبة هذا النجم العجيب، أو أنه ودع الهوى؛ فسيهل مما يذكِّر بالأحبة، وكلاهما حسن، فيقيم على التقوى ويرضى بها بديلا؛ حذر النار، وقد أخذ العبرة من دين الرهبان، واطلع على سيرة الأحبار؛ بقدر لم يتيسر للأحبار أنفسهم.

هذا ويحكي لنا الشاعر عن غفلة الناس الذين عاش بينهم، وعن نفسه قبل مجيء الإسلام، وهو طور عاشه الشاعر، وقد نجا منه بالهداية، ويخبرنا عنه هنا للعبرة، والعظة، فيقول [من بحر البسيط] [٨]:

إِمَّـــا تَـــرَي ظُلَـــلَ الأَيـــامِ قَـــد حَسَـــرَتْ عَـــنّي وشَمَّـــرْتُ ذَيْـــلاً كـــانَ ذَيَّـــالا
وَعمَّمتـــني بَقايـــا الـــدَهرِ مِـــن قُطُـــنٍ فَقَـــد أُنَضِّـــجُ ذا فِـــرقينِ مَيَّـــالا
فَقَـــد تَـــرُوعُ الغَـــوَاني طَلعَـــتي شَـــعَفاً يَنصُصـــنَ أَجيـــادَ أُدْمٍ تَرتَعـــي ضـــالا
في غُـــرَّةِ الـــدَهرِ إِذ نُعمـــانُ ذُو تَبَـــعٍ وَإِذ تَـــرى النـــاسَ في الأَهـــواءِ هُمَّـــالا
حَـــتّى أَتَـــى أَحمَـــدَ الفُرقـــانُ يَقـــرَأُهُ فِينـــا وَكُنَّـــا بِغَيـــبِ الأَمـــرِ جُهَّـــالا
فَالحمـــدُ لِلّـــهِ إِذ لَم يـــأتِني أَجَلـــي حَـــتّى لَبِســـتُ مِـــنَ الإِســـلامِ سِـــربالا

يبدأ حديثه مخاطبا امرأة؛ قائلا لها: إن تري ظلل الأيام قد كشفتْ عني الستر، ورفعتُ ذيلا كان طويلا-يعني قصر شعره الطويل- وشيبتني بقايا الدهر فصار شعري أبيض، حتى غدوت كمن لبس عمامة بيضاء، فلا يغرنك ذلك؛ فقد أُحكم ترجيل شعري، وأجعله مفروق فرقين، عندئذ تُعجب طلعتي الفتيات الجميلات، وتوهج قلوبهن بحبي[٩]، فينصصن رقابهن إلي. ويشبههن

بغزلان ترتعي؛ فترفع رقابها ناظرة إليه حين مروره، وهذا كله في غرة الدهر، وغفلة الزمان، وكان هذا زمن النعمان[١٠] ذي الشأن العظيم، والملك المتبوع، والناس في هذا الوقت يسيرون خلف الأهواء؛ عبثا بلا هدف. فاستمرّ ذلك الحال حتى أفاء الله على الإنسانية بالرحمة، وأرسل نبيه محمّدًاﷺ، وأنزل عليه الفرقان، وقام بدعوة العرب الجهلاء إليه، فيحمد الشاعرُ الله تعالى على أنه لم يَسُقِ الموت إليه؛ قبل أن يلبس لباس الإسلام، وهذه هي النعمة الكبرى، والمنة العظمى.

وفي النص التالي يبين طول عمره، وتنقله في الآفاق؛ بحثا عن حياة يرجوها، شأنه شأن طلاب المعالي في زمنه، ويستقر به المقام في أحضان الإسلام العظيم؛ فيقول [من بحر الكامل][١١]:

قالَت أُمامَةُ كَم عُمِرتَ زَمانَةً ... وَذَبَحتَ مِن عِترٍ عَلى الأَوثانِ
وَلَقَد شَهِدتُ عُكاظَ قَبلَ مَحَلِّها ... فِيها وَكُنتُ أُعَدُّ مِ الفِتيانِ
وَالمنذِرَ بنَ مُحَرِّقٍ في مُلكِهِ ... وشهدتُ يَومَ هَجائِنِ النُعمانِ
وَعُمِرْتُ حَتّى جاءَ أَحمَدُ بالهُدى ... وَقَوارِعٍ تُتلى مِن الفرقانِ
وَلَبِستُ مِ الإِسلامِ ثَوباً واسِعاً ... مِن سَيْبِ لا حَرِمٍ وَلا مَنَّانِ

لقد عمر كثيرا، فشارك العرب في ديانتهم الوثنية، وشهد عكاظ قبل محلها، وهو فتى قوي، وأدرك المنذر بن محرق[١٢]، وشهد يوم هجائن النعمان أخي المنذر بن محرق، والهجائن النوق المهجنة، وقد كان لها يوم معروف[١٣]- وهذا يعني أن حياته بدأت قبل الإسلام؛ بزمن يقدر بعشرات السنين- وقد بيّنّا ذلك في ترجمته- وامتدّ عمره حتى جاء الرسول ﷺ وسمع القرآن، فكانت قوارع تقرع الباطل، وتدخل النور إلى القلب؛ فآمن، وتعلم الدّين، وصار له فيه باع، وذلك كلّه من كرم الله تعالى.

ومهما يكن؛ فإن شاعرنا قد ارتحل في حياته كثيرا، يبحث عن مجد، لا يدري عن كنهه شيئا، ولكن نفسه الأبية لم تبارك له المكوث في دياره؛ راعيا للإبل، بل حثته على التطواف، فيقول [من بحر الطويل] [١٤]:

وَما زِلتُ أَسعَى بينَ بابٍ وَدارَةٍ ... بِنَجرانَ حَتّى خِفتُ أَن أَتَنَصَّرا

وما وصل إليه الجعدي من الهداية، والانتقال من الجاهلية إلى الإسلام، هو نتاج تجربة طويلة، تمتد في أحضان الزمن سنين طويلة، وأعواما مديدة، يشير إليها، كالموثق لها، فيقول [من بحر الوافر] [١٥]:

فَمَـــن يَـــكُ ســـائِلاً عَـــنّي فَـــإِنّي مِـــنَ الفِتيـــانِ فِي عـــامِ الحُنـــانِ
مَضَـــت مِئـــةٌ لِعـــامٍ وُلِـــدتُ فِيـــهِ وَعَشـــرٌ بَعـــدَ ذاكَ وَحِجَّتـــانِ
فَقَـــد أَبْقَـــتْ صُـــروفُ الـــدَهرِ مِـــنّي كَمـــا أَبقَـــتْ مِـــنَ الســـيفِ اليَمـــاني
تَفَلَّـــلَ وَهـــوَ مَـــأثُورٌ جُـــرازٌ إِذا جُمِعَـــتْ بِقائِمِـــهِ اليَـــدانِ

كان عمره حين قال هذه الأبيات، مئة واثنتي عشرة سنة، وقد كان فتيا عام الحنان[١٦]، وهو الآن قد أنهكته صروف الدهر؛ حتى صار كالسيف اليماني القوي؛ المتوارث من السلف إلى الخلف؛ فتثلّم من كثرة المقارعة به في المعارك. وهذا العمر الطويل، هو لحظة في صفحة الدهر، يقول عنه [من بحر الطويل] [١٧]:

وَمَـــا عُمُـــري إِلا كَـــدَعوَةِ فـــارِطٍ دَعـــا راعِيـــاً ثُمَّ اِســـتمرَّ فـــأَدبَرا

هكذا العمر، لحظات وينقضي، كفارط تقدم قومه إلى الماء، فدعا راعيا؛ ليدله عليه، فدله، وشرب منه، وعاد إلى قومه مخبرا.

البند الثاني؛ شعر الدعوة

شارك الجعدي بالدعوة إلى المعروف؛ استجابة لداعي القرآن، وامتلاكا للنفس الأمارة بالسوء، وحبا في نشر الخير في الناس، والبعد عن العصبية الجاهلية؛ لتحقيق قواعد الهداية، والسعي لجمع شمل الأمة العربية أولا، ثم العالمية ثانيا؛ تحت راية الإسلام العظيم، فيقول [من بحر المتقارب][١٨]:

وَلَيْسَـــتْ بشَـــوْهاءَ مَقْبُوَحَـــةٍ تَـــوافِي الـــديارَ بوجْـــهٍ غَـــبِر
فَـــذَر ذا وَعـــدٍّ إِلى غَـــيرِهِ فَشَـــرُّ المقالَـــةِ مـــا يُعتَســـرَ
وَمـــا البَغـــيُ إِلاَّ عَلـــى أَهلِـــهِ وَمـــا النـــاسُ إِلاَّ كهـــذي الشَـــجَر

تَـــرَى الغُصـــنَ في عُنفُـــوانِ الشَـــبا بِ يَهتَـــزُّ في بَهَجـــاتٍ خُضَـــر
زَمانـــاً مِـــنَ الـــدَهرِ ثُمَّ التَـــوى فَعـــادَ إِلى صُـــفرَةٍ فانكَسَـــر

في البيت الأول يحاكي ما ألفه من البيئة العربية قبل الإسلام، ويُظهر مشاعر العربي الأبي، ويريد بهذا البيت التهديد، وتهويل الأمر، حتى إنا لنذهب به مذاهب بعيدةً في التخيل، إذ حذف اسم "ليس" وأبقاه للخيال، وأخبر عنه بما يثير، ومعنى البيت: أن الأمر الذي أخفاه، ويهدد به؛ يوحي بداهية عظيمة, وهذه الداهية هي شوهاء مخيفة، قريبة من النيل من أعدائه[١٩]، وليست كما قد يُظن أنها بعيدةٌ لا تأتيهم، بل إنها توافي الديار، وتقترب منها بلا رحمة؛ مظهرةً للغضب الشديد، هذا الأمر متوقع من الإنسان الجاهلي؛ الذي لا يعرف سوى الانتصار للنفس، إلا أن الإسلام يأمر أتباعه باستعمال الحسنى في التعامل، فقدم هذا التقدمة؛ ليتحقق أسلوب الترغيب والترهيب.

وكان من أسلوب الترغيب عنده؛ أنه حذا حذو النصح، والإرشاد، مقتبسا ذلك من منهج الدعوة، الذي جاء به رسولنا ﷺ فضمَّن أبياته معاني قرآنية؛ بأسلوب أدبي، لا يخلو من رشاقة العبارة، والآيات التي اقتبس منها المعاني، التي يدل عليها البيت الثالث، والرابع، والخامس؛ هي: ﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾[٢٠] وقوله تعالى﴿إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرّاً ثُمَّ يَكُونُ حُطَاماً﴾[٢١].

ثم يُلحق هذه الأبيات بأبيات أُخر، يشرح فيها حقيقة دينية، أكّدها القرآن الكريم، والحديث النبوي الشريف؛ في مواضع كثيرة، وهي القدر، فكل ما كتب الله كان؛ مهما توفرت الأسباب التي توحي بعكس ما هو كائن، يقول الشاعر [من بحر المتقارب] [٢٢]:

وَكَـــم مِـــن أَخِـــي عَلَيَـــةٍ مُقـــتِرٍ تَـــأَتَّى لَـــهُ المـــالُ حَـــتّى اِنجَـــبَر
وَآخـــرَ قَـــد كـــانَ جَـــمَّ الغِنـــاءِ رَمَتْـــهُ الحَـــوادِثُ حَـــتَّى اِفتَقَـــر
وَكَـــم غائـــبٍ كـــانَ يَخشَـــى الـــرَّدى فَـــآبَ وَأَودَى الَّـــذي في الحَضَـــر

وشاعرنا بهذه القصيدة، ينتقل من غرض الهجاء، والسير وفق هوى النفس، إلى أسلوب الدعوة، ومنهج ادفع بالتي هي أحسن، فمن مطلع القصيدة نفهم أن حديثا ذا لهجة شديدة؛ دار بينه وبين طرف آخر، ونبهنا إلى أنه صعب المراسل، شديد الشكيمة، لكن أمرا يمنعه من الخوض في الهجاء، ويحيد به إلى أسلوب النصح والتوجيه.

وقد كان الجعدي ناصحا في أكثر من موقف، وبذلك يسير على نهج النبوة، قال تعالى: ﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالاَتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ﴾ [٢٣] فكان حقًّا على الشاعر المؤمن أن يوجّه الناس، وأن يحذّرهم مخالفة الدين، وقد فعل، ومن ذلك قوله [من بحر المنسرح][٢٤]:

يا أَيُّها الناسُ هَل تَرَونَ إلى فَارِسَ بادَتْ وَخَدُّهَا رَغِما
أَمسُوا عَبِيداً يَرعَونَ شاءَكُمُ كَأَنَّما كانَ مُلكهُم حُلُما
مِن سَبَأ الحاضِرينَ مآرِبُ إذ يَبنُونَ مِن دُونِ سَيلِهِ العَرِما
فَمُزِّقُوا فِي البِلادِ واعتَرَفُوا الهَونَ وَذاقُوا البَأساءَ والعَدَما
وَبُدِّلُوا السِدرَ وَالأَراكَ بِهِ الخَم طَ وَأَضحى البُنيانُ مُنهَدِما

إنه بهذا الشعر ينبّه العرب المسلمين؛ إلى الاعتبار بما حلَّ بمن خالف الدعوة إلى الله تعالى، فيضرب الأمثال؛ مقتديا بأسلوب القرآن الكريم، فيسوق مثالين لقومين كان لهما صولة، وجولة، أحدها قريب عهده، والآخر غابر في الزمن، وهما: فارس، وقوم سبأ، فأمّا الأوّل فقد هزمهم الله تعالى بجيوش المسلمين، وصاروا عبيدا وخدما، وأمّا قوم سبأ فقد مزّقوا كل ممزّق، وبدّلوا بجنتيهم السدرَ، والأراك، وانهار سدّهم الذي كان شريان حياتهم، وذاك كلّه استحقّوه بمعصية الله تعالى، وهذا الأمر سنة إلهية جارية في الحياة، قال الله تعالى في شأن قوم سبأ: ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌO فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَى أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ﴾ [٢٥].

هذا وقد عاش الجعدي عمرا طويلا، فجرّب الحياة، وخرج بخلاصة، أفادها إلينا بقصيدة طويلة، هي أطول قصائده، وكانت مقدّمتها، الأبيات التالية [من بحر الطويل][٢٦]:

خَلِيلَـــيّ غُضَّـــا ســـاعَةً وَتَهَجَّـــرا ... وَلُومـــا عَلَـــى مـــا أَحـــدَثَ الـــدَّهرُ أَو ذَرا
أَلَم تَعلَمـــا أَنَّ اِنصِـــرافاً فَسُـــرعَةً ... لِسَـــيرٍ أَحَـــقُّ اليـــومَ مِـــن أَن تُقَصِّـــرا
وَلاَ تَســـأَلا إِنَّ الحَيـــاةَ قَصِـــيرَةٌ ... فَطِـــيرا لِرَوعـــاتِ الحَـــوادِثِ أَو قِـــرا
وَإِن جـــاءَ أَمـــرٌ لا تُطِيقـــانِ دَفعَـــهُ ... فَـــلاَ تَجزَعـــا مِمَّـــا قَضـــى اللَـــهُ واصـــبِرا
أَلَم تَعلَمـــا أَنَّ المِلاَمَـــةَ نَفعُهـــا ... قَلِيـــلُ إِذَا مـــا الشَـــيءُ وَلَّى فَـــأَدبَرا
تَهِـــيجُ اللِحـــاءَ وَالمِلاَمَـــةَ ثُمَّ مـــا ... تُقَـــرِّبُ شَـــيئاً غَـــيرَ مـــا كَـــانَ قُـــدِّرا
لَـــوى اللَـــهُ عِلـــمَ الغَيـــبِ عَمَّـــن سِـــواءَهُ ... وَيَعلَـــمُ مِنـــهُ مـــا مَضـــى وتـــأَخَّرا

إنه يريد أن يقرر لدى الخليلين أولا، ثم جميع السامعين ثانيا، أمر الإيمان بما قدّر الرحمن تقدّست أسماؤه، وهذا يحتاج إلى الصبر، والبعد عن التذمّر، والتنكّف عمّا قدّر الله تعالى، فيوصي الشاعر خليليه بأن ينتظرا قليلا؛ ليوصيهما بما عنده، ثم لينطلقا وقت الهجير، وقد خصَّ هذا الوقت إمّا لأنّ الوقت قصير، والتأخّر فيه فوات للمنافع، وإمّا لما في هذا الوقت من استشعار الحَرِّ؛ المفضي إلى تذكّر نار الآخرة، ويخبرهما بصيغة السؤال؛ المراد منه التقرير، والتأكيد؛ على أنّ السرعة الآن في السير حقّ عليهما، ولقصر الوقت، وأهمية الكلام الموجّه لهما؛ يطلب منهما ألّا يسألا وألّا يجادلا، وهذه الخلاصة التي توصل إليها؛ ليست وليدة الساعة، أو المكان، بل هي خلاصة تجارب، خلص إليها بعد عمر طويل، ومع ذلك فالأمر بتحديد وجهة الانطلاق مطروح للنفس، فإن فهمت، فذاك حظها، وإن لم تفهم، فحظها أيضا، ويترتب على ذلك القيام بالواجب، أو التقصير فيه.

ثم يوجّه الشاعر نصيحة ثمينة، تعين المرء في مواجهة عقبات الحياة، وهذه هي الإيمان اليقيني بالقدر، فلا ردَّ لما قضى الله تعالى، ولا مقدّر لما ردَّ الله تعالى، وهذا يقرّره حديث رسول الله ﷺ " اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ"[٢٧] وعلى هذا فيجب على الإنسان التسلّح بالصبر، والذي لا يصبر، ويتضجّر مما قدر الله تعالى، أو يلوم؛ فإنه لا ينتفع بتضجّره، أو لومه، والملامة لا نفع وراءها، بل تهيج الغضب، وتزيد من تضجّر صاحبها، ثم لا تقرّب شيئا غير ما

قدره الله تعالى، والخلاصة أنّ الإنسان لا يعلم الغيب، و الله تعالى وحده عالم الغيب، ويشير الشاعر بهذا إلى قوله تعالى: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾[٢٨] وقوله: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْماً﴾[٢٩].

وقد استفاد شاعرنا من مراس الحياة، وتعلم منها كثيرا، واصطبغ ذلك العلم بصبغة الإسلام، فصار الجعدي يناولنا الحكمة، والموعظة الحسنة، ويقدّمها إلينا شعرا، يبقى خالدا ما بقيت اللغة، فيقول [من بحر الطويل][٣٠]:

لا خَيرَ فِي جَهلٍ إِذَا لَمَ يَكُنْ لَهُ حَلِيمٌ إِذَا مَا أَوزَدَ الأَمرَ أَصدَرا
وَلا خيرَ فِي حِلمٍ إِذَا لَمَ تَكُن لَهُ بَوَادِرُ تَحمِي صَفوَهُ أَن يُكَدَّرا
فَفِي الحِلمِ خَيرٌ مِن أُمورٍ كَثيرةٍ وفِي الجَهلِ أَحياناً إِذا مَا تَعَذَّرا

الجهل ليس بمعنى عدم العلم، وإنما هو ما يناقض الحلم، ويماشي الخفّة، وخلاف الطمأنينة[٣١]، وهذا الجهل كان طبعا من طباع العرب في الجاهلية، وقد حملهم على خير وشر. والتاريخ يحدّثنا عن هذا كثيرا، ولا يبلغ هذا الجهل غاية طيبة إلا بمزجه بالحلم، وهذا ما يقرره الشاعر هنا، والحلم نفسه يحتاج أن يكون صاحبه قويّا كريما، يسارع إلى العفو، والصفح، والإكرام، ليجعل ذلك سياجا يحمي حلمه، ويثبّت مكانته في الناس. والحلم أساس الحياة السليمة، وبه خير كثير للناس، إلا أن بعض المواقف ينتصر فيها الغضب، وهو حسن محمود.

ومن شعر الدعوة التحذير من أصحاب السوء، والضلال، وإرشاد الناس إلى ما حقّه أن يقوي لحمة الجماعة، وهذا يكون لمن عارف الناس، وخبرهم، والجعدي واحد ممن اتخذهم الدهر صديقا، إذ طال عمره، وجرب معادن الناس، فيقول [من بحر المتقارب][٣٢]:

فَلا أُلفِيَنْ كاذباً آثِماً قَديمَ العَداوَةِ كَالنَّيرَبِ
يُخَبِّرُكُمْ أَنَّهُ ناصِحٌ وَفي نُصحِهِ حُمَّةُ العَقرَبِ
إِذَا نَاءَ أَوَّلُكُم مُصعِداً يَقُولُ لآخِرِكُم صَوِّبِ
لِيُوهِنَ عَظمَكُمُ لِلعِدى وَعَمداً فَإِن تُغلَبُوا يَغلِبِ

التحذير من النفاق، وأهله مطلب ديني، الأمر الذي تجرد له الجعدي في شعره محذرا، وقد ابتدأ الحديث بتوجيه النهي إلى نفسه، كي لا تتخذ سبيل المنافقين سبيلا، ليقدم النصيحة بشكل مناسب، فيه تلميح، وتعريض بأهل هذه التجارة الخاسرة؛ نافيا أن يكون يحمل في طياته العداوة، والسخيمة؛ متزيّنا بثوب النصح، موجّها سلاحه إلى ظهور الجماعة، مريدا من وراء ذلك النيل من وحدة الصف، وتمزيق الشمل، ليوهن قوة المجتمع.

ولشعر الدعوة ألوان مختلفة، منها دعاء الله تعالى أن يجازي صاحب المعروف جزاء حسنا، وأن يحفظه من أي مكروه، وقد قال الرسول ﷺ: "مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ"[٣٣]، وللجعدي في هذا شعر جميل، وفيه يقول[٣٤]:

فَلاَ يُبعِدَنْكَ اللَهُ إن كانَ حادِثٌ أَصابَكَ عَنَّا نازِحَ الدارِ نائِيا
وَلكِن جَزاكَ اللَهُ حَيًّا وَهالِكًا عَلى كُلِّ حالٍ خيرَ ما كانَ جازيا
فَلَم يَبقَ مِن تِلكَ الديارِ وَأَهلِها سُرَى الليلِ والأَيّامِ إلاَّ مَغانيا
إذا أَتَيا حَيًّا كِرامًا بِغِبطَةٍ أَناخا بِهِم حَتَّى يُلاقُوا الدَواهِيا

والشاعر يضمر لهذا الرجل المحبة والتقدير، وما ذاك إلا لأنه يستحق ذلك؛ من وجهة نظر الشاعر، ولابد أن المثني عليه قد أظهر ما من حقه أن يحمد عليه.

- **البند الثالث؛ شعر الجهاد في سبيل الله تعالى**

من الأغراض الوليدة في عصر صدر الإسلام شعر الجهاد، والجعدي يمدّنا بنص لطيف، يظهر فيه وجوب الخروج في سبيل الله عز وجل، لنشر الإسلام، والجهاد في سبيل ذلك، من خلال حديثه مع زوجته، التي توصيه بذكر الله تعالى، ودموع عينيها تجري كالماء، فيقول [من بحر البسيط][٣٥]:

باتَتْ تُذَكِّرُنِي بِاللَهِ قاعِدَةً وَالدَّمعُ يَنهَلُّ مِن شَأنَيهِما سَبَلا
يا بنَتَ عَمِّي كِتابُ اللَهِ أَخرَجَني عَنكُم وَهَل أَمنَعَنَّ اللَهَ ما فَعَلا
فَإِنْ رَجَعتُ فَرَبُّ الناسِ يُرجِعُني وَإِن لَحِقتُ بِرَبِّي فَابتَغي بَدَلا
ما كُنتُ أَعرَجَ أَو أَعمَى فَيُعذِرَنِي أَو ضارِعًا مِن ضنًى لَم يَستَطِع حِوَلا

إن هذه الأبيات تظهر نفس صاحبها، المؤمنة بكتاب الله، والمريدة الخير للناس، والبعيدة عن الأنانية وحب النفس، ونحن هنا أمام نص جميل، يمتلئ حيوية، فنرى امرأة قاعدة، لا تستطيع النهوض، والدمع ينهل بغزارة من عينيها، وهي تذكر زوجها الله عز وجل، وتطلب منه أن يبيِّض وجهها في ميدان الجهاد. ونرى رجلا قويّا؛ مؤمنا بالدين إيمانا راسخا، يخاطب زوجته الطيبة، ويرد على دموعها أن كتاب الله تعالى أخرجه للجهاد، وما عليه إلا أن يستجيب، مهما كان الثمن غاليا، ثم يوصيها بالصبر؛ حتى يعود إليها بإذن الله تعالى، وإن أراد الله تعالى له الموت في سبيله، فإنه يطلب منها ألا تبقى بعده بدون بعل، بل تبحث لنفسها عن زوج صالح، ويختم كلامه؛ بأنه ما ينبغي له أن يتخلف عن الرجال، فليس بأعرج أو أعمى فيُعذر، أو مريضا لا يستطيع التحول من مكان إلى آخر، وبهذا يحاكي آية الجهاد، وهي:﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَاباً أَلِيماً﴾[٣٦].

الهوامش

١- قيس بن عبد الله بن عدس بن ربيعة الجعدي العامري، أبو ليلى: شاعر مفلق، صحابي، من المعمرين. اشتهر في الجاهلية. وسمي " النابغة " لأنه أقام ثلاثين سنة لا يقول الشعر ثم نبغ فقاله. وكان ممن هجر الأوثان، ونهى عن الخمر، قبل ظهور الإسلام. ووفد على النبي ﷺ وأدرك صفين، فشهدها مع علي. ثم سكن الكوفة، فسيره معاوية إلى أصبهان مع أحد ولاتها، فمات فيها وقد كف بصره، وجاوز المئة. الأعلام، الزركلي، ٨ج، ط١٥، بيروت: دار العلم للملايين، ٢٠٠٢ م.

٢- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٩٨-٩٩.

٣- قيل: القرن أربعون سنة، بدليل قول الجعدي: ثلاثة أهلين أفنيتهم...وكان الإله هو المستآسا، وقال هذا وهو ابن مائة وعشرين سنة، المحكم والمحيط الأعظم، ابن سيدة، ج٦، ص: ٣٦٣.

٤- معنى المستآس: المستعطَى، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، ج٣، ص: ٦٠٩.

٥- فسّر الأصمعي المنون هنا بالزمان وأراد به الأزمنة، لسان العرب، ج١٣، ص: ٤١٦.

٦- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٥٦-٥٧.

٧- أنظر معنى الحزور في جمهرة اللغة، ج٢، ص: ١١٨٨.

٨- ديوان النابغة الجعدي، ص: ١٢٢.

٩- أنظر معن شعف في الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، ج٤، ص: ١٣٨٢.

١٠- النعمان (الثالث) ابن المنذر (الرابع) ابن المنذر بن امرئ القيس اللخمي، أبو قابوس: من أشهر ملوك الحيرة في الجاهلية. الأعلام، ج٨، ص: ٤٣.

١١- ديوان النابغة الجعدي، ص: ١٧٦-١٧٧.

١٢- (٠٠٠- نحو ٦٠ ق هـ): المنذر بن امرئ القيس الثالث ابن النعمان بن الأسود اللخمي،. الأعلام، ج٧، ص:٢٩٢.

١٣- هو يوم سفوان لجعدة وقشير على النعمان بن المنذر ولخم، انظر مجمع الأمثال ج٢، ص: ٤٤٣. وسفوان: اسم موضع لبني تميم عند جبل يقال له: سنام ببادية البصرة، انظر كتاب العين، ج٧، ص: ٣٠٨.

١٤- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٧٩.

١٥- المصدر السابق، ص: ١٧٨-١٧٩.

١٦- أيام الحُنان أيام كانت للعرب قديمة، هاج بهم مرض في أنوفهم وحلوقهم فـ"أرختْ العرب بعام الحنان لأنهم تماوتوا فيه، وعظم عندهم أمره. أدب الكتاب، أبو بكر الصولي، اعتنى به: محمد بهجة الأثري، بمصر: المطبعة السلفية، ص:١٧٩.

١٧- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٥٩.

١٨- المصدر السابق، ص: ٥٣.

١٩- فمعنى مقبوحة: من القبح وهو الإبعاد، انظر لسان العرب، ج٢، ص: ٥٥٢.

٢٠- فاطر: ٤٣.

٢١- الحديد: ٢٠.

٢٢- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٥٤.

٢٣- الأعراف:٦٢.

٢٤- ديوان النابغة الجعدي، ص: ١٤٩.

٢٥- سبأ: ١٥-١٦.

٢٦- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٥٥ - ٥٤.

٢٧- الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، ج١٠، ص: ٤٤٠.

٢٨- الأنعام: ٥٩.

٢٩- طه:١١٠.

٣٠- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٨٥ – ٨٦.

٣١- معجم مقاييس اللغة، ج١، ص: ٤٨٩.

٣٢- ديوان النابغة الجعدي، ص: ٤٠.

٣٣- السنن الكبرى، النسائي، ج٩، ص: ٨٧.

٣٤- ديوان النابغة الجعدي، ص: ١٩٣ – ١٩٤.

٣٥- ديوان النابغة الجعدي، ص: ١٣٧ - ١٣٨.

٣٦- الفتح: ١٧.

المصادر والمراجع

١- الأعلام، الزركلي، ٨ج، ط١٥، بيروت: دار العلم للملايين، ٢٠٠٢ م.

٢- الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، معمر بن راشد، ٢ج، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، باكستان: المجلس العلمي، وتوزيع المكتب الإسلامي ببيروت ١٤٠٣هـ

٣- جمهرة اللغة، محمد بن الحسن بن دريد، ٣ج، تحقيق: رمزي منير بعلبكي، بيروت: دار العلم للملايين، ١٩٨٧م.

٤- ديوان النابغة الجعدي، تحقيق: د. واضح الصمد، ط١، بيروت: دار صادر، ١٩٩٨.

٥- السنن الكبرى، أبو عبد الرحمن النسائي، ١٠ج، تحقيق: حسن عبد المنعم شلبي، ط١، بيروت: مؤسسة الرسالة، ١٤٢١ هـ /٢٠٠١م.

٦- الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، ٦ج، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، ط٤، بيروت: دار العلم للملايين، ١٤٠٧ هـ /١٩٨٧م.

٧- لسان العرب، جمال الدين ابن منظور الأنصاري، ط٣، بيروت: دار صادر، ١٤١٤هـ.

٨- معجم مقاييس اللغة، أحمد بن فارس، ٦ج، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، بيروت: دار الفكر، ج٤، ١٣٩٩هـ/١٩٧٩م.

محاولات تأصيل نظريات نقدية في التراث الإسلامي
"نظرية عبد القاهر الجرجاني نموذجاً"

Theories of literary criticism in Islamic heritage
"Theory of Abdul Qahir Al- Jurjani as an example"

الدكتور محمد علي غوري*

Abstract

It is not easy to defend the Arabic and Islamic criticism these days where many are trying to weaken and reduce its value. The major source of these accusations is the Orientlists who detest Islam.

In this research I explained the relationship between Arabic literature and the Western literature and criticism. Then I mentioned the attempts made by some modern critics to develop some critical theories in our Islamic heritage. After that, I discussed the possibility of referring some theories to our ancient critics, which are connected to the recently developed thoughts. I also tried to draw a picture of the critical theory of Al- Imam Abdul Qahir Al- Jurjani, which has a strong connection with his "Annazm" theory. I explained Al- Jurjani's theory through critical issues he discussed in his books, such as "Allafz wa Almaana"(the word and the meaning), mystery and the issue of shaping the poetic image.

Finally, I presented a brief summary, findings of the study, and also made some recommendations. One of the strong recommendations is that Imam Al- Jurjani needs more care and attention from us to link his ideas with the latest findings of modern criticism.

المقدمة

ينفي جل النقاد المحدثون وجود أية نظرية نقدية في تراثنا، ويرجعون الأمر إلى عدم وجود فكر

---

* الأستاذ المشارك بقسم الدراسات الأدبية، كلية اللغة العربية، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام أباد، باكستان.

جمعي لديهم، وأن نظراتهم النقدية كانت نظرات جزئية متفرقة وليست كلية أو جامعة، ولم يعرفوا ياء العلمائية الموجودة في مصطلح النظرية. ربما كانت لديهم نظرات فطرية انطباعية متأثرة بالظروف والأحوال والبيئات التي عاشوا فيها، أما نظريات فقد كانوا أبعد الناس عنها، لأنها تحتاج إلى عقل جمعي شمولي قادر على الوصول إلى أصول وقواعد كلية ونظرة علمية موضوعية.وفي نفس الوقت تنسب إلى فلاسفة اليونان والرومان القدامى نظريات، رغم أن ما وصلنا عنهم ليس كافياً لأن يطلق عليه مصطلح نظرية، فيقال بلغة جازمة أكيدة: نظرية المثل عند أفلاطون ونظريةالتطهير عند أرسطو، وهما من فلاسفة اليونان، ونظرية الجليل عند لونجينوس الروماني وهكذا عند الآخرين. وهؤلاء أقدم من نقاد العرب. ولو بحثنا في أسباب ذلك لوجدنا تعصب الغرب لفلاسفتهم، ولا ننكر أهمية أفكار أفلاطون وأرسطو وغيرهم من فلاسفة اليونان والرومان، ولكن إذا كانت عندهم نظريات في ذلك العهد السحيق، فلم لا تكون لدى مفكرينا ونقادنا نظريات؟ والأمر لم يتوقف عند هذا الحد، فما زالت أوروبا تتنازعها أفكار هؤلاء إلى اليوم، حتى في أحدث النظريات النقدية الغربية، وليراجع القارئ كتاب "حكمة الغرب" للأستاذ برتراند رسل، ترجمة الدكتور جلال الشرقاي[1].

تكمن المشكلة في أنهم اهتموا بتراثهم اهتماماً كبيراً لأسباب كثيرة لا مجال لمناقشتها هنا، بينما نسينا تراثنا ولم نهتم به كما يجب، وحين نبهنا المستشرقون إلى كنوز التراث الإسلامي العظيم، التفتنا إليه، وأخذنا ندرسه، ولكن للأسف دراسة تاريخية محضة، دون ربط أفكار أجدادنا بواقعنا اليوم، ولا بواقع أدبنا الذي أصبح نسخة من أدب الغرب. درسنا تراثنا الفكري والأدبي والنقدي على أساس أنه جزء من التاريخ فحسب، دون أية محاولة لربطه بالمشاكل الفكرية والأدبية والنقدية التي تواجه الأمة الإسلامية العربية، فعزلناها عن حاضرنا وما يحدث فيه، والضبابية والهلامية التي تحيط تراثنا سببها عدم دراستها الدراسة التي تستحقها في ضوء مستجدات العصر في عالم النقد الحديث.

فالقراءات والدراسات التي تمت حتى الآن ظلت في معظمها غير قادرة على استخراج ما في تراثنا من قيم باقية وصالحة عبر الأزمنة والعصور.

ربما كان هذا التجاهل جزءاً من المؤامرة ضد الإسلام وكل مظاهره، وأهمها اللغة العربية والتراث الإسلامي والفكر النقدي والأدب العربي القديم، لذلك توارثنا الأفكار التي نشرها المستشرقون حول فكرنا وأدبنا ونقدنا من أنه جزئي فطري انطباعي غير شمولي، وبالتالي لم يصل نقادنا إلى ما يطلق عليه اليوم اسم نظرية. وهذا الهجوم ليس له مبرر إلا أن النقد العربي –في مجموعه، وفي عرفهم– ليس إلا نقداً إسلامياً.

السؤال الذي يطرح نفسه بقوة هو أننا حين نتناول فكر نقادنا العرب القدامى –والنقد فكر بالدرجة الأولى– نجد فيه تسلسلاً وشمولية ومنطقاً وأصولاً التزموا بها في كل أفكارهم، وذلك باعتراف الكثيرين، فلماذا يصر البعض وخاصة المتأثرين بالغرب على وصفهم بالوصف الذي سبق ذكره؟ الأمر يحتاج إلى مراجعة.

لم لا يتحدث الدارسون للتراث النقدي الإسلامي عن نظرية الطبقات عند ابن سلام الجمحي؟ ولم لا يعرجون على نظرية الشعر عند ابن قتيبة؟ ولم لا يدخلوا إلى عالم نظرية ابن طباطبا في وظيفة الشعر والأدب؟ وعالم نظرية البديع عند ابن المعتز؟ وهكذا عند الأمدي والقاضي الجرجاني وغيرهم ممن امتلأت بهم ساحة النقد العربي الإسلامي عبر قرون طويلة، بدأت في العصر الجاهلي من القوم الذين نزل عليهم القرآن وتحداهم بأسلوبه البليغ، مروراً بعصر صدر الإسلام والعصر الأموي والعباسي الأول والثاني وعصر المماليك وانتهاءً بالعصر العثماني.

ولكنهم اضطروا إلى أن يقبلوا وعلى استحياء وجود نظرية النظم عند عبد القاهر الجرجاني، وسموها بهذا المصطلح الحديث اعترافاً بفضل هذا الرجل.

سأحاول في بحثي هذا أن ألتمس معالم نظريات في النقد الأدبي العربي الإسلامي من خلال أفكار وآراء نقادنا الكبار، وعلى رأسهم أمام البلاغيين العلامة عبد القاهر الجرجاني، محاولاً رسم صورة عن نظريته في النقد الأدبي، ونظريته في النقد –في نظري– أعمق وأشمل من نظرية النظم المعروفة عنده، فالنظم أهم أجزاء نظريته الشاملة في النقد الأدبي، التي اعتمد فيها على أساسين هما الشعر واللغة، وركز على الجانب التطبيقي، الذي تكاد تخلو منه النظريات النقدية الغربية الحديثة، حيث تجردت تجريداً عالياً، مبتعدة عن الأمثلة والنماذج من النصوص الأدبية، ولا يغيب عنا أن المهمة الأساسية للنقد هي تعقب أفضل النصوص الأدبية في عناصر تكوينها الفنية والكشف عما فيها من إبداع.

ولا يخفي علينا تأثير عبد القاهر الجرجاني في النقد العربي القديم والنقد الغربي الحديث. يقول الدكتور محمد زكي العشماوي –مشيداً بفكر الجرجاني النقدي وتأثيره في النقد الحديث– في حوار منشور على الشبكة الدولية، أجراه معه الروائي المصري محمود حنفي: إن ما وصل إليه الجرجاني في تفكيره النقدي –في كثير جداً مما طرحه من قضايا– هو نفس ما وصل إليه الغرب في القرن العشرين، وخاصة في كتابه الشهير "دلائل الإعجاز".

سأحاول في هذا البحث أن أؤصل لبعض النظريات في النقد العربي الإسلامي القديم، ومنها نظرية عبد القاهر الجرجاني في النقد، وقولبتها في شكل نظرية نقدية متكاملة من خلال القضايا النقدية التي أثارها في كتبه.

أهمية النقد العربي القديم

نعيش اليوم عصر النظريات، ففي كل يوم نفاجأ –نحن في الشرق– بنظرية جديدة تظهر على الساحة النقدية في الغرب، وكثير منها جاء رد فعل على سابقتها لتطرفها، وسرعان ما تتطرف هي الأخرى.

فكرة البحث تتجلى في محاولة الوصول إلى مقدمة أو مدخل إلى نظريات في النقد الأدبي العربي القديم. وأنا حين أقول نقد عربي أقصد به النقد الإسلامي؛ لأن النقد العربي لم يكن له شأن حقيقي إلا في ظل الحضارة الإسلامية، وحين أقول نقد، أقصد به فكر؛ لأن النقد في حقيقته فكر، لذلك فإن النقد العربي أو الفكر الإسلامي يجب الاهتمام به، وليس الأمر كما قال المستشرقون وأبواقهم من بعدهم من أن النقد العربي خال من الفكر المنظم، لذلك هم لم يعرفوا ما يمكن أن نطلق عليه اسم نظرية أو نظريات. لاحظت من خلال قراءتي لكتب النقد التي تعرضت للنقد الأدبي العربي القديم أنها لا تعرضه بالشكل الذي يشفي غليلي وغليل كل غيور على تراثه العظيم، فهي بعد أن تدعي أنها سوف تحاول تلمس خيوط النقد العربي الإسلامي القديم وجمعه في قوالب عامة، لا تلبث أن تنغمس في تفاصيل الآراء الجزئية عند النقاد العرب القدامى، وغالباً ما تكون هذه الدراسات تطبيقية، لا يخرج منها الباحث المعاصر بما ينم عن فكر منظم عند قدمائنا. وهذه الدراسات تنقصها التجريد والتنظير الذي اعتدناه عند قراءة ما يكتب عن النظريات النقدية الحديثة.

سأدرس في هذا البحث إمكانية استخلاص نظرية أو نظريات ذاتية في النقد العربي الإسلامي، متتبعاً جهود أستاذة كبار أمثال الدكتور عبد العزيز حمودة وآخرين، وهذا الأمر يزعج الغرب كثيراً، لإيمانه الراسخ بما أسماه بصراع الحضارات وبالعولمة وأحادية النظام العالمي وبالأفكار الحداثية وما بعد الحداثية، وهذا كله لن يسمح بمثل هذه المحاولات.

سأبين فيما يلي أهمية النقد العربي القديم، وعلاقته بالنقد الغربي ونظرياته الحديثة؛ وخاصة الحداثية وما بعد الحداثية، ثم أتعرض لمحاولات نقادنا المحدثين تشكيل ما يمكن أن يدخل تحت مسمى نظرية أو نظريات في النقد الأدبي العربي القديم، ثم تعرضت إلى أسس هذه النظريات عند نقادنا القدامى أمثال ابن سلام وابن قتيبة وابن طباطبا وغيرهم وعلى رأسهم إمام البلاغة والنقد عبد القاهر الجرجاني.

أما ما يتعلق بالأدب العربي فقد حدثت طفرة كبيرة بين الأدب العربي القديم والأدب العربي الحديث، يعود سببه إلى ذلك الصراع الذي بلغ أوجه في بداية العصر الحديث مع بداية الاتصال الثقافي بين الشرق والغرب تحت غطاء البعثات العلمية، والذي واكب ازدياد نشاط المستشرقين، وكثرة جولاتهم وصولاتهم في البلاد الإسلامية، واهتمامهم الزائد بالتراث العربي والإسلامي لأهداف خاصة، وتأسيسهم لمعاهد ومراكز تعنى بهذا التراث. كان من نتيجة هذا الصراع الذي كان بين القديم المتصل بالتراث العربي والثقافة الإسلامية وبين الجديد المتأثر بالأدب الغربي الحديث واتجاهاته انتصار الجديد على القديم، وهكذا اصطبغ أكثر الشعر والنثر العربي بالصبغة الغربية الحديثة، ولا مبالغة في القول: إن الأدب العربي الحديث بالشكل الذي آل إليه أصبح أقرب إلى الأدب الغربي منه إلى الأدب العربي الذي عرفناه لقرون طويلة، لذلك فإن الأدب العربي الحديث يختلف عن الأدب العربي القديم أسلوباً وموضوعاً. كما نلاحظ أن كتب النقد العربي الحديث تتميز بالتجريد العالي مثل كتب النقد الغربي، وإنها كتبت بأسلوب ولغة تختلف كثيراً عن اللغة التي عهدناها منذ مئات السنين، حتى وُصف هذا الأسلوب الجديد بأنه غربي ولكنه مكتوب بحروف اللغة العربية. من خلال ما ذكر، نصل إلى نتيجة هامة هي أن النظريات الأدبية والنقدية الحديثة تناسب الأدب العربي الحديث، ولا تناسب بأي حال من الأحوال الأدب العربي القديم، ولذلك نجد طلاب المدارس الدينية في باكستان وفي شبه القارة الهندية يفهمون الأدب العربي القديم، ولكنهم لا يستطيعون فهم طلاسم الأدب العربي الحديث، وخاصة ما كتب منه في ظل الحداثة وما بعد الحداثة. وهذا أكبر دليل على ثقافة الشرخ التي تحدث عنها الدكتور عبد العزيز حمودة بين هذين الأدبين في كتبه الثلاثة؛ المرايا المحدبة و "المرايا المقعرة" و "الخروج من التيه".

إذا كان ذلك كذلك، فيمكن دراسة الأدب العربي الحديث وفقاً للنظريات النقدية الغربية الحديثة، إما أن نخضع النماذج الساطعة في سماء الأدب العربي القديم لهذه النظريات فهذا أمر غير مقبول، ثم إن مقارنة النظريات النقدية الحديثة بالنقد العربي القديم لا تخلو من خطورة، ومن هنا نشأت مفاهيم خاطئة عن تراثنا النقدي من أنه سطحي وقاصر ولا يهتم إلا بالقشور مصدرها المستشرقون ومن تبعهم من أبواقهم، ونحن من حيث علمنا أو لم نعلم نردد دعاوى المستشرقين دون دراسة أو تمحيص. وهم إذ يفعلون ذلك، يريدوننا أن نترك دراسته والاهتمام به، ولا ننسى أن النقد العربي ليس في حقيقته إلا نقداً إسلامياً، حيث إن هذا النقد لم ينفصل يوما عن البيئة التي عاش في ظلالها، ولم ينعزل عن الظروف التي مر بها والتي سادت المجتمع العربي عند تأليف العلوم العربية والإسلامية المنبثقة من دراسة القرآن الكريم ومحاولة التعمق في فهمه[٢].

نشأ الأدب العربي إذن في عصره وبيئته، فهو صورة صادقة عن الزمان والمكان الذي نشأ فيه، ومن الخطأ أن نطبق عليه ما وصل إليه النقد الغربي وهو بدوره نشأ في بيئته واقترن بآدابه، والبيئة الغربية تختلف تماماً عن البيئة التي نشأ فيها الأدب العربي القديم، والنقد لا يفرض على الأدب فرضاً، وإنما يستنبط من نصوصه المختارة على أنها خواص وجدت فيها فأكسبتها جمالاً وقوة، وجعلتها أكثر قدرة على التأثير والخلود[٣]. لاشك أن قوانين النقد تنشأ من دراسة أدبه الذي كتب بلغته، والتي تؤلف من خواصه وطوابعه الممتازة، ولا يمكن أن نعكس الأوضاع فنضع العربة أمام الخيول.

هل عرف العرب نظرية أو نظريات في النقد الأدبي خلال عصور ازدهارهم؟

كلمة نظرية كلمة جديدة استجدت في العصور الحديثة، وعلى هذا نستطيع أن نقول إن القدماء لم يعرفوا نظريات بالمفهوم الشكلي لهذه الكلمة، وأن هذه الكلمة لم ترد في تراثنا النقدي القديم. يقول الدكتور محمد صالح الشنطي: "غابت الياء الدالة على تبلور المصطلح في دلالته على ما يسمى "العلمائية" أي تشكل علم قائم بذاته، ولم يكن هذا الغياب بلا مدلول، بل دل على غياب الصياغة المتكاملة لمفهوم العلم في صيغته المتكاملة ليبقى مفتوحاً على أشتات مجتمعات من الملاحظات والاجتهادات والأفكار، فغاب الاتساق والتثبت كعنصرين من عناصر هذا التكامل المعرفي الذي وسم النظرية في دلالتها المعاصرة"[٤]. ويضيف أن أقرب الكلمات إلى الحقل المعرفي للنظرية هي كلمة "نظر" بمعنى التفكير والتأمل والتدبر والتوقف عند الشيء، وقد شاعت هذه الكلمة عند قدماء النقاد العرب[٥].

ولكننا إذا دققنا النظر وتأملنا ما ذكره القدماء أمثال ابن سلام الجمحي وابن قتيبة وعبد القاهر الجرجاني والقرطاجني وغيرهم، استطعنا أن نلتمس التأصيل في كلامهم، ولاحظنا كذلك الاتساق والتثبت اللذين أنكر الدكتور محمد صالح الشنطي وجودهما في النقد العربي القديم. وكذلك نستطيع أن نتحسس ملامح ما يمكن أن نسميه نظرية. وإذا كانت النظرية تعني –كما يذكر الدكتور الشنطي– في المفاهيم الفلسفية الغربية المعاصرة التي تبناها كثير من الكتاب اليوم: مجموعة من الأفكار والمفاهيم المجردة المنتظمة على نحو ما، والتي تطبق على ميدان المعرفة بشكل خاص[٦]، فإن جهود نقادنا القدامى في مجال النقد الأدبي لا تبتعد كثيراً عن هذا، حيث يمكن أن نصل إلى مقاييس نقدية عامة للنقد القديم، وخاصة عند الأمدي وعبد القاهر الجرجاني[٧].

محاولات تأصيل نظريات في النقد العربي الإسلامي القديم

هل يمكن أن نجمع آراء النقاد العرب المسلمين القدامى وأفكارهم في سياقات معينة لتشكيل ما يمكن أن نسميه نظرية أو نظريات في النقد العربي الإسلامي القديم؟ يرى الدكتور عز الدين إسماعيل

أن أغلب الدراسات الحديثة عن تراثنا النقدي تكاد تنحصر في أهون الدوائر العملية دون أن تنشغل بتأصيل نظرية[٨].

ظهرت على الساحة النقدية كتب عديدة تحمل عناوين شائقة مثل: أسس النقد العربي القديم أو أصوله أو اتجاهاته العامة، وأول كتاب حاول أن يجمع شتات القضايا النقدية المبثوثة في كتب النقد القديمة وفي ثنايا كتب التراث هو كتاب "تاريخ النقد الأدبي عند العرب" للأستاذ طه أحمد إبراهيم الذي عرض القضايا النقدية على أنها جزء من التاريخ ولم يربطها بالواقع الأدبي الذي نعيشه اليوم، وقد طغت على ما كتب هو –وأغلب من جاء بعده من الباحثين– المناهج التاريخية أو الوصفية[٩]. وعرض نقدنا بهذه الطريقة يؤكد ما قاله المستشرقون عنه من أنه جزئي أو انطباعي، وأنه نابع عن عقل لا جمعي، إلى آخر ما ذكره المستشرقون عن النقد العربي القديم. ونتيجة لدراسة النقد العربي بهذه الطريقة نلاحظ أن كثيراً من القضايا النقدية التي امتلأت بها ساحة النقد الأدبي عند العرب في تراثنا العريق لم توف حقها من البحث والدراسة؛ لأن الباحثين وفقا لهذه المناهج –وأقصد بها التاريخية– يكونون مشغولين بتتبع النواحي التاريخية، ودارس تاريخ الأدب والنقد لا يتذوقهما، وإنما يركز على النصوص التي تخدم الإشارات السياسية والاقتصادية والاجتماعية، فتصبح الأعمال الأدبية والنقدية مجرد شواهد تخدم الأهداف التاريخية، مما يؤدي إلى جمود تلك الدراسات وفقدانها الحيوية. وأنا هنا لا أنكر أهمية التاريخ في دراسة أي فن أو علم، فهو الذي مكننا من التعمق في معرفة كثير من القضايا، ومنها القضايا النقدية، وعلاقتها بالبيئة والوقوف على تطورها، ولكن أن يتم التركيز عليها على حساب دراستها فنياً فهذا ليس مقبولاً، لأن دراسة تاريخ الأدب والنقد لا تعني عند الكثيرين سوى السرد الزمني للرجال الذين كتبوا في هذين الفنين[١٠].

ثمة محاولة أخرى للوصول إلى نظرية في النقد العربي القديم قام بها الدكتور محمد صالح الشنطي[١١] في مقاله الذي يحمل عنوان: "نظرية النقد العربي القديم في ضوء الخطاب الثقافي العام" المنشور على الشبكة الدولية، يقول فيها إن القدماء لم يعرفوا نظريات في النقد الأدبي وإنما كان لديهم خطاب نقدي عبر الأزمنة المختلفة حسب السلطة المهيمنة على الساحة الأدبية والنقدية في كل عصر، فيمكن دراسة النظريات النقدية القديمة في إطار الخطاب الثقافي العام من خلال المفهوم الأوسع والأشمل للعناصر المهيمنة عليه. ما يهمنا في هذا المقام أن صاحبه حاول أن يتحدث عن النقد العربي القديم بشيء من التجرد، واكتفى من محاولته لاستخلاص نظرية في النقد العربي القديم بالوصف العام من خلال الخطاب الثقافي العام ومن خلال تتبعه له عبر المراحل التاريخية المختلفة، ولكنه لم يستطيع – باعترافه هو نفسه– من الوصول إلى ما يمكن أن نطلق عليه اسم نظرية؛ لأن هذا الأمر يحتاج إلى جهد

أكبر. يقول الدكتور الشنطي: "وليس من الممكن في هذه العجالة بسط القول في قضايا تلك النظرية من هذا المنظور، ولكن حسبنا الإشارة إلى الإطار العام، على أن تكون لنا عودة تمكننا من شرح أوفى أو تحليل أعمق"[١٢].

ومن الذين طالبوا بقراءة جديدة لتراثنا الأستاذ محمد خير شيخ موسى الذي قال في كتابه "فصول في النقد العربي وقضاياه": "وكان جل اهتمامنا في هذه الفصول منصباً على النظر إلى القضايا النقدية المطروحة فيها نظراً كلياً وموحداً، وإحكام الصلة بين آراء النقاد المختلفة فيها، ومواقفهم منها، وأولينا الجانب التطبيقي في النقد العربي عناية خاصة...دون أن يكون لهذه الآراء أو ذلك المنهج صدى في كتب المعاصرين وأبحاثهم، مما يشكل حلقة مفقودة في دراسة النقد العربي ومناهجه عبر مراحل تطوره المختلفة"[١٣]. من التعسف أن نقارن بين النقد الغربي والنقد العربي لسبب بسيط هو اختلاف البيئة أو المكان إذا كنا نقارن بين النقد اليوناني القديم والنقد العربي القديم، واختلاف الزمان إذا كنا نقارن بين النقد الغربي اليوم والنقد العربي القديم. ومع ذلك يمكننا أن نقارن بشيء من الإجمال بين النقد العربي القديم والنقد اليوناني القديم متساءلين: هل عرف اليونانيون القدامى نظريات نقدية؟

يذكر النقاد الغربيون ونقادنا —للأسف– بالتبعية نظرية المثل والمحاكاة عند أفلاطون التي وصلتنا عن طريق محاوراته، ونظرية التطهير عند أرسطو، ونظرية المتعة والفائدة عند هوراس[١٤]، ونظرية الجليل عند لونجينوس[١٥]، وغيرها من النظريات. هكذا لقنونا في كتب الأدب والنقد الحديثة بأن آراء هؤلاء اليونانيين والرومان في قضايا النقد والأدب المختلفة إنما هي نظريات، وما علينا إلا أن نسلم بها دون نقاش، أما النقد العربي فهو صادر —في رأي هؤلاء– عن عقل لا جمعي وجزئي وانطباعي، والأفكار لديهم غير مترابطة، ولا يجمعها جامع، وبالتالي لا يمكن وصفها بالنظريات. لماذا بقرتهم دائماً حلوب وبقرتنا عجفاء لا خير فيها؟! إذا كانت لدى اليونانيين القدامى نظريات، لم لا تكون لدينا نظريات؟

المشكلة ليست في وجود نظرية أو نظريات في النقد العربي الإسلامي القديم، لأن هذا المصطلح جديد لم يكن موجوداً في ذلك الزمن، ولكن المشكلة هي في وجود فكر منظم. هل كان لدى النقاد العرب فكر منظم أو لم يكن لديهم هذا الفكر؟ وما قيمة هذا الفكر في ارتقاء الذوق الإنساني؟

لا شك أن الأدب العربي القديم، وبالتالي النقد العربي الإسلامي القديم، قام على أسس متينة من الأفكار التي ما زلنا نعجب بها أيما إعجاب، ويحق لنا —بل يجب علينا– أن نغربل تلك الأفكار والآراء، ونستخلص قواعد وأصولاً ننطلق منها في تشكيل ما أطلق عليه اليوم نظريات، وأن نؤصلها.

نحن بحاجة إذن إلى نظرية أصيلة في النقد العربي نابعة من أسسنا لا أسس غيرنا، نابعة من أدبنا الحقيقي المرتبط بتراثنا العظيم. وأنا هنا لا أعترض على التقارب والتعاون بين الآداب والثقافات والعلوم والفنون، فديننا يأمرنا بالتعاون على كل ما فيه خير، ولكني أعترض على التأثر من جانب واحد. كثير من كتابنا وأدبائنا ونقادنا اليوم يولون شطرهم نحو الغرب يستنيرون بآدبهم في كتاباتهم وأعمالهم الفنية منبهرين بها أشد الانبهار، وأخذوا يقلدونها حتى أصبح أدبهم نسخة عنها في صورتها العربية. كأنهم بهذا يلغون أفكارهم التي نشأوا عليها قروناً طويلة من الزمان، ومن صور إعجابهم بكل ما يأتينا من الغرب إعجابهم بالمسرحيات اليونانية القديمة التي تزخر بعقائد فاسدة وغير منطقية وبعلاقات محرمة تصف الفساد وقد استشرى في أسر كاملة[١٦].

أتساءل حين أرى بعض النقاد المحدثين وهم يحاولون صياغة نظرية في النقد العربي القديم في ضوء مكتسبات النقد الغربي الحديث عن جدوى هذه المحاولات، أليس من الأفضل أن نترك النقد القديم على نقائه وصفائه حتى لا نفسد جماله حين نقيسه بمقاييس غريبة عنه، هذا إذا كنا لا نستطيع أن نشكل نظريات ذاتية تنطلق من أسسنا وأصولنا الأدبية والفكرية. علينا أن نحاول صياغة نظريات نقدية ذاتية تناسبنا وتناسب أدبنا الحقيقي وآمالنا الحقيقة وتناسب تراثنا وديننا وعقائدنا، وأن نرأب الصدع، وأن نضع نهاية لثقافة الشرخ التي نعيشها.

بعد هذا التطواف في جوانب الموضوع المختلفة أرجو أن أكون قد وفقت –على الأقل– في التنبيه إلى أهميته أولاً ثم إلى ضرورة بذل جهود حقيقية لا في إعادة كتابة جزئيات ما ذكره نقادنا القدامى، بل دراستها وتطويرها واتخاذها أسساً لمحاولات صياغة نظريات تمثل فكرنا ونقدنا لها مكانتها في عالم اليوم، على الأقل لنعيد ثقة أبنائنا وأجيالنا في تراثنا العريق.

نظريات نقدية عند أعلام الفكر الإسلامي: نظرية عبد القاهر الجرجاني النقدية على سبيل المثال:

يمكن أن نستخلص نظريات نقدية من تراثنا الإسلامي، وذلك من خلال آراء نقادنا القدامى ومفكرينا العظام، فعلى سبيل المثال يمكننا أن نستخلص نظرية مثل نظرية طبقات الشعراء عند محمد بن سلام الجمحي من خلال كتابه "طبقات فحول الشعراء"، بعد أن نبحث فيما قاله عن الأسس التي بنى عليها هذه الطبقات، من الجودة والكثرة وتعدد الأغراض الشعرية وأثر البيئة على الشاعر وعلى شعره.

ومن ملامح نظرية الشعر عند ابن قتيبة أسس اختياره الشعراء الذين ضمنهم في كتابه "الشعر والشعراء"، حيث اختار أجود الشعراء وأشهرهم، ولم يحصهم كلهم في كتابه؛ لأن ذلك مستحيل كما ذكر هو نفسه في كتابه. ولم يكن اختياره للشعراء لتقدمهم أو لتأخرهم، بل لجودة شعرهم فقط، ومن هنا نستطيع أن نأخذ معايير الشعر الجيد من خلال اختياراته، ونشكل منها نظرية في الشعر، بالإضافة إلى قضايا نقدية أخرى لديه تساهم في بناء النظرة الشمولية وبالتالي نظرية، ومن هذه القضايا تقسيمه للشعر إلى أضرب أربعة، وما إلى ذلك مما تناثر في كتابه.

وذكر ابن طباطبا في كتابه "عيار الشعر" قضايا نقدية هامة يمكن أن نستنتج منها نظرية في وظيفة الشعر، فقد ذكر أن ما عرض على الفهم الثاقب فقبله واصطفاه فهو شعر جيد، وما مجه ونفاه فهو ناقص، وهو هنا يتحدث عن ثقافة الناقد وذوقه، وعلة القبول لديه الاعتدال كما أن الاضطراب علة عدم القبول، وإذا اجتمع اعتدال الوزن وصواب المعنى وحسن الألفاظ تم قبوله، وإن نقص جزء من هذه الأجزاء كان إنكار الفهم إياه على قدر نقصان أجزائه، وإذا اجتمعت هذه الأجزاء كان الشعر أنفذ من نفث السحر، وأخفى دبيباً من الرقي، وأشد إطراباً من الغناء، فسلّ السخائم وحل العقد وسخى الشجاع وشجع الجبان. وهنا تتجلى وظيفة الشعر التي يمكن أن تكون أساساً لنظرية نقدية عند ابن طباطبا.

نأتي الآن إلى عبد القاهر الجرجاني، فنتساءل أولاً: من هو عبد القاهر الجرجاني؟

هو أبو بكر عبد القاهر بن عبد الرحمن، فارسي الأصل، جرجاني الدار. عاش في القرن الخامس الهجري، حيث توفي سنة ٤٧١هـ، وذلك في العصر العباسي الثاني حين كانت الدولة العباسية منقسمة إلى دويلات صغيرة، ورغم ذلك كانت الدولة الإسلامية تواكب حركة علمية عظيمة، من شرقها إلى غربها، ومن جنوبها إلى شمالها، إذ كان التنافس قوياً بين الإمارات والدويلات على العلماء والأدباء، وكان ذلك مبعث تفاخر بينها، وكانت الأمة الإسلامية آنذاك تعج بمختلف الأحزاب والمذاهب الفقهية والفكرية، وقد أنجبت جرجان علماء وأدباء كثيرين، أشهرهم في القرن الخامس هو الإمام عبد القاهر الجرجاني[١٧].

كان عبد القاهر على مذهب الإمام الشافعي في الفقه، وكان متكلماً على مذهب أبي الحسن الأشعري، درس النحو على أبي الحسين محمد بن الحسين الفارسي النحوي ابن أخت أبي على الفارسي، وألف عدداً من الكتب في النحو، كما ألف في البلاغة أهم كتبه هي "دلائل الإعجاز" و "أسرار البلاغة". وممن تأثر بهم سيبويه وأبي على الفارسي والجاحظ وابن قتيبة وقدامة والآمدي. وكانت نظرية النظم محور بحوثه وأساس أفكاره البلاغية والنقدية[١٨].

النظم في اللغة هو التأليف والتصنيف، وهذه الكلمة التي أطلقها عبد القاهر على نظريته ذكرها قبله القاضي عبد الجبار والجاحظ والرماني، ولكنهم لم يحددوها ولم يوضحوا معناها كما فعل عبد القاهر الذي حددها ووضحها، ووضع عليها الأدلة والشواهد[١٩].

يقول عبد القاهر متحدثاً عن النظم: "معلوم أن ليس النظم سوى تعليق الكلم بعضها ببعض، وجعل بعضها بسبب من بعض"[٢٠]. انطلق عبد القاهر في نظريته من النحو، وفي ذلك يقول: "واعلم أن ليس النظم إلا أن تضع كلامك على الوضع الذي يقتضيه علم النحو، وتعمل على قوانينه وأصوله، وتعرف مناهجه التي نهجت فلا تزيغ عنه، وتحفظ الرسوم التي رسمت لك، فلا تخلّ بشيء منها[٢١] ويقول في معرض إثبات أساس نظريته: وإن الألفاظ لا تثبت لها الفضيلة وخلافها في ملائمة معنى اللفظة لمعنى التي تليها أو ما أشبه ذلك مما لا تعلق له بصريح اللفظ، ومما يشهد لذلك أنك ترى الكلمة تروقك وتؤنسك في موضع ثم نراها بعينها تثقل عليك وتوحشك في موضع آخر[٢٢].

يمكن استشفاف ملامح نظرية عبد القاهر النقدية من خلال بعض القضايا النقدية التي أثارها في كتابيه المشار إليهما، مثل قضية اللفظ والمعنى وقضية الغموض وقضية الصورة الشعرية من خلال التشبيه والاستعارة.

من الجدير بالذكر قبل الدخول في القضايا النقدية التي تعرض لها عبد القاهر في كتبه أن أذكر أنه انطلق في نظريته النقدية من الشعر والنحو، فقد اتخذهما أساساً لها، وهي نظرية شاملة في النحو والبلاغة والنقد. وما يهمنا في هذا البحث هو الناحية النقدية من هذه النظرية. ومن الجدير بالذكر أيضاً أن اهتمامه النقدي لم يقتصر على الجانب النظري، وإنما شمل الجانب التطبيقي أيضاً، لأن مهمة الناقد هي تعقب النصوص الممتازة في عناصر تكوينها الفنية والكشف عن القدرات الإبداعية فيه، لذلك انصب اهتمامه على نصوص القرآن الكريم أكثر.

نجد إشارات واضحة إلى قضية اللفظ والمعنى في كتاب "دلائل الإعجاز" وخاصة من خلال وقفات عبد القاهر عند آيات القرآن الكريم لتحليل أوجه الإعجاز البلاغي فيها. عالج عبد القاهر قضية اللفظ والمعنى وعلاقة كل منهما بالآخر، وأيهما أحق بأن يوصف بالبلاغة والفصاحة في إطار تفسيره لقضية النظم التي جعلها أساساً للإعجاز القرآني، وهو حين يخوض في هذه القضية نلحظ فيه عقلاً منطقياً منظماً يفيد من روح المنطق لا من شكله، وبجوهره دون مظهره، فهو يرى أن وصف اللفظ بالفصاحة لا يخلو من أحد أمرين؛ إما أن تكون الفصاحة مرتدة إلى ذات اللفظ، وإما إلى تركيبه مع الألفاظ الأخرى، وهو يرجح الرأي الثاني أي أن فصاحة الألفاظ ترتد إلى الصفات المعقولة أي التراكيب التي تدرك بالقلب، وليس للألفاظ صفات معقولة إلا من جهة دلالة هذه الألفاظ على

معانيها، وعلى هذا يفرق عبد القاهر بين كلام وكلام، لا من حيث استبدال الألفاظ بألفاظ أخرى، ولكن من حيث مناسبة هذه الألفاظ للمعاني المقصودة، ولا مزية لعبارة على أخرى إلا إذا كان لها تأثير في المعنى ليس لصاحبتها. ويلخص عبد القاهر رأيه في هذه القضية بقوله: "وجملة القول إنا لا نوجب فصاحة في اللفظ مقطوعة مرفوعة من الكلام الذي هي فيه، ولكن نوجبها لها من حيث هي موصولة بغيرها متعلق معناها بمعنى ما يليها"[٢٣]. فهو يجمع بين اللفظ والمعنى، ويسوي بين خصائصهما، ويجعلهما شيئاً واحداً يعتمد على الصياغة. يرى الجرجاني أن الخطاب كل متكامل، لا يمكن فصل الجانب اللغوي فيه عن المقام الذي يرد فيه، وبذلك يتعاضد السياق اللغوي وسياق الحال على إبراز الدلالة وفهم مرامي الكلام، وهذا ما تقوله أحدث المناهج النقدية المعتمدة على الأسس اللغوية.

أما الغموض فقد أدرك الجرجاني أهميته بأنماطه المختلفة في تشكيل بنية النص الإبداعي، ومنحه الخصوصية الفنية والجمالية، حيث أن النص الإبداعي البعيد عن الغموض الفني نص سطحي يبعد القارئ عن العملية الإبداعية، ولا يشاركه فيها من خلال انضمامه إلى دائرة التأويل والتفسير وتعدد المعاني والاحتمالات[٢٤]. إستخدم الجرجاني مصطلح الغموض ومرادفاته مثل التوسع والغرابة والتعقيد غير المقصود والتعمية ومعنى المعنى، وبين أن الغموض يقع في المعنى الثاني، وهو المعنى غير المباشر. يجسد الغموض عند الجرجاني المستوى الفني للعمل الإبداعي بوصفه جوهر الشعر وأساسه، لأنه يثير الدهشة والاستفزاز للمتلقي، ويضفي الإبداع إلى النص. وقيمة المجاز والاستعارة والتمثيل تكمن في الغموض الذي يمنح النص حياة وقوة، ويجعله نصاً إبداعياً متجدداً عند متلقيه، وعد الجرجاني التباين والتنافر في أطراف التشبيه والاستعارة أكثر قدرة على شد المتلقي وإثارته واستفزازه لما في هذا التنافر من غموض يحرك العقل والحس معاً[٢٥].

الصورة الشعرية: استطاع الجرجاني أن يدرك بفطنته أهمية دور الألفاظ والمعاني والغموض في تشكيل الصورة الفنية.

قدم الجرجاني من خلال كتابه "دلائل الإعجاز" نظرية للنقد الموضوعي، لا تعتمد على الهوى في النظر إلى النص الأدبي وإنما تفسر ما فيه من جمال على أساس من معاني النحو الإضافية، وهذه هي نظرية النظم، وفي كتابه أسرار البلاغة يعالج مبحث الصورة الشعرية بإعتباره مبحثاً نقدياً لا بلاغياً، لأنه اهتم بالجذور النفسية للصورة في نفس قائلها، والآثار المتوقعة في نفس سامعها، مع الاهتمام الدائم بالآثار الجمالية التي تتركه الصورة على النص الأدبي، والمقارنة بين الصور المتماثلة أو المتقابلة، وذلك الصنيع من مهام الناقد الأدبي[٢٦].

والصورة الشعرية تتشكل من مباحث علم البيان، وأهمها التشبيه والاستعارة. أما التشبيه فيفرق البلاغيون بين ثلاثة أنواع له؛ التشبيه المفرد والتشبيه المتعدد والتشبيه التمثيلي، والأخير أقربها إلى روح الصورة الشعرية النابضة، والجرجاني وقف وقفة مفصلة أمام هذا النوع لأنه أكثر إيغالاً في الخيال، حيث لا يقف عند لمحة التشابه السطحية البسيطة، ولكنه يتعداها إلى تلمس الجوانب الدقيقة بين الصورتين المتقابلتين، فينتج عنها هيئة مشتركة. أدرك عبد القاهر قيمة الخيال في تكوين الصورة الشعرية، وخاصة في التشبيه التمثيلي، فهو في رأيه الأرض التي يتم عليها بناء الصورة. ويربط عبد القاهر بين الصورة التمثيلية وبين اللغة الحسية في نشأتها الأولى سواء على مستوى الفرد أو الجماعة، وهذا التعليل هو نفس التعليل الذي يقدمه النقاد المحدثون حين يربطون بين الصورة الشعرية والأسطورة، حيث كانت الأسطورة في القديم تعبيراً حسياً، فاختفت الأسطورة وحلت محلها روحها في الصورة الشعرية[٢٧]. وقد عد الجرجاني التباين والتنافر بين أطراف التشبيه أكثر قدرة على شد المتلقي وإثارته واستفزازه، لما في هذا التنافر من غموض يحرك العقل والحس معاً، وفي ذلك يقول الجرجاني: "كلما كان الشبه بين الشيئين أخفى وأغمض وأبعد من العرف كان الإتيان بكلمة التشبيه أبين وأحسن وأكثر في الاستعمال"[٢٨]. ويرى الجرجاني أن الصورة قد تكون غامضة، ولكن ليس وراء غموضها أية قيمة فنية، وهو التكلف الذي ذكره أصحاب أحدث المذاهب النقدية اليوم مثل الرمزية والسيميولوجية.

والاستعارة أمعن في الخيال من التشبيه، لكونها تتناسى أحد الطرفين دائماً. وهي عند الجرجاني لصيقة بالشعور أيضاً، ولذلك يعتبرها أقرب إلى الشعر، وإذا كانت المشاعر التي تحتوي عليه الصورة الاستعارية تعطيها قيمة جمالية، فإن طريقة بناء هذه المشاعر أو التعبير عنها في الصورة الاستعارية تزيد من هذه القيمة. وإذا كان عموم النقد العربي القديم يفضل التشبيه على الاستعارة، فإن الجرجاني يقول مفضلاً الاستعارة على التشبيه: "إنها آمن ميداناً، وأشد افتناناً، وأكثر جرياناً، وأعجب حسناً وإحساناً، وأوسع سعة من أن تحصر فنونها وضروبها، نعم وأسحر سحراً، وأملا بكل ما يملأ صدراً، ويمتع عقلاً، ويؤنس نفساً، ويوفر أنساً"[٢٩]. وهذا الكلام ينم عن إدراك الجرجاني لمكانة الاستعارة في تكوين الجمال الشعري قبل الغرب بمئات السنين.

بقيت نقطة لا بد من الإشارة إليها وهي أن عبد القاهر الجرجاني سبق الغرب في قضايا نقدية كثيرة، حتى أننا نجد تشابهاً بين ما قاله أصحاب المنهج الأسلوبي والبنيوي ونظرية التلقي الحديثة وبين ما قاله الجرجاني. وإذا كانت المناهج النقدية الحديثة في الغرب قامت على أسس لغوية، فكذلك نظرية النظم البلاغية والنقدية قامت على أسس لغوية، وبشكل خاص على علم النحو. يقول الدكتور محمد

مندور: "إنه يستند إلى نظرة في اللغة أرى فيها، ويرى معي كل من يمعن النظر إنها تتماشى مع ما توصل إليه علم اللسان الحديث من آراء"(٣٠).

بربط هذه القضايا وغيرها عند الإمام عبد القاهر الجرجاني نستطيع أن نتلمس ملامح نظرية نقدية لديه، حيث ثمة جامع يجمع هذه الأفكار وهذه الآراء في منظومة نقدية متكاملة.

خلاصة البحث ونتائجه

أولاً: خلاصة البحث

ليس سهلا أن يسبح الإنسان ضد التيار، وكذلك ليس سهلاً أن يدافع الإنسان عن النقد العربي الإسلامي في ظل سيطرة المقولات التي تضعفه وتقلل من شأنه، وتصفه بأوصاف لا تليق به، والذي يدعو للأسف هو أن مصدر هذه الاتهامات هم المستشرقون الحاقدون على الإسلام.

بينت في هذا البحث علاقة الأدب العربي بالأدب الغربي وبالنقد الحديث، ثم ذكرت محاولات بعض النقاد المحدثين للوصول إلى نظريات نقدية في تراثنا الإسلامي، ثم ذكرت إمكانيات نسبة بعض النظريات إلى نقادنا القدامى مما له صدى في واقعنا النقدي اليوم، وأخيراً تحدثت عن ملامح نظرية عبد القاهر الجرجاني النقدية، وبينت أنها ذات صلة مباشرة بنظرية النظم المعروفة لديه، وحديثي عن نظرية عبد القاهر النقدية كان من خلال بعض القضايا النقدية لديه مثل قضية اللفظ والمعنى وقضية الغموض والصورة الشعرية التمثيلية والاستعارية.

ثانيا: نتائج البحث

١- النقد عبارة عن فكر، والنقد العربي في مجموعه نقد إسلامي.

٢- مصطلح "نظرية" مصطلح جديد، وهو من مخترعات العصر الحديث، رغم أن مضمونها قديم، ويعني فكراً منظماً مبنياً على أصول وقواعد معينة.

٣- عرف اليونانيون والرومان القدامى فكراً منظماً، لذلك تنسب إليهم نظريات مثل نظرية المثل ونظرية المحاكاة ونظرية التطهير.

٤- عرف العرب أيضاً فكراً منظماً وعقلاً مبدعاً، وخاصة بعد أن دخلوا في الإسلام، بفضل محاولاتهم فهم القرآن الكريم وبفضل البحث في إعجازه، ومن حقهم علينا أن ننسب

إليهم نظريات في النقد، بجمع شتات ما وصلنا من أفكارهم في قوالب عامة تأخذ شكل نظريات وفقاً للمفهوم الحديث.

٥- لم يكن عبد القاهر الجرجاني بدعاً بين أصحابه من علماء الإسلام ومفكريه، وإن كان حلقة هامة من حلقات النقد العربي الإسلامي وأهم نجم في سماء النقد في التراث الإسلامي العريق.

٦- إن نظرية النظم عند عبد القاهر الجرجاني نظرية ذات أساس لغوي وبلاغي ونقدي.

٧- يعد عبد القاهر الجرجاني من كبار النقاد المسلمين الذين كان لهم دور عظيم في ارتقاء النقد الإسلامي، وتأثير كبير فيمن جاء بعده من النقاد المسلمين.

٨- لم يقتصر تأثير عبد القاهر على المسلمين، فقد تعداه إلى النقد الغربي الحديث، فكثير من الأفكار والأسس التي بنيت عليها المذاهب الحداثية مثل الرمزية والأسلوبية والبنيوية ونظرية التلقي والسيميولوجية؛ الحداثية منها وما بعد الحداثية تأثرت بفكر عبد القاهر الجرجاني.

٩- نحن مقصرون تجاه نقدنا الإسلامي، فهو يطلب منا أن نلبسه الثوب الذي يستحقه. في الوقت الذي نحن منبهرون فيه بأحدث ما يصلنا عن الغرب من فكر تعود أصوله إلى أسس وثنية أو يهودية أو نصرانية أو علمانية أو حداثية أو ما بعد الحداثية.

١٠- والإمام عبد القاهر الجرجاني بالذات، وفكره النقدي بشكل خاص، يحتاج منا إلى اهتمام أكبر ودراسات أعمق، لنعطي هذا العلم حقه.

الهوامش

١- "حكمة الغرب"، الأستاذ برتراند رسل، ترجمة الدكتور جلال الشرقاوي، عالم المعرفة، عدد يونيو ٢٠٠٩ ط٢.

٢- "النقد العربي" الدكتور عبد المنعم تليمة والدكتور عبد الحكيم راضي، الجهاز المركزي للكتب الجامعية والمدرسية والوسائل التعليمية في كلية الآداب بجامعة القاهرة، طبعة عام ١٩٧٧م، ص: ٢٠١.

٣- "تاريخ الأدب الأدبي عند العرب، من العصر الجاهلي إلى القرن الرابع الهجري" المرحوم طه أحمد إبرايهم، المكتبة العربية، بيروت، ١٩٨١م، صفحة رقم: ب وجـ.

٤- "نظرية النقد العربي القديم في ضوء الخطاب الثقافي العام" الدكتور محمد صالح الشنطي، مقال منشور على الشبكة الدولية في عام ١٤٢٠هـ.

٥- المصدرنفسه.

٦- المصدرنفسه.

٧- "أصول النقد الأدبي"، الأستاذ أحمد الشايب، مكتبة النهضة المصرية، طبعة عام ١٩٨٥م، ص: ٣٤٤.

٨- "قراءة جديدة لتراثنا النقدي"، المجلد الأول، تأليف مجموعة من الباحثين، إصدار النادي الأدبي الثقافي بجدة (٥٩)، السعودية، ص:٢٠.

٩- "فصول في النقد العربي وقضاياه"، محمد خير شيخ موسى، دار الثقافة، المغرب، ص: ٧.

١٠- "النقد الأدبي" الجزء الأول، الأستاذ أحمد أمين، لجنة التأليف والترجمة والنشر، القاهرة، ١٩٥٢م، ص: ٧.

١١- الدكتور محمد صالح الشنطي أردني الجنسية، فلسطيني المولد، ولد بتاريخ ١٩٤٥/٩/١٣م في فجة- يافا. حصل على شهادة الدكتوراه في اللغة العربية وآدابها في عام ١٩٨٣م من كلية الآداب - جامعة القاهرة، وتخصصه الدقيق هو النقد الأدبي الحديث، وقد كان أستاذاً مشاركاً في جامعة الملك سعود.

١٢- المصدرنفسه.

١٣- "فصول في النقد العربي و قضاياه" الأستاذ محمد خير شيخ موسى، ص: ٩.

١٤- كان شاعراً وناثراً رومانياً، ولد عام ٦٥ ق.م، وتوفي عام ٨ ق.م.

١٥- لا يكاد يعرف عنه المؤرخون شيئاً إلا أنه وجد في القرن الميلادي الأول، لأن الخط الذي كتبت به المخطوطة المنسوبة إليه خط لاتيني يعود زمنه إلى هذا القرن.

١٦- أنظر على سبيل المثال المسرحيات اليونانية القديمة مثل مأساة هيبوليت للكاتب الشهير يوريبيدز. راجع كتاب"أشهر المذاهب المسرحية، ونماذج من أشهر المسرحيات"، الأستاذ دريني خشبة، مكتبة الآداب مطبعتها بالجماميز، ص: ٢٧-٣٢.

١٧- "نظرية عبد القاهر في النظم"، الدكتور درويش الجندي، مكتبة نهضة مصر بالفجالة، ١٩٦٠م، ص: ٣-٥.

١٨- المصدرنفسه، ص٥-٨، وانظر كذلك "نظرية النظم عند عبد القاهر، بحث في مادة البلاغة وتاريخها"، الأستاذ عبدالله بن عبد الوهاب العمري، بحث دكتوراه قدم إلى كلية اللغة العربية بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، تحت إشراف الدكتور عبد العزيز بن عبد الرحمن الشعلان، في عام ١٤٢٨هـ، ص: ٥-٩.

١٩- "نظرية النظم عند عبد القاهر، بحث في مادة البلاغة وتاريخها"، الأستاذ عبدالله بن عبد الوهاب العمري، ص:١٣.

٢٠- "دلائل الإعجاز"، عبد القاهر الجرجاني، قرأه وعلق عليه محمود محمد شاكر، مطبعة المدني، ط٣، مصر، ١٩٩٢م، ص: ٤.

٢١- المصدرنفسه، ص: ٨١.

٢٢- المصدرنفسه، ص: ٤٨-٤٩.

٢٣- "دلائل الإعجاز"، ص: ٢٩٩.

٢٤- "ظاهرة الغموض بين عبد القاهر الجرجاني والسجلماسي" الدكتور محمود درابسة، أستاذ مشارك بقسم اللغة العربية بجامعة اليرموك، مقال منشور على الشبكة الدولية.

٢٥- المصدرنفسه.

٢٦- "التراث النقدي، قضايا ونصوص"، الدكتور أحمد درويش، الهيئة العامة لقصور الثقافة، مصر، ١٩٩٨م، ص:١٢١-١٢٢.

٢٧- المصدرنفسه، ص: ١٢٢-١٢٦.

٢٨- "أسرار البلاغة" عبد القاهر الجرجاني، مؤسسة الكتب الثقافية، ط١، بيروت، ٢٠٠٦م، ص: ٢٥٥-٢٥٦.

٢٩- المصدرنفسه، ص: ٤٨.

٣٠- "في الميزان الجديد"، الدكتور محمد مندور، مؤسسات بن عبدالله، ط١، تونس، ١٩٨٨م، ص: ١٤٧.

فلسفة نظام التعليم المفتوح في ضوء القرآن والسنة

Philosophy of the Distance Education System in the light of Holy Qura'n and Sunnah

الدكتورة شهناز ظهير*

Abstract

This article is an effort to provide a detailed study about the philosophy of distance education system in the light of Islamic teachings. The ways of delivering Education have different techniques, philosophies and theories. A philosophy in the light of Qura'n and Sunnah is more effective than any other in implementation in an Islamic society like Pakistan. Islam is the religion of knowledge and Sciences, and seeking knowledge is compulsory for every man and woman in Islam. Each and every Educational process consists of both the components of teaching and learning. Distance Education System is the most modern way having all latest techniques and modalities, like on-line, off-line, Computer, T.V, Radio, Audio-Visual aids, flip charts contents, broadcast and non-broadcast materials etc. All possible digestive forms can be merge in the Distance Learning system and can be use to seek education by it. Today we must opt the way the world is going ahead and molding towards to take part in solving the problems of the illiterate society and to reduce the burden of illiteracy. Knowledge is the most powerful weapon in Islam which can play a vital role for a humanity based society by increasing literacy rate and introducing Golden Islamic Values in the field of education. Open Learning System has direct access towards spreading extended reflections in front of illiteracy, created by the current era by meeting the challenges of globalism and solving the issues of education in an Islamic way, and as an Islamic duty.

---

* الأستاذة المساعدة بقسم اللغة العربية، كلية العربي و العلوم الإسلامية، جامعة العلامة إقبال المفتوحة، اسلام آباد، باكستان.

التمهيد

لكل فلسفة زوايا وجوانب وأهدافها للتطبيق العملي وهي التي تؤديها إلى الفوزوالنجاح.تحتل فلسفة التعليم أوالتربية اية فلسفة تعليمية أوتربوية المركزالأول في العملية التعليمية أوالتربوية ومن هذه الفلسفة تنبثق أهداف التربية ومناهجها ومؤسساتها وطرقها ووسائلها في التعليم وفي التقويم لها كما تنبثق الجذوروالسيقان والأغصان والأوراق والأزهاروالثمارمن البذرة التي تودع في باطن الأرض ثم يكون منها تلك الشجرة أوذلك النبات اللذين يكونان المصادرالأولية لأسباب الحياة للإنسان والحيوان وغيرهما من الكائنات الحية[١]. إن الفلسفة الناجحة تشتمل على المستويات أوالمعاييرالمتوازنة بين متطلبات المتعلمين والمعلمين وتتعامل مع القضايا الموجودة في مجال التعليم وتكون قابلة للتطبيق أي تكون صالحة للزمان والمكان في أي مجتمع يريد أن يطبق فيه .العلم بلاعمل كشجرة بلا ثمر وكلاهما لازم وملزوم معا فإن مصطلح التربية أيضا لازم أن تكون مع التعليم[٢]. في العصورالحديثة أولت المؤسسات التربوية عناية خاصة لتحديد المقاصد والغايات والمناهج المعرفية والمعاييرالقيمة وفهم الطبيعة الإنسانية كعدة للإقلاع عبرالمستقبل وأطلقت على هذه كلها اسم فلسفة التعليم أوالتربية وأعطتها الكثيرمن طاقاتها العقلية ومقدراتها المادية[٣]. لابد من الفلسفات التعليمية والتربوية أن تطبق عمليا والحياة كلها فرصة للتعلم والتعليم. لأن التعليم لوكان مدى الحياة أوفي حالة الاستمرارله فوائد كثيرة وهوالأمر الشرعي المطلوب حسب التعاليم الاسلامية الخالدة الباقية التي تحث عليه وترتكزحول فضيلة تحصيل العلم والدعاء له كما يوجد أمرتكراري لطلب العلم في القرآن حتى نجده في الأحاديث النبوية بكثرة والعلم له مفاهيم واسعة متسعة بلاحدود وبلاقيود،لاحدود لها ولاقيود لها.هناك عدة مباحث لهذه المقالة فهي تدورحول الجوانب المختلفة لهذاالموضوع ممكن أن نلقي الضوءعلى كل واحد منه بالتفصيل :

المبحث الأول: فضيلة العلم في الإسلام

إن العلم أشرف مارغب فيه الراغب وأفضل ماطلب وجد فيه الطالب وأنفع ما كسبه واقتناه الكاسب لأن شرفه يثمرعلى صاحبه وفضله ينمي عند طالبه قال الله تعالى:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾(٤)

وهذه الآية تفرق بين حالتين وأنها لاتجعل تتساوى الشخص العالم واالشخص غيرالعالم. فالعلم من مادة: علم يعلم علما معناه شق الشفة .مثلا:إن كان الشق في الشفة العليا أوفي الشفة السفلى أوفي الأنف أوفي الأذن أوفي الجفن أوفي كل هذه الاعضاء من الإبل ويقال له: الأعلم أوالأفلح أوالأخرم أوالأخرب أوالأشترأوالأشرم على الترتيب [٥].علم يعلم، علما: فالعلم، المعرفة والإطلاع. إن العلم مفهوم تحليلي استقرائي، ومعناه الأصلي شق الشيء للإبانة والتمييز وأما معناه الثانوي التابع لمعناه الأصلي فهوإبرازالشيء واظهاره وتمييزه وتحديده وتعيينه [٦].

تكررت مادة "العلم" ومشتقاتها ٧٧٥ مرة في كتاب الله، وجاءت كلها في محل التبجيل والإطراء على العلم وأهله،كما تضمنَت لومًا وتعنيفًا للجاهلين وأهل الأهواءقال الله تعالى:﴿**يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ**﴾[٧].

وقال سبحانه وتعالى في فضيله القرآن، تعلمه والبيان:﴿**الرَّحْمَنُoعَلَّمَ الْقُرْآنَoخَلَقَ الْإِنْسَانَ oعَلَّمَهُ الْبَيَانَ**﴾[٨].

ومن المعلوم أمرالله تعالى للحصول على العلم بالقراءة والقلم لكل إنسان مع خلقه في هذا الكون بأن أول ما نزل من القرآن قول الله تبارك وتعالى : ﴿**اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَoخَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍoاقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُoالَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِoعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ**﴾[٩] وهذاهوالوحي الأول الذي يدل على مكانة العلم ويحث على الحصول على التعليم موضحًا خلق الانسان من علق،العلم نعمة من نعم الله العظمى على البشرأن هيأ لهم السبل ليعلموا ما كانوا يجهلون فالإنسان في المجتمعات البدائية يكاد يكون جاهلاً جهلاً مطلقًا ثم ازدادت معارف البشرونمت، بما أودعه الخالق سبحانه وتعالى(١٠). والعلم ضد الجهل،الجهل هو ظلام والعلم هونوروحسب التعاليم الإسلامية طلب العلم فريضة ولازمة للإنسان لوكان ذكرا أوأنثى .تحددت غايات العلم أوالمعرفة عند قوله سبحانه وتعالى والقراءة أوالمعرفة بإسم الله غايتها الأساسية معرفة الله تعالى وشكره بالعمل عليها والحقيقة أن العلم حق لكل بشرفي هذا الكون كإنسان حي وحق لكل مسلم ومسلمة من جانب الإسلام ، وهودينا الإسلام الحنيف الخالص الذي دائماً يحث ويؤكد للحصول على العلم. إن النبي صلى الله عليه وسلم مدح العلم والعالم طلب العلم وطالب العلم في أحاديث كثيرة وأنه عليه الصلاة والسلام فرض على الجميع رجلاً

كان أوامرأة طلب العلم.وبخاصة فتح المدرسة "الصّفّة" (١١) بالمدينة المنورة وتعيين المدرسين والمعلمين جعله يؤمن نشرالعلم بالتدابير الفعلية والعملية أمرا مؤثرا مفيدا وتطبيقيا وأن هذه التدابير كانت مؤثرة إلى درجة أن المدارس قد انتشرت إلى القرى أيضًا في غضون عقدين من الزمان بعدرسول الله صلى الله عليه وسلم (١٢).

المبحث الثاني: فلسفة التعليم المفتوح

فلسف الفلسفة : الحكمة، تفلسف يتفلسف، تفلسفاً: وهو الفيلسوف وقد تفلسف (١٣) أخذ لحكمة وأصبح فيلسوفًا. والفلسفة تعني :الحكمة فما هي حكمة في التعليم المفتوح ؟ الجامعة التي تكون بلاجدران*(١٤) فلاحجاب ولاالمسافة أوالبعد بين الطالب والأستاذ ولكن كشف الستائرعن العلوم، إزاح الستارة عن الحقائق وتوصيل المعرفة .هي رموزفلسفية تدل على نظام التعليم الخاص الذي نسميه :"المفتوح"وهونظام غيررسمي أوغيرتقليدي.وحسب التعاليم الإسلامية طلب العلم فريضة لازمة للإنسان والجامعة المفتوحة،المعهد بنوعه الخاص تتميزبتصورها الفلسفي "المفتوح" وهي الكلمة التي تدل على الترحيب لكل واحد (١٥)، توفير تسهيلات وفرص التعليم عن طريق الجامعات والمكتبات والمتاحف للوصول إلى أكبرعدد من الجماهير(١٦) والجامعة المفتوحة تطرق أبواب الطلبة(١٧) بوسائلها التعليمية و"التعليم على دهاليزأبواب الطلبة"هذا شعارالجامعة المفتوحة "العلم للجميع" هذه نعرة جامعة العلامة اقبال المفتوحة التي تقع في اسلام آباد عاصمة جمهورية باكستان الإسلامية فكلمة "مفتوحة" لها معان كثيرة وكلها تدل على الفيوض الجارية التي تشيرإلى فلسفة النظام المفتوح أوالجامعة المفتوحة .فتح . فَتّحَ فَتحًا البابَ :خلاف أغلقه و القناة :فجّرها ليجري فيها الماء، و الله عليه :علّمه وعّرف وسّره على فلان: باح له به .فَتَّحَ :فتّح، وشدّد للمبالغة .فَاتَحَ البَيعَ :سهّله .تفتّح :مطاوع فتّح و. ت الأَكَمَة عن النَورِ :تشقّقت عنه، انفتح :مطاوع فتّح وعن الشيء انكشف عنه .افتتح واستفتح الأبواب :ضد أغلقها الفتح: نوع من الحركة يفتح لها الفم .و. ج فتوح :الرزق الذي يفتح به الله، الماء الجاري في الأنهار، الفتحة: المرّة من فتح، علامة الفتح.الفُتُح :الباب الواسع المفتوح، القارورة الواسعة المفتوحة . الفُتحة : ج فُتَح : الفُرجة .الفَتَّاح :فعّال للمبالغة،من صفاته تعالى لأنه يفتح أبواب الرزق والرحمة

لعباده .المِفتَح ج مَفَاتِح آلة لفتح الأبواب ونحوها،قناة الماء، المخزن،الخزانة،الكنز،المفتاح ج مفاتيح :آلة لفتح الأبواب ونحوها[١٨].

اللغة العربية الفصحى ليست بلغة الدين والشريعة الإسلامية فقط وإنما هي لغة أكثر من ٢٢ دولة عربية أيضا بحيث تقع عشرة دول داخل قارة اسيا وتقع اثناعشر دولة في قارة افريقيا (١٩). إن اللغة العربية لغة هدف الدول الإسلامية للتعليم والتعلم فهي لغة رسمية أيضا للبلدان العربية الشقيقة ومع ذلك هي لغة الترادف والمعاني والمفاهيم فتشعبت مراحل وأنواع الدراسة وأدت إلى ظهورأسماء متنوعة للتعليم والتعلم أيضا . فالمعاني الخاصة للمصطلح "مفتوحة" تشيرإلى عناصرالجامعة المفتوحة ودورها البارزفي عملية التعليم [٢٠].

إن النظام المفتوح للتعليم نظام إسلامي مئة بالمئة كما نلاحظ الثمرات والبركات في تطبيقه العملي فلا توجد الجدران في هذا النظام للتعليم منذ الالتحاق إلى النيل على الشهادة،لأن كل التسهيلات المتوفرة تنتظرالطلبة بصورة الوسائل الميسرة المتعلقة بهذا النظام وتتبع جامعة العلامة اقبال المفتوحة خطوات التعليم المفتوح لفرص كافية ومحوالأمية في أرجاء باكستان، تستخدم الجامعة المفتوحة الأجهزة الإعلامية الجماهيرية لاسيما الراديوالخاص أيف أيم ٩١,٦والتلفزيون التعليمي الخاص في عرض مناهجها كما ترسل المناهج المقررة للنصوص والكتب الدراسية للمنتسبين إليها بالبريدالبري والبحري والجوي والبريد الإلكتروني من مقرالجامعة بإسلام آباد .ان إطلاق الإسم ميغا اليوم للجامعة هذه التي فيها أكثرمن مئة الف طالب في دورة واحدة،فهي تقال جامعة "ميغا" (المراد به جامعة ضخمة لكون طلبتها يتجاوزعن مائة ألف أوألوف) أيضا فالجامعة المفتوحة لها اكثرمن خمسة عشرمئة الف طالباً في دورة[٢١].والجامعة المفتوحة هذه منفردة في باكستان لأنها تذهب إلى القرى البعيدة والبوادي النائية والجبليات والصحراءات التي فيها نسبة التعليم منخفضة جدًا لأجل فتح أبواب التعليم والمعرفة للناس هناك [٢٢].

نعرف أن الرسول محمد صلى الله عليه وسلم هوالرائد الأصيل الذي جاء على رأس طورالعلم والعالمية فعبرالمستقبل كله واكتشف تفاصيله لتشتق منها الأجيال غايات الإقلاع ومقاصد الإبحارعبرالمستقبل والحقائق التي طرحها من خلال الوحي هي التي تتطابق مع الواقع في كل لحظة يتحول فيها الغيب إلى واقع محسوس والمستقبل إلى حاضرمشهود(٢٣) والواقع أن التعليم ونشره في العالم

هوصوت الوقت بين الناس أيا ما كان أحوالهم وظروفهم وأعمارهم والجامعة المفتوحة لا تتميزعن الجامعة التقليدية فقط في الأساليب المتعددة التي تستخدمها للتعليم عن بعد وإنما أيضاً في مفهومها الفلسفي للانفتاح حيث إنها توفر التعليم الجامعي لجميع القادرين عليه بغض النظرعن أعمارهم وأوضاعهم الاجتماعية أومؤهلاتهم العلمية[٢٤].يرى الأستاذ البريطاني الكبيرلويس شيستر(*٢٥)أن الأهمية الحقيقية للجامعة المفتوحة تكمن في أنها الحقل الوحيد الذي تجري فيه التجارب في مضمارطرق التدريس الحديثة[٢٦].هكذا يشيرنا إلى إنضمام طرق التدريس الحديثة في مجال التعليم كصوت الوقت لتلبية التقدم المعاصر الذي يتحدى أمامنا اليوم.

إن ثمرة التعليم والتعلم لها فوائد عظمى وهي مترابطة ومتماسكة ومتسلسلة من الفرد إلى الأمة لما كان للمعرفة ثمارها المادية والإجتماعية والحضارية التي تجعل صاحبها يسخرالكون ويتراءى له كأنه ملك ناصية كل شئ فإن المعرفة المبتورة من معرفة الله تدفع بالإنسان الذي يبلغ هذه المنزلة الحضارية إلى تجاوزحدوده والطغيان وتوهم الإستغناء بنفسه والإستقلال بوجوده وينسى الحقيقة التي تتكررظواهرها يوميا وهي:"الرجعى" الإنسان إلى ربه كما أشارسبحانه في كتابه المبين(٢٧) . ومن مؤهلات الإنسان التي منحت من الله جل وعلا : التسخيروالتقدم والتربية وهي التي من القدرات العقلية والمهارات الجسدية التي تمكن الإنسان لتيسيرالحياة والتمتع بالخيرات ولتذليل العقبات والمصاعب التي تواجهه في حياته وإلى هذه الخاصية الإنسانية كانت الإشارات القرآنية من أمثال الآيات المختلفة للتسخيروالتقدم والتربية (٢٨).

المبحث الثالث: التطبيق العملي للتعليم المفتوح

اليوم محوالأمية مطلوب في العالم كله وهذه رسالة إسلام فالتعليم المستمرمدى الحياة حق من حقوق الآدمية كصوت الوقت الحاضرأوحاجة العصروهذا أيضا تماما حسب التعاليم الإسلامية في الأهداف معا،فالتغيرالمعرفي والتغيرالتكنولوجي والتغيرالمؤسسي الدائم بما تحمل من تعقيدات وضغوط اقتصادية واجتماعية على الفرد والمجتمع،تحتم أن يلتقي الإنسان والعلم ،في ساحة التعليم والتعلّم،بصورة دورية منتظمة ودون مساس،في الوقت نفسه مصادررزق الإنسان ومستوى معيشته وهذا لايتأتى إلا بوجود نظام متصف بالصفات المتنوعة العديدة مثل نظام التعليم عن بعد والتي تمثّل الجامعة المفتوحة

أحد وأهم أنواعه،ولن يستطيع التعليم الجامعي بالنظامي التقليدي،مهما أعطى من إمكانيات مادية،أن يقوم بهذه المهمّة[٢٩].فالجامعة المفتوحة ليست إلا تطبيقاً واحدًا لنظام التعليم المفتوح الذي طبق في كثيرمن الدول لتحقيق أهداف تعليمية متعددة الأنواع ومنها محوالأمية توفيرالتعليم الجامعي للبالغين الذين فاتتهم فرص التعليم بالجامعات الرسمية وتوفيرفرص التدريب المهني والفني وبرامج التدريب أثناء التوظيف فالنظام المفتوح أوالتعليم عن بعد من أنجح محاولات مهمة في العصرالحاضرلغرض محوالأمية[٣٠].

إن التعلم من أوليات العالم في هذا الحين وهو واجب ديني وواجب دنيوي في الإسلام معًا.مع تغييرات الزمن ومرور الوقت ابتكرت تقنيات حديثة في كل مجال من مجالات الحياة حتى في مجال العلم أيضاً توسعت المفاهيم وتوسعت الأنظمة والأساليب لعملية مكافحة الأمية.العلم يجعل خلق ثقافة الحقوق الإنسانية [٣١] في العالم الآن .هناك معاهد وجامعات كثيرة في العالم التي تكون في جهود متسابقة لحقوق الإنسان ورعايتها للتعلم .التعلم هوأول حقّ الإنسان من جانب الله عزوجل في هذا الكون.هناك مركزالحقوق الإنسانية الذي فيه قسم البحث على التعليم العملي والنظري بجامعة أيسكس البريطانية ولاتزال هناك موضوعات متعددة دائماً مستمرة البحوث على حقوق الإنسان[٣٢]هذا المركز يمتاز بالبحوث المستمرة والتحقيقات الحديثة في هذا الصدد .

التعلم ميزة في مجال المعرفة إن للمتعلم منزله عظيمة بين الناس فإنه ينال الإحترام من جميع فئات السن.أما الجاهل فهو مجرد انسان عديم الفائده ،ليس له أي هدف في حياته .ويكون كريها بين الناس لأنه لايفرق بين تعامله مع فئات السن الصغيرة والكبيرة فالفرق بين العالم والجاهل :لايعرفه الجاهل،إنما يعرفه العالم كما قال تعالى :﴿**هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ**﴾[٣٣] إن المعرفة هدى ونور،فالعالم يعرف ما في نفس الجاهل لأنه كان في يوم ما جاهلا، والجاهل لايعرف ما في نفس العالم،لأنه لم يتعلم. كما وجدنا في رأي العلماء الكباروحسب أرسطو:"الجاهل يشك ،والعالم يؤكد ،والعاقل يتروَّى"[٣٤].

بالرغم كل ما يبدوعلى السطح من يسرفي تناول المعلومات وتناقلها إلاأن الأميين يتزايدون في العالم بدلاً من أن تتناقص أعدادهم .ونجد أن العالم الأول لايستغل موارد العالم الثالث فحسب بل يستعمره ثقافيًا بواسطة إرسالياته التعليمية ويبث بلغته وثقافته ولكن السؤال يبقى أن الحروف المكتوبة بمئات اللغات تحتاج المعرفة لايعلم عنها الكثيرمن الجنس البشري[٣٥] الذي يحتاج إلى التعليم ومكافحة

الأمية ومتطلبات التعليم في العالم الثالث عن طريق رسمي لاتستطيع الكفاية لأن السكان يزيد عددهم كل يوم ألوف من الناس وهم حرموا حرمانًا يائساً بعيدين عن التعليم كلياً وعلى جانب آخرهناك حاجة إلى التعليم المستمرللناس المثقفين المتعلمين[٣٦] ليجعلوا تعليمهم حسب متطلبات العصرلمواجهة تحديات التكنولوجيا الحديثة في هذا الصدد.الأمرلايقتصرإلى حد الباكستان ولكن العالم كله اليوم يواجه تحديات الوقت المختلفة وعلى رأسها محوالأمية وتعميم التعليم.توضح الدراسة حاجة إلى تحديث بنى نظمه التعليمية لتستجيب مع الانفجارالسكاني وزيادة الطلب الاجتماعي على التعليم وبصفة خاصة التعليم العالي،هذا يدعو إلى ضرورة الأخذ بنظم التعليم المفتوح الذي تمثل الجامعة المفتوحة أحد أشكاله.

المبحث الرابع: الربط بين عناصرعملية التعليم الثلاثة وخصائص النظام المفتوح

في ضوء معطيات العصرومتطلباته أصبحت اليوم عملية التعلم والتعليم مسؤولية الجميع وعلى رأسهم المعلم،الذي نطمح أن يكون بمقدوره مزاولة عمله على أسس علمية تتماشى مع طبيعة التقدم العلمي والتقني وطبيعة المجتمع في ظل المفهوم الجديد للمدرسة الحديثة بحيث أصبح اليوم بمقدورنا الاتجاه بثقة كاملة نحوالجودة وأن نتحول إلى صناعة الاحتراف في العمل التربوي من خلال لقاءات مميزة وفريدة مع نخبة من العلماء والمفكرين التربويين الذين سيقومون خلاصة تجاربهم ونتاجهم العلمي والعملي في مجال التطويرالتربوي. وفي ضوء ذلك يمكن تلخيص الأدوارالمناطة بالمعلم بالآتي :

١- المعلم موصل تربوي ومطورتعليمي.

٢- المعلم قائد ومحرك للنقاشات الصفية.

٣- المعلم مشرف وموجه تربوي [٣٧] .

المعلم هو: العنصرالأول النشيط يقوم بدورهام للتواصل بين العنصرين الأخريين في عملية التعليم ودوره دورالهيكل العظمي فيهاولابد من أن يكون مزودا بالعلوم والتكنولوجية الحديثة فيعتبرالمعلم لبنة أساسية في العملية التعليمية،وله الدور الأكبرفي توجيه هذه العملية، فهوالذي يقدم المادة العلمية للطلبة،مسبوقة بجملة من القواعد التربوية التي يقوم بتربيتهم عليها ،استكمالاً لدورالأسرة،ولكي نتصف المعلم بأنه مثالي ومميز،يجب أن يتصف بصفات ما يلي :

١- ينبغي أن يكون ذا شخصية قوية.

٢- يتميز بالذكاء والموضوعية والعدل والحزم والحيوية والتعاون.

٣- وأن يكون مسامحاً في غير ضعف، حازماً في غير عنف.

٤- أن يكون مثقفاً، واسع الأفق، لديه اهتمام بالاطلاع على ما استجد في طرق التدريس، وفي مادته.

٥- وأن يكون أداؤه للعربية صحيحاً، خالياً من الأخطاء.

٦- وأن يكون محباً لعمله، متحمساً له، متمكناً من المادة الدراسية التي يقوم بتدريسها، يحسن العرض لها، وأن يكون على علاقة طيبة مع طلابه وزملائه ورؤسائه.

٧- قادرعلى أن يقسم وقته بين مجالات نشاطه وعمله العلميّ وبيته وأهله .

٨- يعد عرض المعلومات والمهارات للطلاب دوراً أساسيّاً مطلوباً منه ويعمل عليه .

٩- الحكمة في إدارة الصف؛ وهي تتضمن التفاهم والتعاطف مع طلابه، وتوجيههم وإرشادهم فرديّاً وجماعيّاً، والاهتمام بالقيم الروحية والأخلاقية لهم.

١٠- ومراعاة حاجات الطلاب العلمية والاجتماعية، والقدرة على المحافظة على النظام في الصف، ومواجهة المواقف المعقدة.

١١- تنمية روح الانضباط الذاتي لدى طلابه،واحترام أنظمة المؤسسة التعليمية من خلال الاقتداء بمعلمهم،في حسن أدائه لرسالته [٣٨].

والعنصرالثاني في عملية التعليم هو :"الطالب" والطالب له أهمية خاصة ودورخاص وحسب الماوردي الشروط التي يتوفربهاعلم الطالب وينتهي معها كمال الراغب مع ما يلاحظ به من التوفيق ويمد به من المعونة فتسعة شروط وهي :

١- العقل الذي يدرك به حقائق الأمور.

٢- الفطنة التي يتصوربها غوامض العلوم.

٣- الذكاء الذي يستقربه حفظ ما تصوره وفهم ما علمه.

٤- الشهوة التي يدوم بها الطلب ولايسرع إليها الملل.

٥- الإكتفاء بمادة تغنيه عن ملف الطالب.

٦- الفراغ الذي يكون معه التوفرويحصل به الإستكثار.

٧- عدم القوالع المذهلة من غموم وأشغال وأمرض.

٨- طول العمرواتساع المدة لينتهي بالإستكثارإلى مراتب الكمال.

٩- الظفربعالم سمح بعلمه متأن في تعليمه.

فإذا استكمل هذه الشروط التسعة فهوأسعد طالب وأنجح متعلم [٣٩].

والعنصرالثالث في مثلث العملية التعليمية هو:المادة التعليمية وهي التي لابد أن تكون ملائمة مع الأحوال والظروف للعنصرين الأخريين (٤٠) يعتبرإعداد المواد التعليمية واختيارها من الأمورالهامة التي لابد من أن نلاحظها بالدقة بالنظرة العميقة لها في البرامج التعليمية عند التخطيط لكي نواجه التحديات المعاصرة للعولمة وكذلك لتحقيق هذه الأهداف التربوية المباشرة وغيرالمباشرة والخاصة بأساليب التعلم النشط تستخدم تجهيزات وأدوات معينة والجديربالذكرهنا أن نبين هذه الحقيقة أن لابد من المعرفة لناعن أهمية الإنسجام والتطبيق له في عناصرعملية التعليم الثلاثة ومن الممكن أن نذكربعض أهم الخصائص التربوية الأخرى للجامعات المفتوحة التي تشيرإليها فالعمليات التربوية للجامعات المفتوحة فيها العناصرالثلاثة المنسجمة وهي تتمتع بالخصائص التالية :

– تعدّ المواد التعليمية،في أغلب الأحيان والأحوال حتى الآن،على شكل مقررات مطبوعة،معروضة بأسلوب التعلم الذاتي الذي يسهل على الدارس التفاعل مع هذه المادة عند مايقرؤها وحده .هذا الأسلوب له مقومات وعناصرمعروفة تصاغ وفقها معظم المقررات المطلوبة في الجامعات المفتوحة.

– يوجد تفاعل بين الدارس والمعلم أوالمشرف الأكاديمي عن طريق وسائط،منها المراسلة والهاتف والناسوخ أوالفاكس والبريد الالكتروني والمؤتمرات التي تعقد عن طريق الفيديو أوالحاسوب .يلاحظ أن التفاعل قد يكون فردياً (أي معلم– دارس) أوجماعياً المعلم .مجموعة دارسين،أو(معلمون . مجموعة دارسين).

– وفي معظم الجامعات المفتوحة تعقد لقاءات صفية وجها لوجه بين المعلم والدارسين،ولكنها تكون قليلة العدد ومحدودة الأغراض.تعقد مثل هذه اللقاءات عادة في مراكزدراسية موزّعة في مناطق عمل الجامعة .وتجدرالإشارة إلى أن بعض الجامعات المفتوحة تمتنع كلياًعن عقد لقاءات وجهاً لوجه بين

المعلمين والدارسين.معظم الجامعات المفتوحة تتوفردعماً غنياً ومنظماً لعملية تعليم الدارسين،وغالباً مايتخذ هذا الدعم شكل :

-التوجيه والإرشاد.

- تزويد الدارسين بملحقات للمقررات الدراسية التي بين أيديهم.

- تزويد الدارسين بأشرطة فيديو تكمل وتغني المقررات الدراسية التي يسجلون لدراستها.

- بث تلفازي موجه لإغناء مقررات مختارة يدرسها الدارسون من مختلف المستويات.

- بث إذاعي موجه لإغناء المقررات الدراسية.

- بث محاضرات أومناقشات أوعروض بوساطة الأقمارالصناعية.

- تزويد الدارس بتمارين ليقوم بحلها وإرسالهاإلى المعلم أوالمشرف الأكاديمي ليقوم بتدقيقها والتعليق عليها وإعادتها إلى الدارس المتعلم [٤١].

في النظام المفتوح فرصة منتهزة للتعلم والتعليم للجميع من المهد إلى اللحد في المنزل وفي المكتب في السفروفي الحضر لأن التعليم عن بعد هوتعليم يقدم للطلبة المقيمين في أماكن بعيدة عن الحرم الجامعي يكون فيه الطالب منفصلا انفصال مؤقت أوانفصال جغرافي عن الأستاذ.

- انفصال شبه دائم بين المتعلم والمعلم خلال فترة العملية التعليمية وهذا ما يميزالتعليم عن بعد عن التعليم وجها لوجه.

- تأثيرالمؤسسة التعليمية في تخطيط وإعداد المادة التعليمية وفي توفيرخدمات دعم للطلبة وبالتالي تميزه عن الدراسة الخاصة وبرامج التعليم الذاتي.

- استخدام وسائط تقنية مثل الطباعة والوسائط السمعية والمرئية والحاسب الآلي تحتوى على محتوى المقررالدراسي.

- توفيرالاتصال بطرقتين بحيث يمكن للطالب الاستفادة من الحوارأويمكنه البدء في الحواروهذا ما يميزه عن الطرق التكنولوجيا الأخرى المستخدمة في التعليم.

- الغياب الشبه دائم للمجموعات التعليمية خلال فترة العملية التعليمية بحيث يدرس الطلاب عادة بشكل فردي وليس في مجموعات مع إمكانية عقد اجتماعات أحيانا(٤٢).

المبحث الخامس: الأهداف المرجوة المطلوبة من التعليم المفتوح

عرفنا من التعريفات السابقة والمناقشة مفصلاً بأن يكون التعلم عن بعد قائماً عند وجود مسافة تفصل بين المعلم والمتعلم ويستعاض عنها بوسيلة تقنية بديلة تأخذ شكل أحدأوجميع الوسائل التكنولوجية التالية":الحاسب الآلي، المذياع،التلفاز،الفيديو،التسجيل الصوتي،المطبوعات أوغيرها من وسائل توصيل المعلومات" لتكون جسراً للتواصل يربط بين المتعلم والمعلم .من هنا نلاحظ أنه لابد من توفربعض المعطيات متمثلة في الفصل بين المعلم والمتعلم مكان ووقت التعلم متروك للمتعلم فضلاًعن المعلم،وجود وسيلة بديلة للتواصل بين الطرفين.هذا النوع من البرنامج العلمي يوفرفرصاً لمتابعة النشاط العلمي من قبل الذين يواجهون صعوبة فيزيائية أوزمنية أوغيرها من العوائق في عملية التلقي فضلاًعن أنها تمد العاملين بالمواد العلمية في مكان عملهم. وهكذا فان التعليم عن بعد هوعملية تعليمية لاتفرض على الطالب أن يكون متواجدًا مادياً في نفس موقع المعلم،وتاريخياً كان يقصد بالتعليم عن بعد الدراسة بالمراسلة،أما اليوم، فتعتبرالوسائل السمعية والمرئية وتكنولوجيات الكمبيوترأكثرالوسائل الشائعة للتعليم عن بعد .وعادة مايتم استخدام مصطلح التعلم عن بعد مع التعليم عن بعد .ولكن هذا التبادل في استخدام المصطلحات غيردقيقة لأن المؤسسات/المعلمين يتحكمون في العملية التعليمية بينما يكون الطالب مسئولاًعن التعلم،أي أن التعلم عن بعد هونتاج التعليم عن بعد[٤٣].فالتعليم عن بعد رسالة يجب أن نؤديها وتحدٍ يجب أن نقبله في آن واحد.باختصارشديد يمكننا القول بأن التعليم عن بعد كوسيلة تعليم طيلة الحياة أوكتعليم مستمر*[٤٤]،دفع به للبروزفي حقل التعليم[٤٥] للعوامل الآتية :

– حاجة كبار المتعلمين لمواكبة التطورات التي نتجت بسبب الثورة التكنولوجية.

– بروز الوحدة الإدارية الواحدة كنموذج يعنى بالتعليم عن بعد كحقل منفصل قائم بذاته.

– الازدياد الكبيرفي الاختراعات العلمية والتكنولوجية وما نتج عنه من ازدياد في الوسائل التعليمية مما يسرالتعليم عن بعد في فصول الدراسة وكذا في أماكن السكن .لهذا نجد أن التطورالتكنولوجي خلق الحاجة للتعليم عن بعد كما أنه ساعد في تحقيق هذه الحاجة لتوفيره الوسائل السمعية والبصرية التي ساعدت في أغراض التدريس والتعليم في مجالات التعليم غيرالتقليدية المعروفة [٤٦]والنظام المفتوح يقدرأن

يعالج المشاكل التي يعانيها اليوم الأمة المسلمة المادية والروحية معا لاسيماحل مشاكل الدول النامية من المسائل الإجتماعية إلى القضايا الإقتصادية فلا بد من حلولها.

جميع القضايا في مجال التعليم تتعلق بالتحديات المعاصرة لأن حسب الشريعة الإسلامية وفي ديننا هناك علمان :علم الدين وما يتعلق به من عقائد وعبادات ومعاملات وأخلاق ممايجعل الأمة قوية في عقيدتها،صادقة في إيمانها، متسامية في أخلاقها تأمربالمعروف وتنهى عن المنكر،وبذلك ترضي الله عزوجل وتنال عزالدنيا ونعيم الآخرة،هذاهوالقسم الأول للعلم.أما القسم الثاني للعلم هوعلم بالصناعات والحرف المختلفة .علوم الدنيا فلها فروع وشعب،فإن كل علم تحتاج إليه الأمة : كالهندسة والكيمياء وصناعة الحرب وغيرها،هوفرض كفاية لابد من توفرالعدد الكافي من المتخصصين فيه،لأنّ قوام الدين بالدنيا، وبالمجتمح الصالح القوي الذي لايستضعفه غيره من المجتمعات .والدولة هي المسؤولة بالتوجيه إلى هذه العلوم بعد العلم الشرعي بما يكفي الأمة[٤٧]. تشهد معظم بلدان العالم النامية والمتقدمة،جهوداً مستحثّة لتطوي التعليم،السمة البارزة فيها تبني رؤية مجتمعية تربوية،تؤكد على التعليم مدى الحياة،وهي رؤية سبق أن أكدتها عقيدة الإسلام،عندما نصت على أن التعليم واجب على كل فرد،يتجاوزفي إدراكه قيد الزمان فعلى المسلم أن يتعلم منذ مولده إلى ماشاء الله له من حياة، ويتجاوز أيضًا قيد المكان، فالمسلم مطالب بأن يلتمس العلم، ولوفي الصين، ويتجاوز قيد الشكل،فالمسلم مطالب بأن يتعلم من كل ما حوله بأن يستبصرفيه،ويرى حكمة الله في مخلوقاته،وفي ذات الإنسان.

من أهم خصائص هذا النظام هوتعميم التعليم ونشره بوسائل عديدة ومتنوعة مع جعل وتزويد الشوق والجاذبية لدى الدارسين والعلم مع العمل مطلوب كما نعرف أن من أهم أهداف العلم أن ينقلب عملا فالطبيب يعمل ليزيل أمراض الناس والمهندس يخطط للناس مايساعدهم على حياة أسعد والمعلم يعمل لتربية الجيل الجديد ولمستقبل الأمة فالشروط التي لابد من أن تكون في جانبين :لابد من الطلب والشوق والرغبة الملحة من جانب المتعلم والعطاء والسخاء من جانب المعلم أوالمدرس لكي تكمل دورة العملية التعليمية والشئ الثالث هوالمادة التعليمية التي لابد من أن تكون معاصرة ومفيدة للمستقبل وهذه العناصرالثلاثة ضرورية لنجاح في نظام ما وفي فلسفة ما في مجال التعليم للنجاح.في باكستان محوالأمية وتعميم التعليم كلاهما على رأس الأهداف المرجوة من التعليم المفتوح.وإمداد الطالب بحصيلة معرفية واسعة عن المفاهيم الإسلامية الأساسية،من مثل العقيدة

الإسلامية والفقه وأصوله. وبذلك يتم إعداد معلم سوي متمسك بعقيدته الإسلامية مؤمن بها منتم إلى الأمة الإسلامية مستعد لخدمتها وحمايتها ،مبرزلدورها الحضاري،معتز بهذا الانتماء وعقيدةً ولغةً وتاريخاً وثقافة وقيماً عليا، مستفيد من تراثها وسماتها وخصائصها الإنسانية ونحمل القول أن فكرة الجامعة المفتوحة صيغة ناجحة اليوم وفي المستقبل لمعالجة كثيرمن المشكلات التي يعانيها التعليم تحت مظلة الشريعة الإسلامية [٤٨].

الهوامش

١- الكيلاني ماجد عرسان .د ."فلسفة التربية الإسلامية"سلسلة أصول التربية الإسلامية رقم: ١،مؤسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع بيروت لبنان-١٤١٩هـ- ١٩٩٨م .ص: ٨.

٢- شهنازظهير .د."تدريس اللغة العربية عن طريق نظام التعليم المفتوح في باكستان"رسالة الدكتوراة من جامعة بنجاب لاهور ٢٠٠٧م ص: ٢٢٢.

٣- الكيلاني ماجد عرسان .د ."فلسفة التربية الإسلامية"سلسلة أصول التربية الإسلامية، ص: ٩.

٤- سورة الزمر، ٣٩: ٩.

٥- الافريقي، ابن منظور"لسان العرب" دارصادربيروت، لبنان(بدون تاريخ)، ٤١٩/١٢.

٦- قلندر،محمد جميل .أ. د."فكرة الاستقراء في القرآن الحكيم"رسالة الدكتوراة، جامعة البنجاب لاهور-١٩٩٧م، ص:٢٥٢.

٧- سورة المجادلة، ٥٨: ١١.

٨- سورة الرحمن، ٥٥ :١- ٤.

٩- سورة العلق، ٩٦: ١.

١٠- منذرالأسعد "إسلام آخرزمن" (الجزء الثالث) دارالمعراج الدولية بالرياض،المملكة العربية السعودية ١٤١١هـ ،١٩٩٠م، ص:١٧٠-١٧١.

١١-* أول مدرسة المسلمين للحصول على العلم هي"مدرسة الصُّفَّة" التي تقع في حرم المسجد النبوي الشريف في المدينة المنورة.

١٢- إبراهيم جنان / د ،"العلم والتكنولوجيا في نظرالإسلام"(الإعجازالعلمي في القرآن والسنة) المؤتمرالدولي الأول بإسلام آباد ١٩٨٧م ص:١٠.

١٣- ابن منظورجمال الدين محمد بن مكرم "لسان العرب"، ٢٧٣/٩.

١٤- (*University Without Walls).

١٥- Syed Javed Iqbal /Prof "Allama Iqbal Open University A System's View,1988" (Philosophy)Pap Board Printers pvt limited.Rawalpindi.1988.p. 3.

١٦- Edited by M.Satyanarayana Rao"Quality Insurance in Distance Education "Dr.B.R. A.Open University, India,1995, p.161.

١٧- Syed Javed Iqbal /Prof "Allama Iqbal Open University A System's View, p. 3.

١٨- اليسوعي، لوليس معلوف، الأب،"المنجد-في اللغة والأدب والعلوم"(طبعةخامسة) المطبعة الكاثوليكية بيروت، لبنان، ١٩٦٠م . ص:٥٧٦.

١٩- رشدي علي عبد الرحمن "تعليم العربية بالراديو" مقال في السجل العلمي للندوة العالمية الأولى لتعليم العربية لغيرالناطقين بها،عمادة شؤون المكتبات، جامعة الرياض، المملكة العربية السعودية ١٤٠٠هـ الموافق ١٩٨٠م – ص:٢٨٩.

٢٠-Syed Javed Iqbal/Prof "AIOU Course Caltalogue"- (Print Audio & Video Material)Allama Iqbal Open University,Islamabad. (4-1-1996) –p. 8 .

٢١- حسب إحصائيات دورة الخريف ٢٠٠٤م كان عدد الطلاب ٥٧٥،٠٠٠ وازداد بعد هذا كل سنة حتى الأن واليوم عدد الطلاب يتجاوزمن أربعة عشرألف -

٢٢- Syed Javed Iqbal /Prof (User's Guide Version :10)"AIOU Database on Academic Programmes and Courses"Allama Iqbal Open University Islamabad (4-1-1996), p.1.

٢٣- الكيلاني ماجد عرسان، د ."فلسفة التربية الإسلامية"سلسلة أصول التربية الإسلامية رقم:١، ص: ١٩.

٢٤-The Open University Information Service Deptt."An Introduction to the Open University" London-Walton Hall,1977-pp. 5-7

٢٥- *لويس شيسترأستاذ في الجامعة البريطانية المفتوحة بملتن كينزوعالم كبير.

٢٦-Chester Luis."The Open University" choosing a course for the future,the Financial Times,London(1-2-1974), p.19.

٢٧- الكيلاني ماجد عرسان. د ."فلسفة التربية الإسلامية"سلسلة أصول التربية الإسلامية رقم: ١،ص:١٣٢.

٢٨- أيضا، ص:٢٣٧.

٢٩- فخرو محمد علي .د،سردار تنوير .د،"جوانب من التجربة الأمريكية في التعليم عن بعد"مكتب المعلومات التعليمي والمهني بالولايات المتحدة الأمريكية ١٩٨٦م .ص:١٦.

٣٠- محمد رشيد/د"**فاصلاتی تعلیم میں طلبہ کی امدادی خدمات**"نیشنل بك فاؤنڈیشن.پاکستان فروری ٢٠٠٠م .ص:٤٤.

٣١-Catherine English Adam Stepleton "Hand book of human rights" Human Rights Centre, Islamabad 1995, p. 8.

٣٢- محمد رشيد/د"**فاصلاتی تعلیم میں طلبہ کی امدادی خدمات**"، .ص:٤٤.

٣٣- سورة الزمر،٣٩: ٩.

٣٤- تدريب المعلمين . "الحكم والامثال"(الجزء الثاني) ٦٠٨ "طلب العلم" جامعة العلامة إقبال المفتوحة بإسلام آباد ١٩٨٢م ص: ٧٣.

٣٥- جورج المصري"ندبات في جبين العولمة"،مجلة اليمامة.الرياض.المملكة العربية السعودية ديسمبر ٢٠٠١م. ص:٥٠.

٣٦- Altaf Hussain Syed,Prof / Dr."Open Distance Learning in Pakistan" (Pakistan Journal of Education) Vol - 1,Allama Iqbal Open University, Islamabad. 2002-p.3.

٣٧- القريشي فلاح " أثرالعولمة في المجال التعليمي والتربوي" المصدر: جريدة "الصباح"- ص٢٣

٣٨-" إعداد معلمين أكفاء في مجال تدريس اللغة العربية والدراسات الإسلامية للتعليم الأساسي ":الحلقتين الأولى(٤ و٥) والثانية (٦-٩)كلية التربية والعلوم الأساسية بكالوريوس التربية في"إعداد معلم في اللغة العربية والدراسات الإسلامية" جامعة عجمان صندوق بريد: ٣٤٦- عجمان- الإمارات العربية المتحدة- أنظرالموقع:

education.ajman.ac.ae/.../bachelor-of-education-in-teaching of Arabic Language.

٣٩- الماوردي .أبوالحسن علي ابن محمد بن حبيب البصري"أدب الدنيا والدين"دارالفكرللطباعة والنشروالتوزيع- ١٤١٥هـ-١٩٩٥م. ص: ٤٧.

٤٠- الحجازي محمود فهمي .أ . د"المحتوى اللغوي والثقافي في اعداد كتب تعليم العربية لابناء اللغات الأخرى" بحوث. المؤتمرالدولي لتطويرتعليم اللغة العربية في باكستان، اسلام آباد، ٢٧-٢٩ مارس، ١٩٨٨م، ص: ١٢١.

٤١-"التكنولوجيا في مجال التعلم المفتوح"- بقلم: جيه.س.دوروثي-رئيس قسم اللغة الانجليزية جامعة القدس المفتوحة فلسطين- ترجمة :د.إنصاف عباس. ص: ٣.

٤٢- الهاشمي محمد طفيل.أ د "نقرير هن عمل معهد اللغة العربية والدراسات الإسلامية"المنشأ بالتعاون مع دولة الإمارات العربية المتحدة جامعة العلامة إقبال المفتوحة بإسلام آباد ١٩٩٠م ص: ١٧ .

٤٣- أبانمي، عبدالعزيز. د"التقدم العلمي في خدمة الإنسان"مجلة العالم الرقمي (صحيفة الجزيرة اليومية)٢-٣-٢٠٠٣م، الرياض، المملكة العربية السعودية . ص:٨.

٤٤- شما،محمد محمود .د،سردارتنوير.د."جوانب من التجربة الأمريكية في التعليم عن بعد"مكتب المعلومات التعليمي والمهني بالولايات المتحدة الأمريكية ١٩٨٦م . ص:٢٢٨.

٤٥- Continuing Education.

٤٦- المرجع نفسه.

٤٧- الدريني فتحي/د"التربية الإسلامية"(الثالث الإعدادي) مديرية المطبوعات والكتب المدرسية،المملكة السوريةالعربية ١٩٧٢- ١٩٧٣م — ص:٦١.

٤٨- السعيد، محمد مجيد. د "لماذا الجامعة المفتوحة؟"مجلة اتحادالجامعات العربية .عدد خاص (١) ديسمبر ١٩٨٦م . ص:١٣٩.

Rights of Children in Islamic Law: A Review of Some Existing Literature

Dr.Muhammad Munir*

Abstract

With some exceptions the area of the child rights in Islam didn't attract the attention of serious authors in classical or medieval era. However, many authors in the Middle East attempted to write about it in the second half of the 20th century, especially when Child Rights Convention was signed by the UN in 1989. Most of the authors surveyed in this work ritually regarding children rather than their rights. They consider child care to be a parental responsibility and ignore the role of the Muslim state and society.

The subject of child rights protection in Islam remains one of the most overlooked areas of serious research. However, there are many references about several rights that exist in the vast corpus of Ahadith while the opinions of Muslim jurists on some issues, such as, the custody of separated children, inheritance, protection of orphans and illegitimate children etc. are scattered in various treatises of Islamic Law. Unfortunately, these regulations were not compiled in an academic way until 1970s.

The terminologies of "rights of the child" and "protection of the child" arn't used by most of the Arabic writers considered below. This review is aimed at critically evaluating only those works that have put forward Islamic law to justify their arguments on child caring; that are considered serious works and are readily available on the topic of child caring in Islam.

Perhaps the earliest work in Islamic law that deals exclusively with the various rules of Islamic law involving a child is *Jami' Ahkam Al-Sighar* by Muhammad b. Mahmood b. Husain Astroshni (d. 631/1234 C.E.)(1). The author discusses the rules of Islamic law where a minor is involved, such as prayers, fasting, *hajj*, and marriage by a minor boy or girl; guardianship of a minor; fosterage of a minor; it discusses when can the mother of an infant be forced to feed her

* Chairman/Associate Professor Faculty of Shari'ah & Law, International Islamic University, Islamabad, Pakistan. muhammadmunir@iiu.edu.pk.

baby[2]; whether a mother can borrow money in the name of her husband to maintain her children;[3] Who are responsible to rear the baby is mentioned in minute detail;[4] The author discusses the rules of paternity of a minor as well[5]. The various rules of Islamic law when a minor commits a crime individually or accompanies other adult criminals plus when a crime is committed against a minor girl or boy are given at length[6]. There is a chapter on foundling[7], compensation to be paid by or to a minor in case he or she is liable or in case someone is declared liable to the minor boy or girl[8], gifting to someone, buying and selling by a minor[9], and preemption[10] are discussed. In short, the book discusses every transaction and every action in which a minor is involved. This makes the book very unique. This is the only work that discusses the role of court and the Islamic state in all aspects involving a child.

The earliest work concerning various rituals within Islamic Law can be found regarding the birth of a Muslim child is *Tuhfatul Mawdud fi Ahkam al-Mawlud* written by Shamsuddin Muhammad ibn Abi Bakr ibn-Qaiyam al-Jawziyah (d. 751/1350 CE)[11]. This work consists of 17 chapters and discusses the rules within Islamic law from the birth of a Muslim child until childhood. Issues such as '*aqiqah'*, shaving of child's head, naming the child and the circumcision of a male and female child are discussed[12]. The book provides details on certain topics (that may be of lesser interest to the practitioners of children rights today) such as the piercing of the ears of infants both male and female[13]. Chapter 11 discusses the purity or impurity of infant's urine prior to eating solids and during breastfeeding[14]. There is an entire chapter on the various stages in the life of a child starting from conception until death as an adult[15]. Chapter six is on '*aqiqah'*, i.e. the slaughtering of one or two goats on the birth of a female or male child respectively and consists of 22 sections[16]. This chapter has mentioned 55 *ahadith* on this issue. Chapter 9 is regarding circumcision and consists of 14 sections and 32 *ahadith*[17]. The book also contains a short chapter (four pages) about the discipline, education, and equality among children. The whole chapter has only 11 *ahadith* on the three different topics[18]. Most of the *ahadith* are about disciplining children and equality among them. Ibn-Qaiyam cites the Qur'anic verse 66: 6 which says, "Believers, guard yourselves and your kindred against a Fire whose

fuel is human beings and stones" and mentions its interpretation by 'Ali ibn Abi Talib Al-Hashmi (d. 40/661 C.E.), the first Imam of the Shi'a, who is reported to have said that children should be educated and disciplined[19]. He also gives the interpretation of Al-Hasan who said that children should be encouraged to obey God and be taught good things. However, the focus of the chapter is on discipline. Ibn Qaiyam concludes this chapter that "if someone ignored education of his child that is useful for him and left him unguided, he inflicted upon his child the worst possible wrong. And the reason why most of the children went astray is because of their parents; they neglect their children and do not educate them about their religious obligations and its traditions; so they were wasted during their childhood, they did not benefit themselves nor did they benefit their parents in their old age"[20].

However, the above-mentioned work discusses the regulations of Islamic law according to the Hanbali school of thought as Ibn-Qaiyam himself was a follower of that School. Moreover, regarding circumcision, the author supports strongly the case for female circumcision[21]. He mentions the *hadith* " إذ التقى الختانان وجب الغسل" "When the private parts meet, bathing becomes obligatory (irrespective of discharge)"[22]. Instead of giving the Arabic word 'الختانان' metaphorical meaning he takes it literally to rule that it means that both boys and girls should be circumcised as described in this *hadith*. He mentions that there are two opinions of Imam Ahmad ibn Hanbal (d. 240/855 C.E.): in one opinion he considers it obligatory for both boys and girls but in his second opinion he says that it is only for boys[23]. The author gives the point of view of his own school of thought and does not refer to the views of jurists of other schools of thought[24].

The book is considered to be the first writing of its kind. Moreover, the style and contents of this work has inspired many authors in the last decades in the Middle East and other Muslim countries to write about regulations within Islamic law on the birth of a Muslim child. The book has given much space to the various rites upon the birth of a child and parenting but does pay that much attention to the rights of the child nor does it mention the duties of the state regarding the rights of the child.

1.3 Review of Modern Works on Child's Rights

A noticeable and bulky work in Arabic on the rights of the child in Islam which is reviewed in this work is *Tarbiyatul Awlad fil Islam* by 'Abdullah Nasih 'Ulwan written in Arabic. It was first published in 1976 and its 21st edition was published in 1992[25]. It consists of two volumes and has 1,024 pages. The book contains many unnecessary details and the author has put in everything considered relevant by him and its discussion is relatively scattered. The book has an entire section on sex education of the child, in which the author mentions that the mixing of the two sexes leads to potential 'harms and evils'; that a male should only look at a female if he wants to marry her; that going to cinema or watching the movies has inherent evils and so on[26]. The book has an entire section on teaching a child all the types of *jihad* and preparing him not only to spread the word of Islam but to be ready to fight as well in the path of Allah[27]. The author also supported military training of children. The author has provided a section on the many types of commercial sales that are considered illegal by Muslim jurists[28]. He gives examples of sale in which uncertainty is involved; sale of prohibited things; sale involving hoarding; sale involving bribery, usury, and gambling[29]. The author also mentions the alternative to usury[30]. The book also discusses some pre-Islamic practices such as, nationalism, proudness for lineage[31], weeping over dead[32], decorating graves, getting together in marriage ceremonies, getting together and lessoning to songs and dancing[33]. The author is also critical of artificial insemination[34]. These and many other sections of the book are not relevant for raising child under Islamic law. The book also quotes the opinions of classical Muslim jurists but does not give references of the sources from which he has taken their opinions.

Another work in Arabic is *Al-Tifl fi Shari'ah al-Islamiyah* by Muhammad b. Ahmad al-Salih[35]. This book consists of 558 pages and is written by a Saudi Arabian Professor. The work has a long section about the fetus, its meaning, various stages of fetus growth and the rights of a fetus etc[36]. The book has a vast section on children's custody[37] and a section on foundling (abandonment of a child)[38] and a section on orphaned children[39]. This work is considered to be useful as far as Islamic law and regulations for

children are concerned. The author does not address the Convention on the Rights of the Child and other international treaties protecting the rights of a child.

Manhaj Al-Tarbiyah Al-Nabawiyah Lil Tifl by Muhammad Noor Saweed is a bulky volume in Arabic language[40]. The book has five forewords written by five different scholars. The book has very detailed and dispersed discussion about children's rights and rearing in Islam. For example, it discusses how to protect children from diseases;[41] it covers the issue of visiting a sick child;[42] explains how the Prophet treated sick children;[43] the treatment of children through cupping therapy;[44] advises that children should perform *hajj* for their parents[45] and fast for them[46]. It is interesting to note that the author uses the term 'right' every so often in his writing. However, the work does not make any reference to the protection of child under international law and the obligations of Muslim States under the same protections. The book assumes the raising of the child to be parental responsibility and ignores the role of state and society.

Another piece of work in the Arabic language which merits discussion is '*Atfal 'l-Muslimeen: Kayfa Rabahum Al-Nabiul Ameen*?' by Jamal 'Abdur Rahman[47]. The style and content of this work is influenced by Ibn Qaiyam's book *Tuhfatul Mawdud* and *Al-Tifl fi al-Shari'ah* by Muhammad Al-Salih considered above. The book does not offer new insight into the rights and protection of a child and is a collection of what is already written. In addition, the book relies on *ahadith* similar to the three books discussed above and mostly cites Hanbali School of thought sources or other secondary sources[48]. The book provides a number of special sections encouraging youth to participate in military training[49], watching youth's competitions[50] to prepare youth for *Jihad*[51] and provides advice on not preventing youth from martyrdom in God's path[52]. The book offers advice to supporting celebration by mothers of martyred Muslim youth[53] and suggests that Muslim youth should be taught the language of their enemy[54]. The author overlooks the fact that in modern day, the army usually defends Muslim States and that typically youth do not become involved in violent conflict at country-level. In other words, the author does not keep in consideration the natural changes that have taken place in the operation of a nation-state. Moreover, the

author has named his book '*Atfal 'l-Muslimeen*' (Muslim Children) but has also written about 'youth' who do not come under the heading '*Atfal*'– *a term dedicated to children*. The style of writing is in narrative and the author stops short of reaching conclusions. The book does not take into consideration children's rights under international law and what a Muslim State should do regarding the provisions of rights and protection of its children. Finally, the author does not use rights-based language at all throughout the book.

The Rights of Children in Islam by Khalid Dhorat is an unpublished Master dissertation(55) and is a good research work in English. The work focuses on the importance attached by Islam to 'identifying and implementing of children's rights' and the status to be accorded to a child in Islam 'with such numerous protection [sic] and rights'(56). The author uses the terms 'fundamental rights' for the various rituals upon the birth of a Muslim Child(57) and opines that these rights can be enforced in 'an Islamic judicial court of law'(58). The author does not mention how could failure to do '*aqiqa'* (sacrificing an animal or two on child's birth) or failure to shave of his/her hair be enforced judicially. The author cites Hanafi sources on many issues but does not cite sources of other schools of thought. The thesis does not include issues of child-abuse in the Muslim world, the responsibilities of Muslim States towards children and the status of various international treaties in Islam. It does not offer explanations on how Muslim States should respond to child protection in international law.

There are a number of books on children in Islam in Urdu language and we have considered a few. One noticeable piece of work is '*Bachun ka Ihtisab: Ay Mary Baitay*' by Fazal Elahi(59). The presentation and style of the book is different although the contents are in line with the above mentioned books in Arabic. The author seems to be giving a powerful speech from a position of strength and authority. Since the author has expertise in '*ihtisab'* (accountability) he refers to this term in his writing about raising children. The author mentions that a non-Muslim child should be invited to Islam(60) Muslim children should be ordered to offer prayers and fast during Ramdan;(61) that they should be forbidden from doing "all bad things" in their daily life including especially participating in un-Islamic rituals;(62) and forbids boys from wearing silky clothes(63). Although

the book is written by a religious scholar it does not mention the various rituals upon the birth of a child. Similar to several of the above reviewed books, this work does not refer to any rights-based language and international law is not mentioned at all.

Guidelines for Raising Children is a small booklet of around 50 pages(64) and seems to be influenced by the position of international law as it is concerned with child protection. Rights-based language is used in reference to the rituals of infants(65). The publication, however, does not directly mention international protection for children and obligations of Muslim States for a child's protection. Moreover it can be questioned whether certain rituals such as '*aqiqa* or the shaving of hair be treated as 'rights' of infants'? In addition, as is the policy of Darussalam in its publications, the booklet does not offer the opinions of jurists of any school of thought on any issue. It is interesting to note that the above publications have not been critically evaluated before this present review.

UNICEF – Al-Azhar University's study titled, "Children in Islam: Their Care, Development and Protection", offers descriptive analysis of child rights in Islam. The work is written by 12 faculty members of Al-Azhar University or its branches and nine child experts from UNICEF thus making a total of 21 authors(66). The study is mainly based on Qur'anic verses regarding the rights of children and *ahadith* of the Prophet Muhammad (PBUH). The study has collected relevant verses of the Qur'an and *ahadith* of the Prophet in support of the various rights of the child but it does not give opinions by the top Muslim jurists of the various schools of thought prevalent in the Muslim world to explain child protection under Islamic law. The study explains that children have all the rights available to them under modern international law but it does not describe why these rights are not practically provided to children in most Muslim states. The study does not discuss child abuse and other problems faced in child caring in Muslim states. The study does not offer guidance to certain rights available to children such as *hadana* (custody) which is one form of guardianship. The work is designed for the use of the wide ranging groups of people who serve the cause of Muslim child. These include, Imams (prayer leaders), health care providers, governmental and non-governmental organizations that work in the field of child care. However, it is not known what effect the study has

made over prayer leaders, religious leaders, and especially governmental organizations working in child care. The study does not mention how could religious leaders and prayer leaders be used to work or serve the cause of child care practically. To make the study useful and accessible locally the UNICEF may have to translate it into local languages and involve local prayer leaders to disseminate it. Moreover, it would be better if top local *muftis* of various religious institutions are taken into confidence and get their *fatwa* regarding child care in Islam. Findings of scholars at Al-Azhar University, which is State-controlled, are considered liberal by religious scholars in other parts of the Muslim world, especially the subcontinent where seminaries are free of any government control[67]. Therefore, a localized approach to child care in Islam would be more successful. This would involve the support of local religious leaders and prayer leaders.

Holtzhausen, "When Values Collide: Finding Common Ground for Social Work Education in the United Arab Emirates"[68], offers reading about child education. The author does not offer insight into Islam while dealing with the subject. It does not discuss child education in Islam and other protections available to child in Islam. The Islamic Relief Worldwide (IRW) study, *Human Development in Islam* provides a good introduction but it is not a comprehensive study as such. Moreover, it is general and does not discuss child protection in Islam.

In Ann Elizabeth Mayer's "Islamic Reservations to Human Rights Conventions"[69], the author concludes that Islamic law does not necessarily dictate reservations by Muslim States to human rights conventions especially the 1979 Convention on the Elimination of All Forms of Discriminations Against Women and Convention of the Rights of the Child and that some of the reservations are either vague or are based on other grounds. Moreover, the author opines that there are many variations in Muslim countries' approaches in ratifying human rights treaties. She concludes that "differing governmental policies and political calculations regarding how best to present them lead to the widely diverging stances"[70].

There are many studies conducted by International Non-governmental Organizations (INGOs) on child's protection in Islamic context but these studies have numerous problems: A typical work is

first commissioned by a an INGO based in the West and the contract is given to another INGO to get it done. The second INGO which is more often a contractor for such works gives the contract for the work to a third NGO often based in a Muslim country and apparently working for the protection of children rights or human rights. The second contractor which is mostly housed in a place that may have no address and may have some presence through the internet hires one or two locals (for the least amount of money) who is supposed to complete the work in the minimum time. The local expert has to write whatever he is told by the local contractor and there is no independent research. In case the researcher has written down something that the local contractor, who often has no expertise in Islamic law, does not like he will change whatever he thinks will please the main contractor in the West. These changes are always influenced by whatever substandard sources are freely available on the internet. The Western contractor will do some review and the original document will be totally disfigured. As far as the main researcher is concerned he is completely exploited as the contract between him and the local contractor is always one-sided. The researcher has no copy rights and the work is owned by the Western contractor. The researcher is never put directly in touch with the Western contractor. In the so-called review process whoever puts a single word to the document puts his name to it as one of the reviewers. The final document may therefore have the names of a dozen people. A good example is the Cairo Study discussed above. Such a study or report or work may be nicely printed and is mostly freely available on the web but is designed to conclude that Islamic law regarding a particular issue is not against international law. Such a studies are mostly descriptive and do not critically evaluate international treaties on that particular issue. Such studies are mostly the result of exploitation by INGOs and NGOs of local researchers who is paid the least amount to do something in the shortest possible time and he is told what pleases the main contractor and what displeases it. Moreover, such studies do not carry out in-depth study of Islamic law from its original sources and is mostly cut and pasted from the web. But this is how projects are done which is different from genuine and independent research in Islamic law.

1.4 Conclusion

To sum up the above discussion, key findings from the literature review are provided below:

There are numerous publications regarding children in Islam but most focus on the various rituals on the birth of the child, disciplining the child and educating the child in religious sciences and Islamic history. All the works, both in Arabic and Urdu, which have been touched upon above, assume the raising of children to be a parental responsibility. Many authors chose to write on the concept of *Jihad* and how children can be best trained for *Jihad*. With some exceptions most of the works evaluated above do not focus on the rights and enforcement of the rights of the child in Islamic law. Some works focus on how the child is dealt with under the Qur'an and the Sunnah of the Prophet but do not consider the opinions and interpretations of Muslim jurists. None of the above mentioned works has focused on how children can be protected in different socio-political settings particularly during the time of emergency. There is a general lack of properly referenced work as to the role of State, society and individual in the protection of children. Moreover, the writers considered above stress that all the Muslim children should be well-versed in Arabic language and learn religious sciences. But one question obviously arises: If all Muslim children were to learn only the religious sciences how could the Muslim *Ummah* manage its activities in other areas of life? This is an important aspect of the suggested style of education in these books which needs to be addressed in this work.

In addition, all the above writers also, necessarily, seem to assume that the totality of Muslim parents these days are themselves well-versed in Islamic law, which, obviously, would be a pre-condition for raising their children on the lines these writers have laid down. Quite unfortunately, however, most of the Muslim parents these days lack any kind of serious Islamic education themselves and, in some cases, they are totally illiterate. With the exception of Al-Azhar study, the works discussed above do not address the role of a Muslim state, the role of the society, the role of the state institutions in providing children's education and taking care of their health, educating and taking care of children with special needs, and the role

of the judicial bodies of the state in providing remedies for children. What is the position of Islamic law on child vaccination, polio drops, and other life securing and life saving injections and medicine endorsed to children at an early age? These works, also, fail to discuss the rights of the children affected by natural and man-made disasters, in addition to the plight of the refugee children. The above authors do not discuss the opinions of Muslim jurists regarding the rights and protection available to child. The presumption of the authors of the above works is that Muslim parents are all well-off in terms of resources, and can afford every facility for their children. A look at the ground realities, however, presents a very different scenario, which cannot be overlooked at all and this is why a fresh start is needed to fill in these gaps.

References

1. Muhammad b. Mahmood b. Husain Astroshni, *Jami‘ Ahkam Al-Sighar*, ed., Abi Mus‘ab Al-Badri and Mahmood ‘Abdur Rahman (Cairo: Dar al-Fadilah, n.d.), 2 volumes. The book is also translated from Arabic into Urdu as *Bachun kay Islami Ahkam* by Fazal Rasool (Lahore: Fareed Book Stall, 2007). The translated work is 623 pages but has no index or bibliography. References in this work are made to the Urdu translation as the Arabic one was not available at the time of writing this manuscript.
2. Ibid, p. 188 & 192.
3. Ibid, p. 195.
4. Ibid, p. 214-233.
5. Ibid, p. 235-238.
6. Ibid, p. 258-267.
7. Ibid, p. 283-291.
8. Ibid, p. 291-302.
9. Ibid, p. 330-367.
10. Ibid, p. 402-409.
11. See Shamsuddin Muhammad b Abi Bakr b Qaiyam al-Jawziya, *Tuhfatul Mawdud fi Ahkam al-Mawlud*, ed. Muhammad ‘Ali Abul ‘Abbas (Cairo: Maktabat ‘l-Qur’an, n.d.). This edition has 210 pages. The book is translated into Urdu. See Ibn al-Qaiyam al-Jawziya, *Tuhfatul Mawdud fi Ahkam al-Mawlud* transl. Muhammad Abdul Nasir b ‘Abdul Basir al-‘Alawi, (*Awlad ki Tarbiat Kaysi Karin*) (Lahore: Maktaba Rahmaniyah, n.d.), 272 pages. All references in this essay are made to the Arabic edition.
12. Ibn al-Qaiyam, *Tuhfa*, p. 11.
13. See Ibid chapter 10.
14. Ibid. p. 146-148, citing seven *ahadiths*.
15. See ibid chapter 17.
16. See ibid page 32-70. Thus, 38 pages are given to the topic of ‘*aqiqa*.
17. Ibid, p. 106-142.
18. Ibid, p. 152-56.
19. Ibid, p. 152.
20. Ibid, p. 156.
21. See ibid, section nine of chapter nine, p. 132-133.
22. Ibid, p. 132. However, this *hadith* is *da‘if* or weak and one cannot rely on it. See Mahmood b. Ahmad Badruddin Al-‘Ayni, *‘Umdat Al-Qari Sharh Sahih Al-Bukhari* (Beirut: Dar Ihyah al-Turath Al-‘Arabi, n.d.), vol. 1, 334; Jamal al-Din b. Muhammad Al-Zayla‘i, *Nasb Al-Ra’yah Li Ahadith al-Hidayah*, Muhammad ‘Awamah ed., (Beirut: Mu’sasah al-Rayan, 1997), vol. 1, 84.
23. Ibid, P. 132.
24. Ibid.
25. See ‘Abdullah Nasih ‘Ulwan, *Tarbiyatul Awlad fil Islam* (Cairo: Darussalam, 1992), two volumes.
26. See, *ibid*, vol. II, p. 499-599.
27. See *ibid*, p. 995-1000.

28. See ibid, p. 907-913.
29. Ibid, p. 908-912.
30. Ibid, p. 913. The author also mentions the reasons why the transactions mentioned above are prohibited in Islam.
31. Ibid, p. 914.
32. Ibid,p. 915.
33. Ibid,p. 917.
34. Ibid,p. 918.
35. See Muhammad b Ahmad Al-Salih, *Al-Tifl fi Al-Shari'ah Al-Islamiyah* (Riyadh: Matab'i al-furzdaq, 1982),
36. See ibid, p. 13-67.
37. See, ibid.p. 109-135.
38. See, ibid.p. 145-175.
39. See, ibid,p. 175-211.
40. Muhammad Noor b 'Abdul Hafeez Sweed, *Manhaj Al-Tarbiyah Al-Nabawiyah Lil Tifl* (Makka: Dar al-Tiybah, 3rdedn 2000). The book is 447 pages.
41. Ibid, p. 385.
42. Ibid, p. 388.
43. Ibid, p. 388.
44. Ibid, p. 390. Such treatment as described by the Prophet is a non-legislative Sunnah and includes as advice on how he ate a meal, drank water, walked, and talked. The advice is non-binding.
45. Ibid, p. 177. How can a child, who himself is not yet independent, perform *hajj* for his parents? It seems that he should not be child any more and hence this topic should perhaps not be discussed here.
46. Ibid, p. 180. Again this could only be done by someone who is not a '*tifl'* or child as such.
47. Jamal 'Abdur Rahman, *Atfal 'l-Muslimeen: Kayfa Rabahum Al-Nabiul Ameen*? (Muslim Children: How were they raised by the Prophet?) (Makka: Dar Tyybah al-khadra, 7th edn. 2004), 209 pages. The book is also translated into Urdu. See Jamal 'Abdur Rahman, *Atfal 'l-Muslimeen: Kayfa Rabahum Al-Nabiul Ameen*? transl. 'Abdur Rahman Yusuf, *Nabiney Musalman Bachunke Tarbiyat Kesay Farmaye*? (Lahore: Dar al-kutub, 2009).
48. See 'Abdur Rahman, *Atfal 'l-Muslimeen*, p. 154-155. However, in his footnote number 1 on page 155, he mentions that this quote is taken from '*Manhaj Al-Tarbiyat al-Nabawiyah Litifl*' by Muhammad Noor Sawid, p. 364-365.
49. Abdur Rahman, *Atfal*, section 111, p. 161.
50. Ibid, section 112, p. 161-162.
51. Ibid, section 113, p. 162-163.
52. Ibid, section 114, p. 163.
53. Ibid, p. 164.
54. Ibid, section 115, p. 165.
55. Khalid Dhorat, *The Rights of Children in Islam* (unpublished MA dissertation submitted to the Faculty of Arts in Rand Afrikaans University South Africa in 1996) available online at

https://ujdigispace.uj.ac.za/bitstream/handle/10210/6194/K.%20DHORAT_1996_MA.pdf?sequence=3 (last accessed 26 January 2013).

56. Ibid, p. vi.
57. See, Ibid, chapter four which is titled, 'Fundamental Rights of Children', at pp. 46-124. This is the most significant chapter of this work.
58. Ibid, p. 5.
59. Fazal Elahi, *Bachun ka Ihtisab: Ay Mairay Baitay* (Islamabad: Dar al-nur, 2008).
60. Ibid, p. 45-51.
61. Ibid, p. 54-84.
62. Ibid, p. 90-110.
63. Ibid, p. 129-143.
64. *Guidelines for Raising Children in Islam*, ed., 'Abdur Rahman 'Abdullah (Riyadh: Darussalam, 2003).
65. Ibid, p. 15-23.
66. UNICEF – Al-Azhar University, "Children in Islam: Their Care, Development and Protection". Its summery is available online at http://www.unicef.org/egypt/Egy-homepage-Childreninislamengsum(1).pdf (last accessed 02-03-2014). The whole work has 121 pages excluding bibliography. One wonders how much of the work is written by each author!
67. The author has personal experience of this while interacting with religious leaders in all parts of Pakistan for the last 10 years on a similar study carried out by Al-Azhar University for the International Committee of the Red Cross (ICRC).
68. Leon Holtzhausen, "When Values Collide: Finding Common Ground for Social Work Education in the United Arab Emirates", *International Social Work* 54 (2) 2011, p. 191-208.
69. Ann Elizabeth Mayer, "Islamic Reservations to Human Rights Conventions: A Critical Assessment", *Recht van de Islam* 15 (1998), pp. 25-45.
70. Ibid, p. 43.

The Concept of Jihād;
An Analytical Study of Modern Approaches in Sīrah Writing

Mr. Abdul Muhaimin*
Dr. Shah Moeen-ud-Din Hashmi*

Abstract

The *Sīrah* of Prophet Muḥammad (ﷺ) provides such rules and regulations which are helpful in addressing the needs of individuals and society of all times and ages. Although the world has been changing ever since its creation, yet the pace of change in the last one hundred years or so has been the most rapid ever. The effects of these changes were beyond the limitations of time and region and therefore they directly affected the Muslim world as well. Muslim scholars did not ignore these changes but realized their responsibilities and wrote such books of *Sīrah* which provided guidance in connection with these rapid changes and conditions. This research has highlighted an important issue of *jihād* and prisoners of wars in the light of the opinions of the authors of selected books of *Sīrah* written in twentieth century. This research has also elaborated the modern approaches in *Sīrah* writing and the basis of Muslim international law, its inception, its origin, sources and the basic principles. The study has primarily focused on significant *Sīrah* books of three languages i.e. Arabic, English and Urdu, written in the twentieth century. These books include *Fiqh Al Sīrah,* Muḥammad Sa'īd Ramaḍān Al Būṭī, *Fiqh Al Sīrah,* Muḥammad Al Ghazālī, *Khātim Al Nabīyīn,* Muḥammad Abū Zahrah, *Al Sīrah Al Nabawīyah Durūs Wa 'Ibar,* Dr. Muṣṭafā Al Sibā'ī, The Life and the Work of the Prophet, Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh, The Spirit of Islam, Sayīd Amīr 'Alī, *Sīrah Al Nabī,* 'Allāmah Shiblī Nu'mānī, *Sīrati Sarwari 'Alam,* Abūl A'lā Mūdūdī, *Aṣaḥ Al Sīyar,* 'Abdul Raūf Dānāpūrī, *Ḍīā Al Nabī,* Pīr Muḥammad Karam Shāh, *'Ehde Nabwī Men Niẓāmi Ḥukmarānī, Muḥammad Rasūlullāh* and *Rasūli Akram kī Siyāsī Zindagī,* by Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh and *Makkī Uswa-i-Nabvī, Muslim Aqlīyatūn kay Masā'il ka Ḥal,* Dr. Yāsīn Maẓhar Siddiqī.

Early Terminology

Although the pre-Islamic Arabs had their own international usages of various terms for their bilateral relations, yet they could not

---

* Assistant Professor, Department of Islamic and Religious Studies, University of Haripur, Haripur, Pakistan.
* Associate Professor, Department of *Ḥadith* and *Sīrah*, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan.

elaborate them into a system. When Islam came and founded a state of its own, the earliest name given by Muslim writers to this special branch of law dealing with war, peace and neutrality seems to have been *Siyar,* the plural form of *Sīrah,* meaning conduct and behavior. The conduct of the ruler not only in the time of war, but also in peace was referred to by the term *Sīrah* as early as the time of Prophet Muḥammad (ﷺ) and even in pre Islamic times. This is according to authors of early third century of *Hijrah.*

Al Siyar

Though there exited some customary laws in Arabia before the advent of Islam, there were no specific legal system for their relations with other states. After the establishment of a Muslim state in *Madīnah* the rules and regulations for various matters were set including war, reconciliation and impartiality and this was named *Al Siyar.* Arab scholars have used the term *Al Siyar* for international law. This term belongs to the time when every state was one nation and the nation meant only the political nation and it did not include the race, language and geographical aspects. This is also possible that two nations had one state(1).

The Literal Meaning of *Al Siyar*

The term *Al Siyar* is used for Muslim international law in Islamic jurisprudence. The word *Al Siyar* is the plural of the word "سيرة" which is used for biographies in Islamic literature and history and especially for the life of Prophet Muḥammad (ﷺ). The literal meaning of *Al Siyar* is behavior, life style or a custom(2). Muḥammad ‘Alī Thānawī has defined the word *Al Siyar* in his book named *Al Kashāf,* in the following words:

> جمع سيرة, والسيرة هى اسم من السيرثم نقلت الى الطريقة ثم غلبت فى الشرع على طريقة المسلمين فى المعاملة مع الكافرين والباغين وغيرهما من المستأمنين والمرتدين واهل الذمة(3).
>
> (*Al Siyar* is the plural *Sīrah* which is a noun about walking. It was used for manner and in Islamic law it is meant the conduct of Muslims in dealing with non-

Muslims, rebels, refuges, apostates and *Dhimmies*).

Imām Aḥmad has quoted a *Ḥadīth* of Prophet Muḥammad (ﷺ) in which the same word has occurred:

وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَعَمِلَ بِعَمَلِهِ ، وَسَارَ بِسِيرَتِهِ ، حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى ذَلِكَ . ثُمَّ اسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَعَمِلَ بِعَمَلِهِمَا ، وَسَارَ بِسِيرَتِهِمَ[4].

(Abū Bakr took over the caliphate after Muḥammad (ﷺ) and he followed the pattern of Muḥammad (ﷺ) until his death, then *'Umar* took over and he did and followed the pattern of these two (Muḥammad (ﷺ) and Abū Bakr).

The Islamic concept of *Jihād*

Peace and freedom are two essential requirements of a society. Just as various penal measures help in protecting a society from the evils and excesses committed by an individual, restoring to armed offensives sometimes become essential to curb the evils perpetrated by countries and nations. As long as diplomatic relations and negotiations can be used to resolve matters, no one would endorse the use of force for setting affairs. However, if a nation threatens to disrupt peace and freedom of the world and its arrogance haughtiness exceeds all bounds, a stage may come when the use of source and power becomes essential to keep it in check[5].

In the Holy *Qur'ān, jihād* can be classified in two distinct categories; firstly against in justice and oppression and secondly, against those who reject the truth after it has been conclusively communicated to them. The first type *jihād* is an eternal directive of Islamic law and it is launched to curb oppression and injustice. The second type, however, relates to the divine law of (إتمام حجت) the conclusive communication of the truth. This law is always implemented in the world directly by the Almighty through His messengers. In the history of the mankind, for the very last time this status was conferred on Prophet Muḥammad (ﷺ).

The Excellence and Importance of *Jihād*

Jihād plays a very important role in the defense of Islamic ideology and *Qur'ān* has laid considerable emphasis on the merits and the excellence of this concept. It may, however, be pointed out that all endeavor and all efforts in this respect must be made for the Sake and

Pleasure of Allah and Allah alone. There should not be any element, however, small or insignificant, in these efforts, which smacks of personal gratification, personal glory or personal gain in any form.

﴿وَلَوْلاَ دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرا﴾[6].

> (And had it not been that Allah set aside one people with another, the monasteries, and churches, the synagogues and the mosque in which His praise is abundantly celebrated would be utterly destroyed).

And again:

﴿وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَانِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيّاً وَٱجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيراً ٱلَّذِينَ آمَنُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱلطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوۤاْ أَوْلِيَاءَ ٱلشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ ٱلشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفاً﴾[7].

> "And what has come over you that you fight not in the cause of Allah, and for those weak, ill-treated and oppressed among men, women, and children whose cry is: "Our Lord! Rescue us from this town of oppressors, and raise for us from You one who will protect, and raise for us from You one who will help." [You should know that] those who are believers, fight in the cause of Allah, and those who are disbelieves, fight in the cause of Satan. So fight you against the friends of Satan. Ever feeble indeed is the plot of Satan".

Muslims strive in the cause of peace and justice and when it cannot be secured in ordinary ways, then they have to wage war to defend this fundamental principle of Islam, because without it peaceful leaving, and even preservation of life itself, is not possible. Thus all their efforts are spent in subduing oppression or removing obstruction which stops people from enjoying their rights and a life of goodness and virtue[8].

The Purpose of *Jihād*

The purpose of *jihād* with arms is the elimination of *fitnah*. The Arabic word *fitnah* as used in the *Qur'ān* in the context of *jihād* is so full of meaning that there can be no single-word equivalent to it in English.

This word *fitnah* as used in the context of *jihād* in the *Qur'ān* carries the meaning of mischief, chaos and tumult in the land and oppression and persecution. Islam does provide for wars as inevitable evil while strongly disliking bloodshed. In this connection the first directive to an Islamic state is to be perpetually in a state of preparedness and to keep the potential enemies in awe about the strength and might of Islamic state. According to Islam bloodshed is permissible only in the actual theatre of war and aerial bombardment and missile attack on cities and townships is not allowed in Islam and an Islamic state at war cannot resort to these barbaric methods of modern warfare. It has to keep the war confined to actual theatres of war. However, the other side does not observe these limits, the Muslim army may retaliate but keeping in limited to the barest minimum and with advance warning to the civilian population[(9)].

Ethical Limits of *Jihād*

There is no concept of *jihād* in Islam without any limitations or restrictions. The right time has to be considered. Those who ask for reconciliation or treaties should be awarded that. *Qur'ān* and *Ḥadith* has laid down very strict limitations for the start of *Jihād* at any level. Some of the instructions of *Qur'ān* in connection with *jihād* are;

﴿ٱلشَّهۡرُ ٱلۡحَرَامُ بِٱلشَّهۡرِ ٱلۡحَرَامِ وَٱلۡحُرُمَاتُ قِصَاصٞۚ فَمَنِ ٱعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡ فَٱعۡتَدُواْ عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا ٱعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلۡمُتَّقِينَ﴾[(10)].

(A sacred month for a sacred month; and other sacred things too are subject to retaliation. So if any one transgresses against you, you should also pay him back in the same coin. Have fear of Allah and keep in mind that Allah is with those who remain within the bounds set by Him).

﴿وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلَٰيَتِهِم مِّن شَيۡءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُواْۚ وَإِنِ ٱسۡتَنصَرُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ فَعَلَيۡكُمُ ٱلنَّصۡرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوۡمِۭ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُم مِّيثَٰقٞۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ﴾[(11)].

(And to those who accepted faith but did not migrate[to Madīnah], you owe no duty of protection to them until they migrate; but if they seek your help in religion, it is your duty to help them except

against a people with whom you have a treaty of mutual alliance; and Allah sees what you do).

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْخَآئِنِينَ﴾[12]

(And if you fear any treachery from a people, throw back their covenant to them on equal terms. Certainly, Allah does not like the treacherous).

"مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتَّى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ"[13].

(If a nation concludes a treaty with some other, it should not change it in any sense until the time period of the treaty expires or if it fears some treachery from the other side. In these cases, it should throw the treaty before it by an open declaration on equal footings).

﴿وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ خَرَجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِم بَطَرًا وَرِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾[14].

(And be not like those who came out of their homes boastfully and displaying their grandeur and those who stopped [people] from the way of Allah even though Allah fully encompasses what they do).

The Ultimate Goal of *Jihād*

The ultimate goal of *jihād* is to establish peace in the world and to bring an end to all sorts of oppression and cruelty. It is to ensure justice to everyone on equal grounds. It has to achieve certain goals and once they are achieved, there should not be any *Qitāl.* It is meant to help the needy and the poor and to help the helpless. The ultimate of *jihād* is reconciliation and peace. *Qur'ān* and *Ḥadith* has very evidently highlighted the goals of *jihād. Qur'ān* says;

﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[15].

(And if two parties or groups among the believers start fighting, then make peace between them both. But if

one of them outrages against the other, then fight you against the one which outrages until it complies with the decision of God. Then if it complies, make reconciliation between them justly, and be equitable because God loves those who are the equitable. The believers are brothers to one another. So make reconciliation between your brothers, and fear Allah that you may receive mercy).

And Prophet Muḥammad (ﷺ) said:

قُلْتُ: "فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ"[16].

(I asked: "If there is no state or ruler of the Muslims?" He replied: "In this situation, dissociate yourself from all groups, even if you have to chew the roots of a tree at the time of your death").

"أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَإِذَا شَهِدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَأَكَلُوا ذَبَائِحَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا"[17].

(I have been directed to fight against these Idolaters until they testify to the oneness of God and to the fact that Muhammad is his servant and messenger. If they testify to the oneness of God and to the fact that Muhammad is his servant and prophet, establish our prayer and face our *qiblah* [while praying], and eat our slaughtered animals, their life and wealth we shall hold sacred except if they commit some violation").

Causes of Misunderstanding about *Jihād*

The real nature of *jihād* in the way of Allah has become so difficult to understand not only for non-Muslims, but for the Muslims too. There are two major and basic misconceptions in this regard. The first misunderstanding is that Islam is taken as a religion in the conventional sense of the term 'religion'. The second misconception is that Muslims are taken as a nation in the technical sense of this term. These two misunderstandings have not only mixed up the concept of *jihād* but have

entirely changed the picture of Islam as a whole and have completely misinterpreted the position of the Muslims[18].

Religion as a common term means nothing more than a hotchpotch o dome beliefs, prayers and rituals. If this is what religion means, then it should indeed be private affair. You should be free to entertain any belief and worship any deity whom your conscious is inclined to accept. If you are overzealous and ardent devotee of such a religion, you may go and preach it to the whole world and engage yourselves in declamations with the protagonists of other religions. There is no occasion and justification to take up arms in this process. Can you convert people to your faith by using sheer force. This apprehension is quite natural if you regard Islam as a religion in the conventional meaning of the term, and if Islam is taken as a conventional type of religion, the institution of *jihād* cannot be justified. Similarly the term nation connotes nothing more than a homogeneous group of people who have associated themselves as a distinct entity on the basis of some fundamental matters being common between them. A people, who are a nation in this sense take up arms, only in two cases. Either they are attacked with the intention of usurping their lawful rights or they attach others to usurp their legitimate rights. There may be some moral justification for taking up arms in the first case. But attacking others just to snatch away their lawful rights cannot be justified by anybody except a few dictators; even the statesmen of big powers like England and France cannot dare to justify such naked aggression[19].

Jihād in its Real Sense

If Islam is a religion and Muslims are a nation in the conventional sense, *jihād* loses all its meanings and importance because of which it has been declared as the best form of submission to the Will of Allah. In fact Islam is neither a religion, nor the Muslims are a nation in the conventional terms of these terms. Islam instead is a revolutionary concept and ideology which seeks to change and revolutionize the world social order and reshape it according to its own concepts and ideals. In the same way Muslims are in fact an international revolutionary party organized under the ideology of Islam to implement its revolutionary program. *Jihād* is the term, denoting the revolutionary struggle to the utmost, of the Islamic revolutionary party to bring about Islamic revolution. Islam like other revolutionary ideologies has its own terminology to make its revolutionary concept clear and distinct against

all other concepts and ideals. *Jihād* is also one of its distinct terms. Islam intentionally shunned all the relevant terms denoting war in Arabic like (حرب) etc. and used the term *jihād* synonymous with struggle and strive rather more forceful comprehensive than the word struggle. The term *jihād* can be explained as exerting one's utmost endeavor in promoting a cause. The term 'war' has always been used for the fights between various nations and countries for their own selfish ends and material considerations. The motives behind all these battles had always been personal or collective interests devoid of any support for principles or ideology. The concept of war in Islam is quite different and the current term of war does not convey its concept hence Islam shuns the term 'war'. Islam does not believe in the interest of any particular nation or country and has no concern with the hegemony of this or that country or nation on earth. Islam is interested in the welfare of mankind as a whole and has its own concept of this welfare and methodology to implement it. Any government authority opposed to its ideology and concept, wherever and whoever it may be, Islam is out to eliminate it[20].

The Terms Offensive and Defensive

The Holy *Qur'ān* allows necessary and proportionate use of force in self-defense. This is known as 'defensive' theory of *jihād*. However, there are scholars of Islam who argue that Islam is the religion of humankind and that Muslims are under an obligation to spread the faith of Islam peacefully and, if there are obstructions in achieving this end, then by force. This is known as the 'offensive' theory of *jihād*[21]. The division of war as offensive and defensive is quite irrelevant to the concept of *jihād* in Islam. These terms apply only to the wars between nations and nations and between countries and countries, for the terms attack and defense are used with reference to a country or a nation. But when an international party rises with a universal faith and ideology inviting the humanity at large to embrace its faith and ideology and accept into its fold all and sundry irrespective of race and color, language and territory on equal footing and strives only to liquidate the powers of tyranny, oppression, injustice and inequality and replace them the rule of its own ideology. Thus the terms offence and defense carry no justification in this case. Apart from it, the Islamic concept of *jihād* has no relevance with the terms offensive and defensive. *Jihād* in Islam is both offensive and defensive at one and the same time. It is offensive because the followers of Islam assault the rule and authority of the

opposing ideology while it is defensive because the Muslims revolutionists are constrained to capture and retain power to implement their revolutionary ideology. As a revolutionary party, it belongs to no particular place to defend it upholds certain principles which it must protect. Similarly when these revolutionaries mount any attack, they do not attack the land of their opponents, they launch attack on the principles and ideology. Their aim is always to snatch power and authority from their opposing ideology(22).

Study of the Concept of *Jihād* in Modern *Sīrah* Writings

In order to conduct a study of the concept of *jihād* few of the *Sīrah* books of twentieth century have been selected. The study has primarily focused on significance *Sīrah* books of three languages i.e. Arabic, English and Urdu, written in twentieth century. These books include *Fiqh Al Sīrah,* Muḥammad Sa'īd Ramaḍān Al Būṭī, *Fiqh Al Sīrah,* Muḥammad Al Ghazālī, *Khātim Al Nabīyīn,* Muḥammad Abū Zahrah, *Al Sīrah Al Nabawīyah Durūs Wa 'Ibar,* Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī, The Life and the Work of the Prophet, Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh, The Spirit of Islam, Sayīd Amīr 'Alī, *Sīrah Al Nabī,* 'Allāmah Shiblī Nu'mānī, *Sīrati Sarwari 'Alam,* Abūl A'lā Mūdūdī, *Aṣaḥ Al Sīyar,* 'Abdul Raūf Dānāpūrī, *Ḍīā Al Nabī,* Pīr Muḥammad Karam Shāh, *'Ehde Nabwī Men Niẓāmi Ḥukmarānī,* Muḥammad *Rasūlullāh* and *Rasūli Akram kī Siyāsī Zindagī,* by Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh and *Makkī Usswa-i-Nabvī, Muslim Aqlīyatūn kay Masā'il ka Ḥal,* Dr. Yāsīn Maẓhar Siddiqī.

Khātim Al Nabīyīn, by Muḥammad Abū Zahrah

In connection with the legitimacy of *jihād* Abū Zahrah says that after getting settled in *Madīnah* Prophet Muḥammad (ﷺ) focused on the propagation of Islam and to support the weak Muslims who were put to trial and were tortured because of their religion and faiths and it was not possible without waging war against those who ill-treated the believers. The war was mandatory to free the house of Allah from the idolatry and to demolish all the idols and that is why Allah legitimated *jihād*(23).

Abū Zahrah says that it was the disbelievers who started to fight against the Muslims and were cruel with Muslims and the permission of *jihād* was to put an end to this cruelty. The believers are the people of truth and their fight was in fact the fight for truth. *Jihād* was to found

Islamic rituals such as prayer and fasting and ultimately to establish Islamic law[24].

Abū Zahrah says that there is no monasticism in Islam and for Islam monasticism is in *jihād* as it is refraining from worldly goal, it is an effort in the way of Allah, it is enjoining good and it is forbidding wrong[25].

***Al Sīrah Al Nabawīyah Durūs Wa 'Ibar,* by Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī**

According to Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī*; jihād* was permitted only to pave way for the peaceful propagation of Islam, to purify souls, to eliminate depravity and to promote wisdom and guidance[26].

Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī says that *jihād* means war and battle against the cruelty. He raises an important point in the legitimacy of *jihād* that it was not for the defense and protection of Muslims only. It was for other Semitic religions as well and when they will get power they will be able to defend their own religion[27].

While giving a description of the legitimacy of *jihād* in Islam, its causes and general rules Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī says that Prophet Muḥammad (ﷺ) started to call people towards Islam by gentle persuasion and counseling. He used to recite the verses of the Holy *Qur'ān* in front of him people to guide them to the right path. In response to his call the Makkans made fun of him at first place then blamed him and persecuted him and at the end wanted to kill him. They tortured him to the extent that he had to leave *Makkah* and go to a new place but here he had to face twofold enmity; from *Qurysh* and from the Jews. In response to all these ill-treatments Prophet Muḥammad (ﷺ) was asked to be patient[28]. Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī quotes *Sūrah al Muzzammil;*

At every revelation which asked Muḥammad (ﷺ) to be patient, *Qurysh* increased their persecution and Muslims were not able to respond to them and Muslims settled in *Madīnah* they were allowed to respond to the hostility of the enemies. *Jihād* was then permitted only to pave way for the peaceful propagation of Islam, to purify souls, to eliminate depravity and to promote wisdom and guidance[29].

According to Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī the participation of women in *jihād* during the time of Prophet Muḥammad (ﷺ) is a golden chapter of Islamic history. He further says that women today should play active role in the propagation of Islam[30].

***Fiqh Al Sīrah,* by Muḥammad Al Ghazālī**

Al Ghazālī describes the true spirit of *jihād* in these words: "*Jihād* will lose its spirit, which is sincerity and will become a fight for booty and slaves; and then it will lose its sharpness and be shelved"[31].

Muḥammad Al Ghazālī elaborates the purpose of *jihād* and answers the objections raised by the orientalists on *jihād* by saying: "The fighting prescribed by Islam and those battle waged by Prophet Muḥammad (ﷺ) and his Companions are the best form of *jihād.* The wars fought by Islam in the era of Prophet Muḥammad (ﷺ) and his successor were necessary to protect the truth, repel injustice and hostility and break the power of tyrants. As for the fabrications of the orientalists, the malice showed toward Islam from the other religions and the claim that it was the Muslims who first used the force when there was no justification for it, those are all lies and part of the scheme to efface Islam from the earth and make the Muslims salves of the crusaders and Zionists"[32].

***Fiqh Al Sīrah,* by Muḥammad Sa'īd Ramaḍān Al Būṭī**

Ramaḍān Al Būṭī is not in the favor of defensive or offensive approaches in *jihād.* According to him *jihād* will always come into play to establish a complete Islamic society. The author has described the two ideologies about *jihād.* The first ideology is that Islam was spread with the help of sword and Prophet and his Companions forced people to become Muslims. The other thought is that Islam is a religion of love and peace and it only waged war in its defense. Al Būṭī says that these are the rumors spread by the west. The west at first place condemned *jihād* and when Muslims were trying to answer their objections raised about *jihād,* the west came up with the second thought which was very happily accepted by the majority of the Muslim[33].

During *jihād it* is not allowed to kill women, children, laborers and slaves. Al Būṭī mentions two exceptions in which one can fight against them, firstly when they actively take part in the war and secondly when enemy uses women and children as a shield during a war[34].

Ramaḍān Al Būṭī is of the opinion that *jihād* does not mean to hate disbelievers. It is meant to ask people to do good deeds and forbid them from wrong doings. Muslims should always make *du'ā* for the guidance and for religious reformation and this is the real philosophy in the legitimacy of *jihād*[35].

Al Būṭī is of the opinion that *jihād is* one of the most important elements of Islam and it is considered the most alarming factor by non Muslims. Al Būṭī has explained the justification and the stage of *jihād.* He says that *jihād is* to establish the rule of Allah and an Islamic society. He says that there were no wars in the start of Islam and the aggressions against Islam were addressed after the migration to *Madīnah*. He is not in the favor of defensive or offensive approaches in *jihād. Jihād will* always come into play to establish a complete Islamic society. The author has described the two ideologies about *jihād.* The first ideology is that Islam was spread with the help of sword and Prophet and his Companions forced people to become Muslims. The other thought is that Islam is a religion of love and peace and it only waged war in its defense. Al Būṭī says that these are the rumors spread by the west. The west at first place condemned *jihād* and when Muslims were trying to answer their objections raised about *jihād,* the west came up with the second thought which was very happily accepted by the majority of the Muslim(36).

During *jihād it* is not allowed to kill women, children, laborers and slaves. Al Būṭī mentions two exceptions in which one can fight against them, firstly when they actively take part in the war and secondly when enemy uses women and children as a shield during a war(37). Al Būṭī quotes Al Māwardī in favor of his argument who states in his book *Al Aḥkām Al Sulṭānīyah* that if enemy uses women and children as a shield and it is not possible to reach the enemy without killing these women and children, it is allowed to kill women and children in this situation and this is the responsibility of the ruler to consider the expediency of the time (38).

The Spirit of Islam, by Sayīd Amīr ‘Alī

In the opinion of Amīr ‘Alī the mere grounds of the Islamic wars is only self defense and there is no concept of offensive wars in Islam. He writes, ‘To the Muslims self-defense had become a question of self-preservation. They must either submit to the massacred or fight when they; were attacked. They chose the latter alternative, and succeeded, after a long struggle, in subduing their enemies(39).

Sayīd Amīr ‘Alī defines the motives of the acts of war of Prophet Muḥammad (ﷺ) by saying, ‘And now came the moment of the severest trail o Islam. Briefly had the Prophet time to put the city in a state of defense and organize the believers, before the blow descended upon him.

Madīnah itself was honeycombed by sedition and treachery. And it became the duty of Muḥammad to take serious measures to guard against that dreaded catastrophe which a rising within, or sudden attack from without, would have entitled upon his followers. He was not simply a preacher of Islam, he was also the guardian of the lives and liberties of his people. As a Prophet he could afford the reviling and the gibes of the enemies, but as the head of the state, the general in a time of almost continual warfare, when *Madīnah* was kept in a state of military defense and under a sort of military discipline, he could not overlook treachery. He was bound by his duty to his subjects to suppress a party that might have led, and almost did lead, to the sack of the city by investing armies. The safety of the state required the proscription of the traitors, who were either sowing the seeds of sedition within *Madīnah* or carrying information to the common enemy(40).

In the opinion of Amīr ‘Alī the mere grounds of the Islamic wars is only self defense. He writes, “To the Muslims self-defense had become a question of self-preservation. They must either submit to the massacred or fight when they; were attacked. They chose the latter alternative, and succeeded, after a long struggle, in subduing their enemies”(41). He further says: “It was incumbent upon the Prophet to warn his followers against the wiles and insidious designs of hostile creeds. And no student of comparative history can blame him for trying to safeguard his little commonwealth against the treachery of enemies and aliens. But when we come to look at his general of non-Muslim subjects, we find it marked by a large-hearted tolerance and sympathy”(42).

Describing the basic principles of the *jihād* and wars of Prophet Muḥammad (ﷺ), Amīr ‘Alī writes: “In his instructions to the leaders of the expeditions against marauding and hostile tribes and people, he invariably enjoined them peremptory terms never to injure the weak. In avenging the injuries inflicted upon us, he said to his troops, whom he dispatched against the Byzantines, ‘molest not the harmless inmates of domestic seclusion; spare the weakness of the female sex; injure not the infant at the breast, or those who are ill in bed. Abstain from demolishing the dwellings of the unresisting inhabitants; destroy not the means of their subsistence, nor their fruit trees; and touch not the palm”(43) .

Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh

On the subject of Islamic concept of *jihād* Dr. Muḥammad

Ḥamīdullāh cites that the enemies of Islam did not portrayed *jihād* in its true sense and interpreted in incorrectly. Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh says that on one can be forced to embrace Islam and war cannot be waged against any country to compel them to enter into Islam. He further says that there are two prerequisites for *jihād;*

1. *Jihād* should only be in the way of Allah.
2. *Jihād* would be only against those who attack Muslims and thus for Muslims *jihād* is only a defensive war. Prophet Muḥammad (ﷺ) never fought a war in his life except for these two reasons(44).

In the opinion of Dr. Muḥammad Ḥamīdullāh Islamic wars were defensive wars and they were only fought to end the enmity and they were never meant to loot. He writes, 'After long months of hesitation, the Prophet finally decided to take measures of defense. A year or so after his arrival in *Madīnah*, he sent a Muslims detachment-the first-to make it clear to the *Qurysh* that their caravans also should not pass through the zone of Islamic influence. About thirty Muslim volunteers, all refuges from *Makkah*, were led by Ḥamzah, uncle of the Prophet, to go to the west of *Madīnah* as far as the sea coast, to meet Abū Jahl. It should be noted that this and other subsequent expeditions attacked only the Makkan Caravan,-because the Muslims were at war with the Makkan,-to the exclusion of the caravans of other non-Muslims population of the country. It was, in fact, the right of belligerency, and had nothing to do with the simple looting of brigands(45).

On the subject of the personal behavior of Prophet Muḥammad (ﷺ) during armed encounters, Dr. Ḥamīdullāh inscribes: "The behavior of the Prophet, on the occasion of the first armed encounter, a humanitarian behavior which did not change subsequently, became an Islamic law of war, concerning the treatment of the enemy on the battle-field, the wounded enemy, the captured enemy, the slain, enemy woman, children, old persons, the sick, the servants and other non-combatant, the booty etc. his instructions aimed at reducing bloodshed, and the destruction of properties to minimum"(46).

Dr. Ḥamīdullāh further says that the ordinances of *jihād* found in the Holy Qur'ān were not meant to loot the properties of people. It was in fact a sacred and sacrificing obligation to risk your own life for the sake of guiding others and Muslims under the leadership of Prophet Muḥammad (ﷺ) took this responsibility and faced it very happily(47).

***Sīrah Al Nabī,* by 'Allāmah Shiblī Nu'mānī**

The author of *Sīrah Al Nabī* has got a very different approach while defining Islamic concept of *jihād*. He says that *jihād* is usually interpreted as a war or fight but this meaning is not right. The word *jihād* is derived from the root word *jahada. Jihād* and *Mujāhadah* are infinitives form the root word *jahada* and it means to strive and to make an effort. As a term *jihād* has got almost the same meanings and it is to strive to establish the right and to protect it. It is to sacrifice your physical, mental and monetary powers to establish the right. *Jihād* is to give up your relatives, family and your people for the sake of truth. It is to defend the attacks of enemies and if needed it is to fight against them. *Jihād* is a very vital element of Islam and it is a form of worship(48).

According to the author majority of the people believe that *jihād* and war are synonyms. This is not true and both the terms have been used separately in the Holy *Qur'ān.* Every *jihād* is not war but it is a kind of one of the kinds of *jihād*(49).

Majority of the people believe that *Jihād* and war are synonyms. This is not true and both the terms have been used separately in the Holy *Qur'ān.* Every *Jihād* is not war but it is a kind of one of the kinds of *Jihād*(50).

The author has mentioned about six kinds of *jihād.* The first kind is to strive for any good deed. Secondly, *jihād* with the help of knowledge and wisdom. Third kind of *jihād* is *jihād* with one's wealth and the forth kind of *jihād* is to use yourself and your mental abilities to do good deeds and to perform your obligations. The last kind of *jihād* is *jihād bil Nafs* and it compasses all other kinds of *jihād.* In addition to that Sayīd Sulymān Nadvī mentions another kind of *jihād* and that is called everlasting *jihād* and it is meant to support religion, spread the knowledge of religion, help the truth, assist the poor, lend a hand to destitute, guide the astray, enjoin the good, forbid the evil, establish justice, repel cruelty and to accomplish the commandments of Allah(51).

***Aṣaḥ Al Sīyar,* by 'Abdul Raūf Dānāpūrī**

According to 'Abdul Raūf Dānāpūrī the disbelievers pushed Prophet Muḥammad (ﷺ) into wars against them. He says that evil doers did not stop and thus Prophet Muḥammad (ﷺ) was compelled to opt of the war(52). In connection with the justification of *jihād* Dānāpūrī says that in *Makkah* Muslims were not allowed to make wars and battles were not

permitted in preaching of Islam. During the migration to *Madīnah* the Companions of Prophet Muḥammad (ﷺ) scarified their households, their families, their homeland and their tribes for the love of Islam and its Prophet (ﷺ). As a result the whole of Arabia and the Jews got united to exterminate these few slaves of Allah. Dānāpūrī writes that it was in this situation, the Muslims were allowed to fight against those who wage war(53). Prophet Muḥammad (ﷺ) propagated the oneness of Allah and directed people with his preaching for about thirteen years about good and evil. Everyone received his message and the right and the wrong were differentiated. Evil doers did not stop and thus Prophet Muḥammad (ﷺ) was compelled to opt of the war(54). In connection with the justification of *Jihād* Dānāpūrī says that in *Makkah* Muslims were not allowed to make wars and battles were not permitted in preaching of Islam. During the migration to *Madīnah* the Companions of Prophet Muḥammad(ﷺ) scarified their households, their families, their homeland and their tribes for the love of Islam and its Prophet(ﷺ). As a result the whole of Arabia and the Jews got united to exterminate these few slaves of Allah. Dānāpūrī writes that it was in this situation, the Muslims were allowed to fight against those who wage war(55).

***Sīrati Sarwari 'Alam,* by Abūl A'lā Mūdūdī**

In connection with the objective of the wars of Prophet Muḥammad (ﷺ) and a complete pattern of the Islamic concept of *jihād* Mūlānā Abūl A'lā Mūdūdī says that the weapons Prophet Muḥammad (ﷺ) used during his time, were the weapons of that specific atmosphere but the moral principle he laid down and directed to follow them, do not belong to any specific period of time. Prophet Muḥammad (ﷺ) made an eternal law of war for all the Muslims. According to Islamic law this is an invalid question that which arms were used by Prophet Muḥammad (ﷺ). The legitimate and the significant question is that what was the ambition and intention of Prophet Muḥammad (ﷺ) in picking of these weapons and how did he use them. What example Prophet Muḥammad (ﷺ) has set in this regard are the best model of the Islamic concept of *jihād* and spiritually Prophet Muḥammad(ﷺ) is the chief commander of every

Muslim army till the Judgment Day[56].

***Ḍīā Al Nabī,* by Pīr Muḥammad Karam Shāh**

Pīr Muḥammad Karam Shāh also believes that *jihād* was only for the defense of Muslims. He says that whatever steps Prophet Muḥammad (ﷺ) took in terms of *jihād* were not only for the benefit of people of Arabia but for the people of the whole world. During his eleven year's stay at *Madīnah* there were defensive wars fought against the attacks of the disbelievers and few objectives were achieved through these defensive battles[57]. Islam permits *jihād* only in specific conditions and there are three basic principles of Islamic concept of *jihād;* firstly what is the purpose of *jihād,* secondly who the opponent is and lastly what are the terms and conditions of that specific war[58].

The author is of the opinion that whatever steps Prophet Muḥammad (ﷺ) took in terms of *jihād* were not only for the benefit of people of Arabia but for the people of the whole world. During his eleven year's stay at *Madīnah* there were defensive wars fought against the attacks of the disbelievers and few objectives were achieved through these defensive battles. A country which was divided in hundreds of sections was made one unit by Prophet Muḥammad (ﷺ) and he established the rule of law in there. He gave them a system of justice, equality and nobility and the biggest thing was that he joined their broken bond with their Lord. With the help of this *jihād* Prophet Muḥammad (ﷺ) very effectively handed over the trust entrusted to him by Allah to the people and brought a revolution the like of which cannot be quoted from human history. In the fulfillment of this immense goal the disbelievers suffered little losses in terms of their manpower, at the hands of Muslims during these eleven years. The benefits which humanity received were far greater against these losses. In comparison to this the rulers of modern civilization and scientific development has given two world wars within the span of a half century, the losses of which are too big to encompass[59].

***Makkī 'Usswa'i Nabvī, Muslim Aqlīyatūn kay Masā'il ka Ḥal,* by Dr. Yāsīn Maẓhar Siddiqī**

Dr. Yāsīn Maẓhar Siddiqī writes that majority of the *Sīrah* writers

believe that the Muslims did not have the right of *jihād* while they were living in *Makkah.* According to them *jihād* means war and confrontation and all kinds of defensive measures. They want to create the impression that Muslims were ordered to acknowledge the supremacy of the predominant system of life the majority and this is what Prophet Muḥammad (ﷺ) and his Companions exactly did. This concept of surrender and slavery is the invention of those who think that Islam is stationary. The narrations of *Sīrah* and history do not favor this argument and the character of Prophet Muḥammad (ﷺ) and Islam negates this theory. Dr. Yāsīn goes on with his argument and says that it is right that in *Makkah* Muslims were not allowed to do *jihād* with weapons but they had the full right to defend their religion, person, property, honor and sociability. It was not only their right but an obligation as well. Naturally and religiously this is the right of all minorities otherwise it will not be possible for minorities to live in any part of the world(60).

To start with *jihād* few of these authors of the selected prominent books; are of the opinion that it is purely a defensive measure of Islam while other say that there is no concept of offensive or defensive wars in Islam. The legitimacy of *jihād,* according to the majority is for the Madinite period, but was also said that in *Makkah* Muslims were not allowed to use the weapons but they had the right to defend themselves. Some authors have assigned conditions to *jihād* and have considered *jihād* permissible only in the existence of these conditions. For example Muhammad Abū Zahrah is of the opinion that Muslims never initiated wars against non-Muslims and it was the disbelievers who started to fight against the Muslims. Regarding the permission of *jihād* he says that it was given to put an end to this cruelty. In connection with the objectives of *jihād* Dr. Muṣtafā Al Sibā'ī says that it was to spread the message of Islam, to purify souls, to eliminate depravity and to promote wisdom and guidance. And according to him *jihād* means war and battle against the cruelty. In the opinion of Muhammad Al Ghazālī the aims and objectives of *jihād* were to protect the truth, repel injustice and hostility and break the power of tyrants.

In connection with the vital question of defensive or offensive *jihād* Ramaḍān Al Būṭī says that *jihād* will always be come into play to establish a complete Islamic society. And there is no concept of defensive of offensive kind of *jihād.* According to him the modern day Muslims are influenced by the western approach towards *jihād.* Dr. Muḥammad

Ḥamīdullāh supports that west has not portrayed *jihād* in its true sense. He is of the opinion that there is only one kind of *jihād* in Islam and that is defensive *jihād.* Sayīd Amīr ‘Alī has the same opinion and he says that the Islamic war is only self defense and there is no concept of offensive wars in Islam.

According to Sayīd Sulymān Nadvī *jihād* and war are synonyms and *jihād* means to strive and to make an effort and it is to sacrifice your physical, mental and monetary powers to establish the right. It is to defend the attacks of enemies and if needed it is to fight against them. ‘Abdul Raūf Dānāpūrī is of the opinion that Prophet Muḥammad (ﷺ) did not initiate wars against non-Muslims and he was dragged into the wars and there was no *jihād* while Muslims lived in *Makkah*. Dr. Yāsīn Maẓhar Siddiqī does not agree with this and says that the majority of the *Sīrah* writers believe that the Muslims did not have the right of *jihād* while they were living in *Makkah.* According to them *jihād* means war and confrontation and all kinds of defensive measures. Mūlānā Abūl A‘lā Mūdūdī has highlighted the ambition and intention of Prophet Muḥammad (ﷺ)in picking up weapons against non-Muslims. Prophet Muḥammad (ﷺ) set the best model of the Islamic concept of *jihād* and spiritually. Pīr Muḥammad Karam Shāh is also in the favor of defensive *jihād* and the Islamic concept of *jihād* is for the welfare of the whole community and for all the people to come till the end of this world. *Jihād* is only permitted in certain situations and there are three basic principles of Islamic concept of *jihād;* firstly what is the purpose of *jihād,* secondly who the opponent is and lastly what are the terms and conditions of war which is being fought.

Conclusion:

The world has become a global village and it has almost become unlikely for anyone to live in isolation. Things happening in one part of the world do affect people living in another part of the world. The life of the Prophet being a role model for all times provided guidance for all the times and conditions. The *Sīrah* writers of modern era while writing the biographies of their Prophet addressed the modern day issues very comprehensively including the all important issue of *jihād*. These authors have fully encompassed all important aspects of *jihād* including the modern day scenarios of *jihād* as well. According to the majority of these

Sīrah writers, the Muslims never waged wars and it has always been a defensive tactic of Muslims' war strategies. There is a dire need to highlight the real concept of *jihād* in Islam in order to address the western propaganda against this very important element of Islam. *Jihād* is meant to put an end to cruelty and oppression. Even in modern days if anyone or any state is willing to opt for *jihād* it is mandatory to meet all the terms and conditions of *jihād.*

References

1. Muḥammad Ḥamīdullāh, Dr., The Muslim Conduct of State(Lahore: Muhammad Ashraf Publishers, 1996), 48.
2. Al Afrīqī, Jamal Al Dīn, Ibn Manẓūr, Lisān Al ‘Arab, (Beirut: Dār ’Iḥyā, al Turāth al ‘Arabī, 1996), Sec. 6, p. 454.
3. Thānawī, Muḥammad ‘Alī, Al Kashāf, An Encyclopedia of Artistic and Scientific Terminology(Beirut: Maktbah Lebanon, 1996), Sec. 1, p. 998.
4. Musnad Aḥmad, Section 1, p. 128.
5. Ghāmdī, Jāved Aḥmad, “The Islamic Sharī‘ah of Jihād,” Al Mīzān 4 (2009): p.579.
6. Sūrah Al Ḥajj, 22:40.
7. Sūrah Al Nisā, 4:75-76.
8. Afḍal Al Raḥmān, Muhammad As Military Leader(London: The Muslim School Trust, 1995), 19.
9. S.A.H. Rizvi, Battles of The Prophet(Lahore: Genuine Publication Ltd., 1999), p.140.
10. Sūrah Al Baqarah, 2:194.
11. Sūrah Al Anfāl, 8:72.
12. Sūrah Al Anfāl, 8:58.
13. Jāmi al Tirmithī, Section 6, p. 99.
14. Sūrah Al Anfāl, 8:47.
15. Sūrah Al Ḥujurāt, 49:9-10.
16. Saḥīḥ Bukhārī, Section 11, p. 439.
17. Sunan Al Nisā’ī, Section 12, p. 318.
18. Mūdūdī,Abul A'lā, trans., Jihād in Islam(Lahore: Islamic Publications, 1988), p. 3.
19. Ibid., p. 4.
20. Ibid., p. 6.
21. Shah Niaz, Self Defense in Islamic and International Law(New York: Palgrave Macmillan, 2008), p. 15
22. Mūdūdī,Abul A'lā, trans., Jihād in Islam(Lahore: Islamic Publications, 1988), 24.
23. Abū Zahrah, Muḥammad, Khātim Al Nabīyīn(Doha: Third International Conference on Sīrah, 1979), 680.
24. Ibid., p. 681.
25. Ibid., p. 711.
26. Sibā‘ī, Muṣtafā ibn Ḥusnī, Al Sīrah al Nabawīyah Durūs wa ‘ibar(Beirut: Al Maktab al Islāmī, 1972), 113.
27. Ibid., p. 115.
28. Ibid., p. 112.
29. Ibid., p. 113.
30. Ibid., p. 72.
31. Al Ghazālī, Muḥammad, Fiqh al Sīrah(Riyadh, International Islamic Publishing House, 1999), 66.
32. Ibid., p. 234.
33. Al Būtī, Muḥammad Sa’īd Ramaḍān, Fiqh al Sīrah(Lahore: Nashrīyāt, 2010), 230.
34. Ibid., p. 542.
35. Ibid., p. 543.

36. Ibid., p. 230.
37. Ibid., p. 542.
38. Al Mawardī, Abū Al Ḥasan ’Alī ibn Muḥammad,Al Aḥkām Al Sulṭānīyah(Kuwait: Dār ibn Qutybīyah, 1989), 57.
39. Amīr ‘Alī, Sayīd, The Spirit of Islam(Lahore: ‘Ilm-o-‘Irfān Publishers, 2005), 182.
40. Ibid., p. 55.
41. Ibid., p. 182.
42. Ibid., p. 239.
43. Ibid., p. 78.
44.Muḥammad Ḥamīdullāh, Dr., trans., The life and work of the Prophet of Islam(Islamabad: Islamic Research Institute,1998), 141-143.
45. Ibid., p. 168.
46. Ibid., p. 173.
47. Ibid., p. 109.
48. Shiblī Nu'mānī, 'Allāmah, and Nadvī, Sayīd Sulymān, Sīrah al Nabī(Lahore: ’Idārah Islamīyāt, 2002), Sec. 5, 228.
49. Ibid., p. 229.
50. Ibid., p. 229.
51. Ibid., p. 230-235.
52. Dānāpūrī, ‘Abdul Raūf, Aṣaḥ al Sīyar(Karachi: Edarah Islamīyāt, 2009), 52.
53. Ibid., p. 122.
54. Ibid., p. 52.
55. Ibid., p. 122.
56. Mūdūdī, Abul ‘A'lā, Sīrati Sarwari ‘Alam(Lahore: ’Idārah Tarjumān Al Qur’ān, 2009), Sec. 1, 245.
57. Shāh, Pīr Muḥammad Karam, Ḍīā al Nabī(Lahore: Ḍīā al Qur’ān Publications, 1999), Sec. 3, 279-282.
58. Ibid., p. 284.
59. Ibid., p. 279-282.
60. Ibid., p. 169.

LEGITIMACY OF EUTHANASIA(MERCY KILLING): AN ISLAMIC PERSPECTIVES

Dr. Altaf Hussain Langrial*

Muhammad Muslim**

Abstract

Euthanasia or Mercy killing is one of the most controversial and burning issues of present day. The first section of article is about the introduction, history and types of euthanasia. The second section is about the world current status of legislation about it. Third section is cardinal section of the article and describes about the legitimacy of euthanasia from Islamic perspectives. In 4th section the decisions of Islamic consensual colleges of legislation are presented to bring forth the collective decisions of Islamic jurisprudents. The 5th section is a brief retort of the proponents of the euthanasia and reveals the hidden realities relating to euthanasia. In last the summary and findings of the research are presented.

Introduction

Euthanasia is one of the most debatable issues of our times from medical, ethical and religious point of view. The word *Euthanasia* originates from the *Greek* word *euthanatos* which means an easy death or Good Death and its pronunciation is \ˌ*yü-thə-ˈnā-zh(ē-)ə*\. It is also known as *Mercy Killing* or *Physician-Assisted Suicide*(1). In Arabic it is called قتل المرحمة / قتل الرحمة. Therefore it is defined as "The painless killing of a patient suffering from an incurable and painful disease or in an irreversible coma"(2).

Medically it is defined as: "The act or practice of killing hopelessly sick or injured individuals (as persons or domestic animals) in a relatively painless way for reasons of mercy; also : the act or practice of allowing a

---

* Director Bahawalnagar Campus/Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpure Pakistan.

** M.phil Research Scholar Islamic Studies, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur Pakistan.

hopelessly sick or injured patient to die by taking less than complete medical measures to prolong life—called also *mercy killing"*[3].

With the emergence of materialism and industrial revolution, the debate for the legitimacy of euthanasia started and the materialistic purposes were in guise of humanism and mercy. Being Muslims, before adopting or rejecting it, we have to peep through the Islamic Literature and Islamic history, whether it is legitimate or forbidden and for this purpose we have to reveal pros and cons of euthanasia.

Brief history of euthanasia

According to the proponents of euthanasia, it is not a new debate but it was widely practiced in ancient Greece and Rome and many other regions of the world. For example the use of hemlock plant (a poisonous plant) was common to hasten the death in the Marseilles, isle of Kea, and Athens. In past Euthanasia was considered as a way to hasten the death for hopeless and severely ill patients. Such death was also sported by the ancient philosophers like Plato, Seneca the Elder etc. howeverHippocrates opposed it and said: "I will not prescribe a deadly drug to please someone, nor give advice that may cause his death"[4].

Questel described several techniques to hasten death of the dying, like sudden removal of a pillow or laying patient on ground (believed to accelerate death) and such things were argued against as they were against the laws of *God* and *Nature*[5]. *Euthanasia* also involving the techniques such as bleeding and suffocation. The contemporary *Euthanasia* debate started in 1800s when *John Warren* recommend the use of *morphine* to treat the pain of death in 1848. In the same way *Joseph Bullar* recommended the use of *Chloroform* for the same purpose. First debate on this topic was held by a school teacher *Samuel Williams* in the *Birmingham Speculative Club* in *England*[6].

Types of Euthanasia

Euthanasia can be classified into three main categories[7]:

1. **Voluntary *euthanasia*:** It is directly associated with the so called 'right to die'. In such cases the patients want to die.
2. **Non-voluntary *euthanasia*:** In non-voluntary *Euthanasia* the consent of patient is not available. (Perhaps they are unconscious or unable to communicate). Its examples are child *euthanasia*.
3. **Involuntary *euthanasia*:** When *Euthanasia* is conducted against the will of the patient it is termed as involuntary *euthanasia*. Such

actions are committed by the heirs or medical professionals secretly observing the serious and painful condition of patien.

All the above mentioned types of *Euthanasia* are further divided into the two types

1. **Active euthanasia:**Active *Euthanasia* is performed using lethal substances or forces.

Passive euthanasia: In passive *euthanasia,* the common treatment is stopped which is necessary to save a person's life. i.e. Switch off life-support machines, disconnect a feeding tube, etc. Sometimes such drugs are used which have double effect such as painkillers which shorten the life span of a patient(8).

Worldwide Current legal position

In most of the countries including almost all Islamic countries*Euthanasia* is not allowed and is considered as murder. According to 1961 suicide Act, In England any one performing *Euthanasia* or assisting for it is considered a killer and he may be imprisoned for about 14 years(9). However the countries favouring it are also in the world such as, itwas legalized in the *Netherlands* in 2001, *Luxembourg* and in *Belgium* in 2002.*Euthanasia* is declared legal with the name of *Mercy Killing* in *Switzerland*, *Germany*, *Albania*, *Colombia* and *Japan*.

In 1997 *Oregon* became the first state in the *U.S.* to decriminalize physician-assisted suicide, later on other states such as *Washington*, *Vermont*, *Texas* and *Montana* also adopted it(10).

All the Islamic countries strictly ban this act and in the same way *Vatican City* and *Israel* also ban it, however in *Israel* passive *Euthanasia* is allowed according to the *IsraeliLaw* not the *Jew Law*(11).

Islamic Opinion about *Euthanasia*

Sacredness of Life:

All the religions and social philosophers, expect a few purely materialistic philosophers, believe in the sacredness of human life. According to *Islam* human being are created as the *Khalifat Ullah*, as Allah Subhanahu Wa Ta'la says:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾(12)

(*verily I am going to place a vicegerent On the earth*)

and also says:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[13]

(*We have created man in the best composition*.)

so we should be conscious about the life and death of Humans, therefore Allah says:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[14]

(whoever kills a person not in retaliation for a person killed, nor (as a punishment) for spreading disorder on the earth, is as if he has killed the whole of humankind, and whoever saves the life of a person is as if he has saved the life of the whole of humankind).

﴿وَلَا تَقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾[15]

(Do not kill one another. Indeed, Allah has been Very-Merciful to you.Whoever does that out of aggression and injustice, We shall cast him into the Fire. This is an easy thing for Allah).

Quraan also points out about the Jew Law:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ﴾[16]

(When We took a pledge from you(Jews): You shall not shed the blood of one another).

In this respect same teachings are presented in Jew and Christian Holy Literature:

Cursed is the man who accepts money to kill an innocent person[17].

One of the sins of Ammon that resulted in God's wrath was killing pre-born children[18].

According to the *New Testament* the act of killing a person is a satanic action:

Jesus came to save, restore, and renew life. Satan comes to steal, kill, and destroy[19].

Committing Suicide because of Pain

One of the worst type of killing is to kill oneself (suicide) and the Holy Prophet ﷺ has told about a person who committed suicide whether he was severely injured in a battle: *"My slave has caused death on himself hurriedly, so I forbid Paradise for him"*[20].

Holy Prophet ﷺ did not performed his funeral prayer as is narrated by Sayyiduna Samurah (RA):

"أَنَّ رَجُلاً قَتَلَ نَفْسَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[21].

(A man killed himself. So, the Prophet ﷺ did not pray his funeral salah).

According to the teachings of *Bible*:

Be not over much wicked, neither be thou foolish: why shouldest thou die before thy time?[22]

Divine Law about killing a Person

If by committing *Euthanasia* a doctor or any person kills a person the Allah's Law about such a person in this world is about legal revenge:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾[23]

(O you who believe, Qisas has been prescribed for you in the case of murdered people).

And the punishment relating to dooms day is:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُه جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَه وَاَعَدَّ لَه عَذَابًا عَظِيْمًا﴾[24]

(Whoever kills a believer deliberately, his reward is Jahannam (Hell) where he shall remain forever, and Allah shall be angry with him and shall cast curse upon him, and He has prepared for him a mighty punishment).

According to the Prophet of Islam *Hazrat Muhammad* ﷺ it is not a sign of civilization or culture but actually it is a symbol of ignorance and afflictions and He ﷺ called it Harj, when *His companions (R.A)* asked about harj, he replied it is murder[25]. *Holy Prophet* ﷺ also declared the murder of a person as a great sin[26].

A doctor, while accepting the task of treatment, accepts the assurance of treatment and has no authority for an unconscious person to kill him for the name of mercy instead of performing his treatment. He has accepted the agreement to do his best to save his life not to take his life.

أَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا"[27].

(The Prophet said, "Whoever killed a person having a treaty with the Muslims, shall not smell the smell of Paradise though its smell is perceived from a distance of forty years).

If some jurists or law making authorities decide such a brutal law then they will share all the sins resulting from their decision or law, as narrated by *Hazrat Abdullah*:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ"[28].

(Rasool ullah ﷺ said, "Whenever a person is murdered unjustly, there is a share from the burden of the crime on the first son of Adam for he was the first to start the tradition of murdering).

The act of killing in the name of mercy is actually a brutal action and could not be named as so called "*Mercy Killing*", as in the act of mercy one should try one's best to save life, to provide best treatment, to encourage the patient. It is the real mercy that *Islam* has preached and it leads a person towards the path of *Jannah* and saves his from the fire of *hell*. It is real mercy about which the *Prophet of Allah* ﷺ has told:

"*If you show mercy to those who are on the earth, He Who is in the heaven will show mercy to you*"[29].

Islam gives more importance to the social benefits over the interests of a person, and a demand for *Euthanasia* from a patient or his heirs may be because of someone's escaping tendency and for his own pleasure, but while treating his disease doctors may find new sources for the treatment of other persons and hence personal interests and pleasures

may be sacrificed over the cause of society. It is also an Islamic general rule that

"يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ"[30].

(*suffering of specific person should be tolerated for the elimination of general peoples' suffering*).

in this way the suffering of a few persons may lead to the discovery of a treatment and thus these persons may cause relief for the rest of human race and thus may share the reward of their good deeds in this world and the world to become. *Euthanasia*, if adopted, may be a great barrier in the way of development of science and medicine.

Abundance of Medication from Islamic Perspectives

Holy Prophet ﷺ ordered for medication and to adopt means to cure diseases and said:

"تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَائً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَائً غَيْرَ دَائٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ"[31]

(Make use of medical treatment, for Allah has not made a disease without appointing a remedy for it, with the exception of one disease, namely old age).

Therefore it is consensual matter amongst the Fuqaha that medication is not against trust in Allah, and it should be given priority. *Holy Prophet*ﷺ explained the real face of trust in *Allah*:

عن أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: "اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ"[32].

Hadhrat Anas bin Malik reported that someone asked, "O Messenger of Allah! shall I tether it and trust in Allah or untie it and place trust in Allah? He said: "Tie it and trust in Allah."

Medication may become compulsory, preferable, abominable, or forbidden depending upon the nature of disease and its method of treatment.[33] It is also the opinion of *Imam Ibn e Taimiyya*, further more he adds that medication is not compulsory as eating deceased (Haram) animal to save life[34] and he says that medication is not compulsory according to most of the scholars[35].Keeping in view the above stated situations the diseases may be classified into the two types:

1. Diseases that may cause death or a loss of limb.

2. Diseases that may not kill or cause a loss of limb.

In the same way the types of treatment may also be classified into the following categories:

1. Treatment that affirms the benefit.
2. Treatment that is assumed to be beneficial.
3. Treatment having fantasy of benefit.

If it is certain that treatment may benefit the patient otherwise his life may be in danger, or his limb may be lost, the treatment is necessary and the person can't refuse the treatment and he should be compelled for treatment and it is mandatory for the doctor to provide treatment. If the patient abandons the treatment he will commit a great sin. It is agreed decision by all scholars[36].

In the same way, treatment is mandatorywhen a patient suffers from a contagious disease and the treatment is also available, or the disease is non-contagious but treatment is sure, and the patient is not allowed to refuse the treatment because to stop the treatment is dangerous for himself and others, in such cases treatment may not be stopped at the request of patient or his custodian. Prophet Muhammadﷺ said:

"لا ضرر ولا ضرار"[37].

(*There should be neither harming nor reciprocating harm).*

and treatment for fearsome diseases is compulsory according to the order of Allah:

﴿وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾[38]

(and do not put yourselves into destruction).

Keeping in view the above mentioned rules of Islam about treatment, it becomes obvious that until treatment or lifesaving procedure seems to be beneficial for the patient it could not be stopped and hence there is no place for passive Euthanasia in Islamic Sharia.

Boundaries of Doctor's Authority

The duty of a doctor is to save the lives of patients and if he/she acts as a killer he violates his / her duties and such kind of violation may reduce his credential and people may lose interest on his expertise. Islamic Jurisprudents consider such medical official who gives lethal dose to a

patient as unlearned doctor[39] and according to Hanafi Fuqaha such doctors should be banned from medical practice[40]. However *Fuqaha* allow the doctor to withdraw himself from the treatment of patient if he consciously says this, and also allow the doctor to receive the payment for the period he treated the patient[41].

According to Fuqaha if a patient is at the verge of death and is expected to be saved by the treatment, then doctor is allowed to treat such patient without his permission and if doctor does not provide the patient treatment he is considered sinful because of violating his duty and the matter of legal penalty is contentious amongst the Fuqaha. [42] However if patient is not on the verge of death and is conscious enough then doctor needs his permission for the treatment[43].

It is a consensual matter amongst the Fuqaha that violation is necessary for the legal vengeance in crimes … and the duty of medical officials is to try to cure the patients not to violate his life[44].

Killing a person who is at the verge of death

If a person attacks a person and he is at the verge of death, and unconsciously moving, the movement of slain, and his eyesight and talking power has finished, then comes another person and attacks violently at the slain, then the real murderer is first person not the second, but if second one attacks before reaching him to the slain movements, then the second one will be considered as the murderer and the first should be liable to the legal revenge of limb or blood money. If first person injures a person that ultimately leads to death, however he was not at the verge of death and his vital force was still in him that may save him, and the second one came and cut off his neck now the murderer is the second one[45]. As was in the case of *Hadhrat Umar R.A*, when he was attacked by *Abu Lolo Feroz*, and the physician gave him milk to drink and the milk came out his wound white semi hardened, the doctor said *Hadhrat Umar R.A* to make his last will because he was near to death, so he handed over the matters of *Khilafa* to the *Shura'*(Council), and the Companions of Prophet (*Sahaba[R.A]*) promised him and accepted his last will[46].

If the victim is at the verge of death because of a disease not by the killing action, and he is in the suffering before the death, his status is like the status of slaved person, or the patient is killed whether there is no hope

of treatment for him, then vengeance on the murderer is necessary, as this matter was not completely hopeless and there is always a bit chance of recovery, however if the patient is considered medically already dead, then the killing action of the killer becomes void[47].

These statements of Fuqaha show that in any case doctor or any other person can't kill a person and if died with the action of killer then he should be treated as a killer although he killed him for the reason of mercy. As it is a universal Islamic rule that:

" الْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ"[48].

(certainty cannot be faded away by doubts).

and it is also a universal rule that:

"لَا عِبْرَةَ لِلتَّوَهُّمِ"[49].

(that there is no place for fantasy).

The matter of providing relief from the suffering of death or disease is doubted as the life of a person does not end with the end of worldly life and there is also a life in the day to come (*Qayama*) and any act that may lead to death to get rid of pain and suffering may cause an endless suffering in *Akhira* as it is narrated in a hadith:

أن النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ اللَّهُ بَدَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ"[50].

(A man was inflicted with wounds and he committed suicide, and so Allah said: My slave has caused death on himself hurriedly, so I forbid Paradise for him).

Decision of court for Euthanasia

The duty of court is to protect the rights of people not to help over the violation of rights. If courts help the violation of rights then society will turn into jungle where the norms of justice vary with the social class. In the name of mercy, courts should not decide merciless decisions of death without committing any crime. Prophet Muhammad ﷺ said in the case of *Fatima Makhzoomia (R.A)* when she committed theft:

"O people! Those who came before you were only destroyed because when one of their nobles stole, they let him off but when one of the weak people among them stole, they would

carry out the punishment on him. By Allah if Fatimah the daughter of Muhammad were to steal, I would cut off her hand"[51].

The Authority of Social agencies

In the so called civilized society, social agencies are also propagating for the *Euthanasia* and the summary of their arguments is that a person near to death is not beneficial for the society and his family so it is necessary for the patient to get rid of such a useless life that can't provide any kind of material benefit to society or his heirs. Such social agencies think with a materialistic mind and they measure human value with material things and thus are trying to astray the society to the period of former ignorance as was before the advent of Islam. Without the light of revelation and religion such agencies may degenerate the whole world as is described in the Holy Qura'an:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَo أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾[52].

(When it is said to them, :Do not spread disorder on the earth , they say :We are but reformers. Beware, it is, in fact, they who spread disorder, but they do not appreciate).

Even for this purpose they have launched their website having web address http://www.churchof*euthanasia*.org/ which aims at the reduction of human population by promoting 4 means (1) suicide (2) abortion (3) cannibalism (human butchering) (4) sodomy. This website also invites the visitors to kill themselves to protect the planet (earth). Their basic motto is to reduce population so that resources may be abundantbut the teachings of Quran in this respect are these:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[53]

(Do not kill your children for fear of poverty. We provide sustenance to them and to you, too. Killing them is a great sin indeed).

It was because of the sacredness of human life that several times Rasool Ullah ﷺ took swear allegiance from His companions not to kill their children [54] and not to kill one another[55].

Euthanasia may serve as a slippery slope

According to a survey held in United States in which about 16% of more than 10,000 physicians admitted that they halted life sustaining therapy on the demand of family although they thought it was premature. In USA 46% physicians also agreed that the physicians assisted suicide [56].

In *Turkey* Euthanasia is not allowed, however in a survey the oncologists of *Turkey* 43.8% did not object euthanasia, 33.7% of them were asked for Euthanasia out of which 41.5% performed Euthanasia secretly. 50.6% of the oncologists withdraw themselves from the treatment[57]. Considering the human life this figure is very large especially for an Islamic country where Euthanasia is not legal.

Bearing Pain and Hardships is Always Rewarded

To get rid of pain in case of incurable diseases: whether religious and humanitarian organizations preach to bear pain and sufferings and this will provide them with new spiritual experiences and spiritual promotion. When a patient bears pain and suffering Allah forgives his sins.

قال النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا يُصِيبُ المسْلِمَ، مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ، وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حُزْنٍ وَلاَ أَذًى وَلاَ غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ"[58].

(The Prophet said: "No fatigue, nor disease, nor sorrow, nor sadness, nor hurt, nor distress befalls a Muslim, even if it were the prick he receives from a thorn, but that Allah expiates some of his sins for that").

قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَّ اللَّهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ، كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ"[59].

(The Prophet said: "for no Muslim is afflicted with any harm but that Allah will remove his sins as the leaves of a tree fall down").

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ المسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا عَنْهُ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا"[60].

(The Prophet said: "No calamity befalls a Muslim but that Allah expiates some of his sins because of it, even though it were the prick he receives from a thorn").

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَارِبُوا، وَسَدِّدُوا، فَفِي كُلِّ مَا يُصَابُ بِهِ الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ، حَتَّى النَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا، أَوِ الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا"[61].

(Allah's Messenger (peace & blessing be upon him) said: "Be moderate and stand firm in trouble that falls to the lot of a Muslim (as that) is an expiation for him; even stumbling on the path or the pricking of a thorn (are an expiation for him").

قال النبی صلی الله علیه وسلم: "لَا تَسُبِّي الْحُمَّى، فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ"[62].

(The Holy Prophet said: "Don't curse fever for it expiates the sin of the posterity of Adam just as furnace removes the alloy of iron").

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا يَزَالُ البَلاَءُ بِالمؤْمِنِ وَالمؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ"[63].

(Allah's Messenger (SAW) said: "Trials do not cease to afflict the believing men and the believing women in their person, their children and their property till they meet Allah and on them is no sin").

قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُشَاكُ شَوْكَةً، فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا كُتِبَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ"[64].

(Allah's Messenger (peace & blessing be upon him)said: "If a Muslim runs a thorn or (gets into trouble) severe than this, there is assured for him (a higher) rank and hissins are obliterated").

Legal Status of DNR - Do Not Resuscitate

It is an order in patient's file in which a doctor is directed not to resuscitate if his heart fails so that he may not suffer from more agony. Moreover the resuscitation techniques have some side effects i.e. broken ribs, other fractures, ruptured spleen, brain damage etc. According to Islamic law the patient can't make the decision of *DNR* and any such decision should be left for the medical expert who may examine him on

this critical eve. Medical experts should keep in view the following rules while making decision about DNR.

The decision of DNR should be made keeping in view all the positive and negative effects of current situation of the patient (at the time when resuscitation is necessary) so that optimum level of benefit may be achieved according to the Fiqhi Maxim

"الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف".

(*A severe harm, if necessary, should be eliminated by adopting less harm*).

and

" الْيَقِينُ لَايَزُولُ بِالشَّكِّ"[65].

(*certainty does not vanish by a doubt*).

The intentional pain or fracture (when benefit in not clear) is not allowed in Islamic Law as *Prophet Muhammad(peace & blessing be upon him)* has not allowed it even in the case of deceased person:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا"[66].

No person can decide to deprive a person from the right of saving his life even though he is unconscious or severely mentally retorted or damaged brain as the life is bestowed by *Allah*(Subhanahu Wa Taa'la). In Islamic law even the decision of a guardian which is not in favour of patient's life and prosperity is not valid so, parents can't decide death for their new-born child.

The doctrine of double effect

This doctrine is widely used in medical science. According to it if doing something is morally good but has some bad side effects it is ethically acceptable as doing good was intended and side effects were not intended[67].We know every medicine has some side effects and may cause damage. Sometimes our staple diet may cause some severe side effects or allergies. Sometimes doctors have some sources that can benefit the patient to get rid of pain and distress, but on the other hand such sources may cause a potential harm which may short the life (medically assumed) of the patient. Many doctors miss use this doctrine and give heavy doses

of *morphine* and other drugs to provide relief to the patient and thus cause early death[68].

The adaptation of such sources may not be allowed if any better soothing treatment is available for the patient so that the doctor may adopt the least severe evil of all the evils.

" يختار أهون الشرين" .

If this doctrine is used only to kill a patient then it may not be allowed as the acts of a person depend on his intention.

"إنما الاعمال بالنيات"[69].

(*The reward of deeds depends upon the intentions*).

The dose of the pain killer medicine should not accede the medically recommended dose for the patient because heavy doses of pain killers may kill the patient and the intention of the doctor may be doubted. A doctor is responsible to monitor the severity of both actions of a drug or medical effect and should be a life saviour after all.

Legal Status of a person who kills a person by his permission

According to *Imam Sarkhasi*, if a person says kill me, and he killed him it will be considered as suicide, according to obvious narration (*Zahir ul Riwayah*)[70]. …and according to the narration of *Imam Hasan*, *Imam Abu Hanifa* says he is liable to pay blood money[71]… and according to him his permission is not acceptable[72] and has no legal value. According to the narration of *Imam Abu Yousaf, Imam Abu Hanifasyas* he is not liable to pay blood money because in the beginning of action permission becomes the forgiveness at the end[73].

According to a famous Faqih *Abu Bakr Ala ud Deen Samar Qandi*, If a person said to the other: "Kill me", and he killed him, intentionally or mistakenly he is liable to pay blood money according to the obvious narration[74]. According to *Imam Zufr,* he is liable to legal revenge (*Qisas*)[75] and his permission to kill himself can't abolish the right of his heirs and the killer has to pay blood money[76]. Same is said by *Al-Babarti*, one saying about legal revenge and one saying about blood money[77]

According to *Lisan ul Deen Ibn Eshehna Al-Halbi*, such a person is not liable legal revenge but he is liable to pay blood money[78]. *Abu Muhammad Ghanim Al-Hanafi* narrates consensusat the blood money.

According to *Ibn e Rushd*, a person who says to other to kill him, and he kills him, the killer is liable to be killed as legal revenge because the killed forgave such a thing that he has not authority and the authority of forgiving the murderer lies to the heirs(79). However *Muhammad Yousaf bin Abi al Qasim Al-Abdri* imposes penalty of hundred whips and prisons of one year(80). According to *Al-Mawardi* if one said his heir to kill him and he killed him he will not get inheritance(81).

Decisions of Consensual Jurisprudence Colleges

The decision of international Islamic convention for medical ethics and health

The above said convention passed the following resolution about *Euthanasia* under **section 62**:

"Human life is sacred and it is not permitted to squander it expect the limits defined by the *Islamic Law* and *Sharia*, and all these matters are out of the boundaries of medical profession. It is not allowed to the medical experts to participate in the process of ending the life of patient although it is in the name of *mercy*. Particularly the following situations that are known as the *mercy killing*:

1. Intentionally killing those who want to end their life with their will and wish.
2. Physician assisted suicide.
3. Killing the infants by their parents having congenital deformities which will limit their life.

Section 63:

The following situations should not be included in *mercy killing* (for Example):

1. To stop the treatment of the patient when a committee of specialized doctors decide that it has no benefit for the patient. i.e. removing exhilaration instruments.
2. Ignoring the beginning of treatment when it seems to have no advantage.
3. Provision of strong treatment to remove severe pain, knowing that it may cause a threat for the life of patient(82),(83).

The Decision of European Council of Fatwa and Research

Euthanasia, direct or indirect, passive or active, or committing suicide or helping patient to commit suicide, all are not allowed from Islamic perspective … patient has contiguous disease or non-contiguous disease, hopeless or hopeful in any case he could not be killed in the name of mercy. In the same way killing patient himself or killing him the other with his permission is also act of killing and liable to be punished,… however the patient who is medically dead or completely senseless and there is no hope to return him to the senses and is on resuscitation instruments, in such cases medical specialist are allowed to remove such medical instruments and this act is not the act of killing however it may be called the abandonment of treatment[84]. According to them removing medical instruments is not act of killing, as the doctor is not actively involved in it and the continuity of treatment is not compulsory for such patients. This action should be called facilitation of death not killing for mercy. For a medical expert it is permissible for the comfort of patient and his family[85].

The Decision of Islamic Organization for Medical Sciences, Kuwait

This organization did not allow the Euthanasia however this committee gave decision about the brain death. In the case of brain death, resuscitation instruments may be removed if a committee of medical specialists declare that the brain stem of the patient is dead and there is no chance to return to the life. In this case the patient is already dead[86],[87].It was also the decision of European Council of Fatwa and Research[88].

The Decision of Islamic Fiqh Academy India

Islamic Sharia lays great stress on the sanctity of human life and therefore it is the duty of oneself and the others to protect life, so:

1. Any intentional action that may cause death to the patient, to provide relief to the patient and his custodians, is forbidden and is matter of obvious killing.
2. Such a patient should not be given lethal drugs and abandoning treatment to hasten death is also not allowed[89].

The Decisions of Islamic Medical Association of North America

The decision of IMANA is much more balanced and acceptable by the doctor's community. According to IMANA:

1. IMANA does not believe in prolonging the misery of dying patients who are terminally ill or in a persistent vegetative state (PVS[90]).
2. When death becomes inevitable, as determined by a team of physicians, including critical care physicians, the patient should be allowed to die without unnecessary procedures. While all ongoing medical treatments can be continued, no further or new attempts should be made to sustain artificial life support. If the patient is on mechanical support, this can be withdrawn.
3. The patient should be treated with full respect, comfort measures and pain control. No attempt should be made to withhold nutrition and hydration. In such cases, if and when the feeding tube has been withdrawn, it may not be reinserted. The patient should be allowed to die peacefully and comfortably. However, no attempt should be made to enhance the dying process in patients on life sup- port.
4. IMANA is absolutely opposed to euthanasia and assisted suicide in terminally ill patients by healthcare providers or by patient‟s relatives. Suicide and euthanasia are prohibited in Islam[(91)].

What is Under the Cover?

Muhammad Bin Muhammad Al-Mukhtar Al-Shanqiti explains the undercover temptations and points out the realities hidden under guise. Answering a query about killing a person who is disappointed about his treatment and says physician to kill him he says that it is not actually *mercy killing* but *Satan* has decorated this brutal action with the name of *Mercy killing* so that humans may adopt it, as said by *Allah*:

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾[(92)]

(*And the Satan had beautified for them their deeds).*

Indeed it is deterioration in the society and the deteriorators believe themselves as reformers as said by Allah:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لا تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾[(93)]

(*When it is said to them, Do not spread disorder on the earth, they say :We are but reformers).*

Al-Shanqiti declare it as an action of intention killing not the action of mercy and the physician will be considered a killer, and it is violation of the boundaries of Allah and human beings don't have right to change it as sometimes in spite of his knowledge he behaves like ignorant and despotic person as Allah Says:

﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾(94)

(*Indeed, he is unjust (to himself), unaware (of the end)).*

So, Islamic Sharia'h should not allow mercy killing forever because this matter is not an Ijtehadi matter but it is Devine Law as stated in the Holy Texts. The act of killing is also a non-medical matter as the duty of medical professionals is to save life not to kill and they should try their best to explore new medical techniques for treatment. A medical expert should not interfere between the Creator (Allah) and creature, and Allah much more merciful than humans. We should not doubt about His mercy and should not try to make him know about the act of mercy as He says:

﴿قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ﴾(95)

(*Say:Would you apprise Allah of your religion*).

The friends of Allah seek pleasure in facing hardships, and diseases and it is the height of contentment from His friends(96).

Summary of Arguments

1. Religion and human society believes in the sanctity of human life and *Euthanasia* destroys this sanctity.
2. We may assume some peoples, i.e sick and disabled, worthless and may cause their eradication from the society.
3. Human history has no legal evidences of *Euthanasia* for humans, and if it is practiced in previous history, it is severely criticised, and we are discussing about its legitimacy and if unluckily we passed a law for *voluntaryEuthanasia* then it may lead to *involuntaryEuthanasia* and this will be a great human crisis.
4. *Euthanasia* may lead to the killing of undesirable persons in our society. (in our opinion not in the opinion of (Allah Subha nahu Watala)
5. It may lead to the violence of the rights of other heirs or dependents.

6. We should not spend a lot of money on discussing such an issue rather we should try to find and develop palliative care techniques.
7. Regulating *Euthanasia* is much more difficult as it does not has only a scientific facet but has also a social facet where hidden and intervening variables may also affect such horrible decisions.
8. In many countries the persons who may not afford costly treatment of their disease may accept *Euthanasia* as a *"cheap alternative"*.
9. Doctors and nurses are trained and taught to save lives not to take lives, it is against their nature of job and they should not be de-tracked from their natural duty.
10. Heirs may accept *Euthanasia* for saving cost of treatment and it is totally a materialistic thinking and violation of ethics and human sanctity is obvious.
11. It may make doctors too much powerful to decide "*death sentence*" like judges but without any court trial.
12. This may be associated with the illegal trade of human organs where in the name of *Euthanasia* patients may be killed for the sake of their organs**.**
13. The patients suffering from severe contagious diseases may be ethically compelled to die by medical or social agencies, so that their infection may be controlled at the spot and may not spread to others whether this infection actually may be treatable.
14. Selfish families (especially in poor areas or countries, where poverty overcome the ethics) may cast so called "*moral pressure*" on the elders to end their lives for their families.
15. In the same way social agencies may morally pressurize a person to commit *Euthanasia* to free up the medical resources for others.
16. Abandoned patients by their families may also find it the only solution.
17. From religious point of view life is not our own, but it is blessing of Allah and we are guardians of life and have to lead a good life under the supervision and guidance of Allah.
18. If such a law is made to regulate *Euthanasia* then like all other laws people will misuse it and may cause killing who don't want to be killed.

Results

Keeping in view the above mentioned facts, it is clear that Islam does not allow mercy killing whether it is voluntary, nor voluntary or involuntary whether it is passive or active. However DNR (Do Not Resuscitate) could be partially followed only if doctor has firm believe that it may not work otherwise DNR order has no value from the side of patient. However patients in persistent vegetative state (PVS) should be allowed to die a painless death without disconnecting due treatment or feeding tube. Treatment of patient can be abandoned only if it is sure that it will improve nothing in the condition of patient and the treatment is painful enough to bear. No attempt should be made to enhance the dying process in patients on life support. Patient ill with terminal diseases should be provided with counselling to face the disease and hardships and the counsellors must be expert psychologists with proper religious training.

References

1. http://www.merriam-webster.com/dictionary/euthanasia.

2. "Euthanasia". Oxford Dictionaries. Oxford University Press. April 2010. Retrieved 26 April 2011.
3. http://www.merriam-webster.com/dictionary/euthanasia.
4. Stolberg, Michael (2007). Active Euthanasia in Pre-Modern Society, 1500–1800: Learned Debates and Popular Practices, Social History of Medicine 20 (2): 206–07.
5. Stolberg, Michael (2007). Active Euthanasia in Pre-Modern Society, 1500–1800: Learned Debates and Popular Practices, Social History of Medicine 20 (2): 206–07.
6. Emanuel, Ezekiel (1994). The history of Euthanasia debates in the United States and Britain, Annuals of Internal Medicine 121 (10): 796.
7. LaFollette, Hugh (2002). Ethics in practice: an anthology, Oxford: Blackwell. pp. 25–26. ISBN 0-631-22834-9.
8. James Rachels, 'Active and Passive Euthanasia'. The New England Journal of Medicine, Vol. 292, pp 78-80, 1975.
9 . http://www.bbc.co.uk/ethics/euthanasia/.
10. http://www.churchofeuthanasia.org/graphics/ranstick.html.
11. Euthanasia: The Approach of the Courts in Israel and the Application of Jewish Law Principles, Jewish Virtual Library.
12. Surah Al-Baqara, 2: 30.
13. Surah Al-Teen, 95: 04.
14. Surah Al-Maeda, 5 :32.
15. Surah Al-Nisa, 4 : 29-30.
16. Surah Al-Baqarah, 2 : 84.
17. Old Testament, Deuteronomy. 27:25.
18. Old Testament, Amos 1:13.
19. New Testament, John 3:16-17; 8:44; 10:10.
20. Sahih Bukhari, Vol.2, p. 96, Hadith No. 1363.
21. Jami' Tirmizi, Vol. 2, p.371, Hadith No. 1068.
22. Ecclesiastes, 7:17.
23 . Al-Baqara, 2 : 178.
24 . Al-Nisa, 4 :93.
25. Sahih Bukhari, Vol.1, p28, Hadith No. 85.
26. Sahih Bukhari, Vol.3, p 121, Hadith No. 2653.
27. Sahih Bukhari, Vol.4, p 99, Hadith No. 3166.
28. Sahih Bukhari, Vol.4, p 133, Hadith No. 3335.
29. Abu Dau'd, Sulaiman bin Ash'ath Sajistani(275 A.H.), Sunan Abi Dau'd, Al-Maktabat ul Asriyyah, Sida, Beirut.Vol. 4, p. 285, Hadith No. 4941.
30. Majallah Al-Ahkam Adaliyyah, Vol.1, p.19.
31. Sunan Abi Dau'd, Kitab al-Tibb, Hadith No.3357, Jami' Al-Tirmizi, Kitab al-Tibb, Hadith No. 1961, Sunan Ibn e Majah, Kitab al-Tibb, Hadith No. 3427.
32. Al- Tirmizi, Ch. Sifatil Qiyama, Hadith No. 2517, he added that this Hadith is Gharib(unusual).

33. Nida, Muhammad Naeem, Maut ud Dmagh(Bait ut Tibb wal Islam, Dar ul fikr), p. 197.
34. Ibn Taymiyyah, Taqiyuddin Abul Abbad Ahmad Al-Harrani(728A.H.), Al-Fatawa Al-Kubraa'(Dar ul Kutub Al-Ilmiyyah 1408/1987), vol.18, p. 13, vol.24, p. 357.
35. Ibn Taymiyyah, Al-Fatawa Al-Kubraa' vol.24, pp. 272-276. 276-272/24.
36. Mubarak, Qais bin Muhammad A'l Al-Sheikh, Al-Tadavi wal Mas'ooliyyah Al-Taibbiyyah fi Al-Sharia'h Al- Islamiyyah(Mu'ssasat ur Rayyan, 1997), p. 99.
37 Ibn Majjah, Hadith No. 2340-2342 .
38. Surah Al-Baqara, 2:195.
39. Lajnatul Ulema(Scholar's Commettee), Al-Mosu'h Al-Fiqhiyyah Al-Kuwaitiyyah (Wazarat ul Aoqaf wa Al-Sho'on Al-Islamiyyah, Darus Salasil, Kuwait), v. 17, p. 101.
40. Ibid.
41. Ibid, v.1, p. 300.
42 .Ibn Qadamah, Abu Muhammad Muwaffiq ud Din Al-Muqaddisi (620A.H.), Al-Mughni, (Maktabat ul Cairo), v.5, p. 390.
43. Ibid, and Al-Mosu'h Al-Fiqhiyyah Al-Kuwaitiyyah v.3, p. 154.
44. Ibid, v.16, p. 65.
45. Ibid, v.23, p. 148.
46 Sahih Bukhari v.5, p.65, Hadith No. 3700.
47. Al-Sharbini, Shams ud din, Muhammad bin Ahmad Al-Khatib Al-Sharbini,Al-Shafi' (977 A.H.), Mughnil-Muhtaj, Ila Ma'rifat Ma'ani Alfazil Minhaj, (Darul Kutub Al-Ilmiyyah 1415/1994), v.5, p. 227.
48. Ulema Committee formed by Usmani Caliphate,Majallat ul Ahkam Al- Adaliyyah, (Noor Muhammad Karkhana Tijarat e Kutub, A'ram Bagh, Karachi), v.1, p.16.
49. Ibid, v.1, p. 25.
50. Sahih Bukhari, v2, p 96, Hadith No. 1363.
51. Sunan Ibn e Majjah, V3, p 582, Hadith No. 254.
52 . Surah Al- Baqara, 2 : 11-12.
53 . Surah Al-Asra, 103 : 31.
54. Sahih Bukhari, vol.1, p.18, Hadith No.18.
55. Ahmad, Abu Abdullah Ahmad bin Muhammad bin Hambal(241 A.H.), (Mu'ssasat ur Risalah 1421/2001), v.37, p. 341, Hadith No. 2668.
56. Leslie Kane, Doctors Struggle With Tougher-Than-Ever Dilemmas: Other Ethical Issues, 11 November 2010.
57. ATILLA SENIH MAYDA, ERDEM ÖZKARA and FUNDA ÇORAPÇIOGLU (2005), Attitudes of oncologists toward Euthanasia in Turkey, Palliative & Supportive Care, 3, pp 221-225.
58. Sahih Bukhari, vol.7, p. 114, Hadith No. 5641.
59. Sahih Bukhari, vol.7, p. 115, Hadith No. 5647.
60. Sahih Bukhari, vol.7, p. 114, Hadith No. 5640.
61. Sahih Muslim, vol. 4, p.1993, Hadith No. 2574.

62. Sahih Muslim, vol. 4, p. 1993, Hadith No. 2575.
63. Al-Tirmizi, Muhammad bin Esa bin Saura(279 A.H.), Sunan Al-Tirmizi, (Darul Gharb Al- Islami, Beirut, 1998), vol. 4, p. 180, Hadith No. 2572.
64. Sahih Muslim, vol. 4,, p 1991, Hadith No. 2572.
65. Majallah Al-Ahkam Al-Adaliyyah, vol.1, p.16.
66. Sunan Ibn e Majah, v.1. P. 516, Hadith No. 1616.
67 . http://plato.stanford.edu/entries/double-effect/.
68. http://hospicecare.com/about-iahpc/publications/ethical-issues-2/otherpublications/the-double-effect-of-pain-medication-separating-myth-from-reality/.
69. Sahih Bukhari, v1, p.
70. Al-Sarkhasi, Muhammad bin Ahmad(483 A.H.), Al-Mabsoot(Darul Ma'rifah, 1414/1993), vol. 16, p. 14.
71. Ibid.
72. Ibid.
73. Ibid, vol. 24, p. 91.
74. Al-Samarqandi, Muhammad bin Ahmad bin Abi Ahmad, Abu Bakr Alaudin,Tuh fatul Fuqahaa'(Darul Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, 1414/1994), vol. 3, p. 102.
75. Al-Kasani, Alaudin Abu Bakr bin Mas'ud bin Ahmad Al-Kasani Al-Hanafi (587 A.H.), Badai'us Sanai' fi Tarteebish Sharai',(Darul Kutub Al-Ilmiyyah, 1406/1986), vol.7, p. 236.
76. Al-Zaili'e, Fakhrud din, Usman bin Ali(743 A.H.), Tabyin ul Haqaiq Sharh Kanzud Daqaiq wa Hashiat us shalbi(Al-Matba't ul Kubraa Al-Amiriyyah, Bulaq, Qairo, 1313), vol. 2, p. 65.
77. Al- Baberti, Akmal ud din, Muhammad bin Muhammad bin Mahmood(786 A.H.), Al-'nayah Sharh ul Hidayah,(Darul Fikr), vol. 8, p. 191.
78. Al-Halbi, Ahmad bin Muhammad bin Muhammad(882 A.H.), Lisan ul Hukkam fi Ma'rifat ul Ahkam,(Al-Babi Al-Halbi, Qairo, 1393/1973), vol. 1, p. 390.
79. Ibn Rushd, Abu l Waleed Muhammad bin Ahmad Al-Qurtubi(520 A.H.), Al-Bayan wat Tahsil, wa Sharh wat Taujeehi wat Ta'leel Limasai'lil Mustakhrajah,(Darul Gharb Al-Islami, Beirut, 1408/1988), vol.16, p. 57.
80. Al-Mawardi, Ab ul Hasan Ali bin Muhammad bin Muhammad bin Habib Al-Basari, Al-Shafi'e(450 A.H.), Al-Hawi Al-Kabir fi Fiqh Mazhab Al- Imam Al-Shafi'e,(Dar ul Kutub Al-Ilmiyyah, Beirut, 1419/1999), vol.10, p. 267.
81. Ibid.
82 . http://www.sehha.com/medical/IslamicCodeEthics5b.htm.
83. Al-Meesaq Al-Islami Al-'alami lil Akhlaqiyyat At Tibbiyyah, Ch. 5, Al-Qadhaya Al-Ijtima'yyah, Taiseer ul Maut Ao Qatl il marhamah, Course.62.
84. Qararat wa Fatawaa Majlis il Urobbi Lil Ifta wal Buhoos,(Aifa Publication, New Dehli, 2008), pp.188-189.
85 . Dr. Muhammad Al-Hawari, Euthanasia , European council for Fatwa and Research, Stockholm, 2003, p 21-22.
86 . http://islamset.net/arabic/aioms/injazat.html(18-08-2013; 12:40 AM).

87. http://islamset.net/ioms/seminar2.html(11-09-2013; 10:15 AM).
88. Dr. Muhammad Al-Hawari, Euthanasia , European council for Fatwa and Research, Stockholm,2003, p 21-22.
89. EFA, New problems and the decisions of Islamic Fiqh Academy of India, Islamic Fiqh Academy India, New Delhi, India, 2012, (Urdu Edition),(16th Seminar, Azam Garh, 30 March to 02 April 2007, P 218.
90. PVS is defined as a sub-acute or chronic condition which usually follows severe brain injury and total lack of cognitive function with preserved blood pressure, respiratory control, that persists for more than two months.
91 . Shahid Athar, and Hossam E. Fadel, Islamic Medical Ethics: The IMANA Perspective, Imana Ethics Committee, from: www.imana.org.
92 . Surah Al-Ankaboot, 29: 38.
93 . Surah Al-Baqara, 2:11.
94 . Surah Al-Ahzab,33 : 72.
95 . Surah Al-Hujraat, 49: 16.
96. Al-Shanqiti, Muhammad bin Muhammad Al-Mukhtar, Sharh Zad il Mustaqni', Duroos Sautiyyah(Oral Lessons) Published by Al-Shibka Al-Islamiyyah, Lesson No. 348, p. 11.

H.E.C Approved Research Journal

MAARIF-E-ISLAMI

Volume No. 13 Issue No. 1 January 2014 to June 2014

ISSN: 1992-8556

Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad